Title - FASANA-E-MUBTILA AL MAROOF BA MUHSANAAT

Creator - Nazeer Ahmad Khan.

Publisher - Shamsi Press (Delhi).

Date - 1885

Pages - 212

Subjects - Urdu Novel

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ

ہم معتقدِ دعوے باطل نہیں ہوتے
سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

فسانۂ مبتلا

المعروف

محصنات

جس میں تعدد ازدواج کے خراب نتیجوں کو ایک قصے کے پیرائے میں دکھایا گیا ہے

اور جس کو

مولوی حافظ نذیر احمد خاں صاحب بہادر سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو
ریاست حیدرآباد دکن حال وظیفہ خوار سرکار عالی نظام
مصنف مرآۃ العروس بنات النعش و توبۃ النصوح وغیرہ نے تصنیف کیا

اور بعد نظر ثانی مصنف و تجدید رجسٹری بار دوم
حسب فرمائش شیخ محمد نذیر حسین تاجر کتب دریبہ کلاں دہلی
شمسی پریس دہلی میں بحسن و خوبی چھپی

…ات جناب شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد خانصاحب ایل ایل ڈی دہلوی

…ترجمہ بزبان حال کے محاورے میں نہایت سلیس عام فہم اردو ترجمہ کیا ہے اسکی قلم و تقطیع متوسط ۲۲ + ۲۹ چو صفحہ ۵۳ جزو بلا ق…
…مطالب قرآن۔ اس فہرست قرآن کو مترجم نے نہایت کوشش سے تیار کیا ہے۔ یعنی جو احکام مختلف مقامات قرآن شریف میں وارد ہوئے
…ہر پارہ و سورہ و رکوع الگ الگ عنوان اور جدا جدا سرخیاں قائم کرکے جمع کردیا ہے جس سے ہر شخص بآسانی جس احکام کی آیت چاہے نکال لے
…کاغذ سفید چکنا حاشیہ دار مجلد چرمی ہے + **قرآن شریف** مترجم دو صفحہ تقطیع کلاں کاغذ ولایتی قیمت بلا جلد ستے ر مجلد …
مترجم کاغذ چکنا ولایتی سفید حاشیہ دار بلا جلد ۷ر مجلد ۸ر + **قرآن شریف** متوسط ترجمہ بالمقابل مع اضافہ جدید فہرست القرآن
…قیمت کاغذ سفید ولایتی بلا جلد ۸ر مجلد ۹ر کاغذ خاکی وزرد بلا جلد ۵ر مجلد ۶ر + **حمائل شریف** مترجم تقطیع خورد ترجمہ
…ید بلا جلد ۶ر کاغذ خاکی بلا جلد ۶ر مجلد ۶ر + **ہفت سورہ** مترجم ترجمہ بین السطور کاغذ سفید ولایتی قیمت ۲ر + **۵ سورہ**
جسمیں قرآن کی دس مشہور سورتوں کی اردو میں تفسیر ہے گویا مولانا نے اسمیں تفسیر قرآن کا نمونہ دکھایا ہے قیمت ۸ر + **الحقوق**
…انسانی زندگی خصوصاً اسلامی زندگی کا ایک نہایت جامع اور مکمل دستور العمل ہے علامہ مصنف نے انسان کے تمام تعلقات کو قرآن مجید و حدیث
…فرائض کو الگ الگ کرکے دکھایا ہے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں پہلے حصے میں خدا کے حقوق کا بیان ہے اور دوسرے میں خدا کے علاوہ دوسرے
…ات کا ذکر ہے تیسرے حصے میں اخلاق و آداب کا بیان ہے غرضکہ یہ کتاب زندگی کا دستور العمل جامع ہے جیسے معاملات آدمی کو دنیا میں
…بارے میں حکم و ہدایت قیمت حصہ اول عہ ر حصہ دوم عہ ر حصہ سوم ۲ر + **ادعیۃ القرآن** یہ قلیل الحجم دعاؤں کا مجموعہ ہے جو قرآن
وارد ہوئی ہیں ان دعاؤں کو ایک جا جمع کرکے چھاپا ہے مع ترجمہ اور دعاؤں کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے قیمت فی جلد ۷ر + **اجتہاد** یہ
…جدید تصنیف ہے اسمیں اسلام اور اصول و ارکان اسلام اور تمام عبادات کو فطری ثابت کیا گیا ہے اور اسلام کے مقابلے میں دیگر ادیان
…نکتہ چینیاں کرتے تھے ان کا اسلام کے ساتھ منصفانہ مقابلہ کیا ہے قیمت عہ ر

…ب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
…ترمیم شدہ کاغذ		**موعظہ حسنہ** مطبوعہ انصاری		**چند پند**۔ مبتدیوں کے		**رسم خط** قواعد املا و انشار	
…واری کے بیان		تعلیم مفید نصیحت فرمائی		لیے نہایت مفید اور بکار آمد		بچوں کے واسطے اس سے بہتر	
…قیمت	۸ر	ناشد یام قیمت	۱۰ر	کتاب ہے جس میں انکے لیے مفید		اوتی کتاب نہیں بلکہ منتہیوں	
…غذ رسمی قیمت	۳ر	**ایامی** اسمیں بیوہ عورتوں کے		مضامین جمع کیے گئے ہیں قیمت	۳ر	کے لیے بھی بکار آمد ہے قیمت	۲ر
…کاغذ ولایتی قیمت	۷ر	نکاح نہ کرنے کی دینی و دنیاوی		**صرف صغیر** یعنے قواعد اردو		**ما لیغنیک فے الصرف** یہ	
…قیمت	۳ر	خرابیاں لکھائی گئی ہیں قیمت	۱۰ر	زبان میں۔ یہ کتاب بھی مبتدیوں		کتاب عربی اردو زبان میں اپنے	
…کاغذ ولایتی قیمت	۷ر	**رویائے صادقہ**۔ یہ بے نظیر		کے لیے ایک عمدہ رہنما ہے قیمت	۳ر	نام کی ایک ہی کتاب ہے قیمت	۸ر
…قیمت	۳ر	ناول مولوی صاحب نے لکھا ہو قیمت	۳ر	**نصاب خسرو** یہ کتاب		ایضاً کاغذ رسمی قیمت	۵ر
…نی فسانۂ مبتلا		ایضاً کاغذ رسمی قیمت	عہ ر	مثل خالق باری کے ہے بچوں		لکچروں کا مجموعہ جن ۹۵ء تک کے کل	
…سی پرینٹ لی کا		**اتمام حجہ** یہ رسالہ اصلاح قوم کے		کے واسطے بہت مفید قیمت	۱ر	لکچر نمبر ا سے ۲۲ تک قیمت کاغذ عمدہ	۶ر
	۱۰ر	بارے میں ہے مطبوعہ صدیقی پریس دہلی	۱ر	**مبادی الحکمۃ** زبان اردو علم		ایضاً رسمی کاغذ قیمت	۶ر
…مطبوعہ انصاری		**منتخب الحکایات** حکایات		منطق میں ہے جسکے صلہ میں مصنف کو		ایضاً جلد دوم جس میں ۹۵ء تک کے لکچر ہیں	۱۲ر
…لانہ مذہبی کی نقصان میں	۱۲ر	دلچسپ و حامل مطلب مبتدیوں کے لیے	۳ر	گورنمنٹ سے انعام عطا ہوا قیمت	۸ر	ایضاً کاغذ رسمی قیمت	۱۲ر

…ن حمائلیں وغیرہ۔ اور کتابیں شیخ نذیر حسین تاجر کتب دہلی بازار دریبہ کلاں سے طلب فرمائیں

نام کتاب	قیمت

محاربہ فرانس و پرشیا جرمن اور فرانس کی مشہور جنگ جو ۱۸۷۰ء میں ہوئی تھی۔ یہ کتاب اسی جنگ کی روئداد میں تصنیف ہوئی ہے۔ اس جنگ میں ۲۵ لاکھ فوجیں طرفین کی میدان میں آئیں۔ تین لاکھ فوج معرکہ کارزار میں کام آئی اور ۵ لاکھ کے فرانسیسی فوج قید میں آئی نپولین بوناپارٹ کے شہنشاہ فرانس ۸۰ ہزار فوج سمیت گرفتار ہوا۔ فرانس نے بادشاہ کو معزول کرکے جمہوری سلطنت قائم کی اور پرشیا کے بادشاہ کو شہنشاہ جرمن کا خطاب نصیب ہوا۔ اس میں ایک دیباچہ ہے اور ایک مقدمہ اور ۱۸ باب ہیں قیمت — عہ/

تاریخ جنگ سوڈان مصر اور سوڈان کے محاربات کے متعلق اردو میں یہ پہلی تاریخی کتاب ہے جس میں مصر اور سلطنت روم کے باہمی تعلقات اور مصر میں انگریزی مداخلت کے اسباب عربی پاشا کی بغاوت۔ مہدی کی پیدائش اور ترقی و عروج مہدی کے مقابلہ انگریزی اور مصری فوج کی پے در پے ناکامیابی مہدی کا خرطوم فتح کرنا جنرل گارڈن کا مارا جانا۔ تخلیہ سوڈان۔ انگریزی افسر اور درویشوں کی عجیب خط و کتابت لارڈ کچنر کی تحریروں کا خلاصہ مصری فوجکی رسد کو بہم پہنچانا و کامیابی جنگ اٹبرا و ام درمان فتح سوڈان معاملات فشوادو گارڈن کالج خرطوم عہدنامہ مصر و انگلستان بابت موجودہ حکومت سوڈان وغیرہ ضروری حالات درج ہیں مصر و سوڈان اور تمام لڑائیوں اور دلچسپ منظروں کی کئی صحیح تصویریں اور نقشے بھی لگائے گئے ہیں قیمت — ے/

جنگ ٹرانسوال اس میں ٹرانسوال کا تاریخی اور جنگ اسباب اور ان کی مفصل کیفیت نہایت عجیب اور دلکش پیرایہ میں عالیجناب شمس العلماء مولانا سید علی صاحب بلگرامی باتمام نے قلمبند کیے ہیں کتاب کی خوبی مصنف کے نام سے ظاہر ہے قیمت مع نقشہ جو کتاب کے ساتھ لگایا گیا ہے — عہ/

تہذیب نسوان یہ کتاب مستورات کو مہذب بنانے اور تمام امورات جو عورتوں سے متعلق ہیں عام اس سے کہ دینی ہوں یا دنیاوی نہایت عمدگی اور خوبی سے بیان کیے ہیں۔ کوئی شرعی مسئلہ ایسا نہیں جو اس میں حسب موقع نہ لکھا گیا ہو خاص عورتوں کی زبان میں شاہجہان بیگم صاحبہ مرحومہ بھوپال نے تصنیف فرمایا ہے جسکی تمام مسلمان عورتوں پر ایسا احسان کیا ہے کہ سب کو ہمیشہ اُنکی شکرگزاری میں رطب اللسان رہنا چاہیے قیمت کاغذ ولایتی — بہر/ قیمت کاغذ دیسی فی جلد — سہر/

عبرت کدہ سندھ ملک سندھ کے حالات میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اس میں ۱۳ باب اور بہت سے ضمیمے ہیں۔ ۷۱۱ء سے ۱۸۴۳ء تک کے تمام تاریخی حالات اور واقعات ہیں سلطنتوں کا انقلاب ملک کی تباہی اور بربادی کا فوٹو برہمنوں کی حکومت سے لے کر سلطنت انگریزی تک کا عزل و نصب۔ سندھ کا طرز تمدن اور طریق معاشرت۔ جنگ و جدل۔ رسوم و تعداد الگذاری مقدمات کی کیفیت غرضکہ کوئی بات نہیں جسکو علامہ مصنف جناب مولانا سید اسد اللہ صاحب عرف میر نواب منصب دار سرکار عالی نظام نے نظر انداز کی ہو۔ گویا سندھ کی مسلسلہ تاریخ ہے ۳۵۰ صفحوں کی ضخیم ہماری دانست میں پہلی ہے۔ عمدہ خوشخط مطبع شمسی حیدرآباد دکن کی چھپی ہوئی ہے اور اس ضخامت اور خوبیوں کے لحاظ سے قیمت صرف — عاہر/

الاخلاق۔ اس کتاب میں تمام اخلاقی امور جو معاملات اور حقوق العباد سے متعلق ہیں قرآنی آیات کے مطابق لکھا ہے ہر ایک مسلمان کو اسکا مطالعہ ضروری بلکہ فرض ہے

سیرت حمیدہ مع عرض حامد خان بہادر ڈپٹی مولوی محمد عبد الحی صاحب آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رئیس دہلی کی تصنیف ہے مولوی صاحب نے اپنی اہلیہ مرحومہ کے حالات میں فرط محبت کی وجہ یہ کتاب لکھی ہے مرحومہ کے اخلاق۔ دین داری زہد و تقویٰ۔ تحمل بردباری وغیرہ کی مفصل کیفیت اور اپنے بعض خانگی معاملات کو بھی حسب ضرورت ظاہر کردیا ہے۔ یہ کتاب عام مستورات کے لیے یقیناً بہت مفید ہے قیمت

اردوئے معلیٰ مرزا غالب مرحوم کے خطوط کا مجموعہ ہے حصہ اول

ایضاً حصہ دوم قیمت

یادگار غالب۔ غالب مرحوم کے حالات میں یہ کتاب بے نظیر لینی کافی ہے مصنف شمس العلماء مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

حیات غالب یہ بھی مرزا غالب مرحوم کی مختصر سوانح عمری ہے مصنف سید محمد مرزا صاحب

رسالہ جراحی فن جراحی کے متعلق یہ رسالہ لاجواب ہے تمام امورات اسمیں درج ہیں

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ

ہم معتقدِ دعوے باطل نہیں ہوتے
سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

فسانۂ مبتلا

المعروف به

محصنات

جس میں تعدد ازواج کے خراب نتیجوں کو ایک قصے کے پیرائے میں دکھایا گیا ہے

اور جس کو

مولوی حافظ نذیر احمد خاں صاحب بہادر سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو
ریاست حیدرآباد دکن حال وظیفہ خوار سرکار عالی نظام
مصنف مرآۃ العروس و بنات النعش و توبۃ النصوح وغیرہ نے تصنیف کیا

اور بعد نظر ثانی مصنف و تجدید رجسٹری بار دوم

حسب فرمائش شیخ محمد نذیر حسین تاجر کتب دریبہ کلاں دہلی
شمسی پریس دہلی میں بحسن و خوبی چھپی

دیباجۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اللہ وہ بھی کیا دن تھے کہ مسٹر ولیم میور ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر تھے اور مسٹر ایم کیمپسن تعلی
ڈائرکٹر۔ تعلیم کے اعتبار سے یہ دونوں صاحب مسلمانوں کے گویا ہارون الرشید اور منصور تھے۔ اور ہنود کے بکر
اور بھوج۔ انگریزی جتنی پڑھی جائے تھوڑی مگر کتنی ہی کیوں نہ پھیلے ہندوستان کی ملکی زبان تو بن بیٹھنے
رہی قوم من حیث القوم اور یہ سو جب کبھی ترقی کرے گی اپنی ہی زبان میں پڑھنے لکھنے سے۔ مسٹر ولیم میو
یہی گر تھا۔ وہ زبان اردو کی پرداخت کے پیچھے پڑے ہماری فلاح کی فکر میں تھے۔ انہی کی قدردانی مجھے تصنـ
و تالیف کی باعث ہوئی یہاں تک کہ عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ مرتب ہو گیا۔ خانہ داری میں مرآۃ العروس
معلومات ضروری میں بنات النعش۔ خدا پرستی میں توبۃ النصوح۔ ان کتابوں نے ایسا رواج
کہ انگریزی۔ بنگالی۔ گجراتی۔ بھاکا۔ مرہٹی۔ پنجابی۔ کشمیری سات زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اور اب تو
تک بدفعات چالیس ہزار جلدیں چھپ چکیں۔ ان ہی دنوں مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ مسلمانوں کی معا
میں عورتوں کی جہالت۔ اور نکاح کے بارے میں مردوں کی آزادی دو بہت بڑے نقص ہیں۔ میں نے ا
نقص کے رفع کرنے میں بجہد المقل کوشش کی ہے تو دوسرے نقص کے رفع میں بھی کچھ کرنا ضرور ہے۔ قصے
منصوبہ ذہن میں ٹھیرا چکا تھا کہ مسٹر ولیم میور ولایت چلے گئے۔ اور میں حیدرآباد۔ اب کہ خدمت سے علی
ہو کر خانہ نشین ہوا۔ فرزند ارجمند صالح و اسعد مولوی بشیر الدین احمد موقع پا کر متقاضی ہوئے۔ اگر اس کتا
کو کوئی فائدہ مترتب ہوا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہو گا تو لوگوں کو مجھ سے بڑھ کر مولوی بشیر الدین اح
شکرگزار ہونا چاہیے۔ کیوں کہ انھوں نے اس کتاب کے لکھنے میں میری اس قدر مدد کی ہے کہ فی الواقع شر
تصنیف ہوئے اور شریک بھی شریک غالب۔ دہلی ... اگست ۱۸۸۵ء

نذیر احمد وفقہ اللہ التزود لغد

تمہید قصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مبتلاؔ تھا تو تخلص مگر چونکہ چھپتا ہوا تھا ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام کو دور کے
رشتہ دار تک بھی نہیں جانتے تھے اور مبتلا کے نام سے لڑکے شہر کے تمام گلی
کوچوں میں جب تک اَمرَد رہا غزلیں اور واسوخت جوان ہوا تو گیت اور ٹھمریاں
اور مرے پیچھے بھی مدتوں بعد تک مرثیے اور نوحے گاتے اور پڑھتے پڑے
پھرتے تھے۔ ہمارے یہاں کی شاعری میں عشق بازی اور بے تہذیبی کے سوا
ہے کیا۔ شریف خاندانوں کے نوجوان لڑکے اکثر اسی مکتب سے خرابی کے لچھن سیکھتے
اور اسی اکھاڑے میں بُرے کوتکوں کی مشق بہم پہنچاتے ہیں جس شاعری سے
ہم بحث کر رہے ہیں اُس کے تین درجے ہیں۔ سننا۔ سیکھنا۔ کہنا۔ اِن میں سے
پہلے دو درجے تو ہمارے طرزِ تعلیم میں داخل ہیں جس کا شمار پڑھے لکھوں میں
ہے ممکن نہیں کہ حرف شناسی کے بعد اُس کا پہلا سبق یہ نہ ہو ۔ ۵

شرمندہ ساخت آہوے چشمت غزالہ را	اے داغ بر دل از غمِ خال تو لالہ را

جن باتوں کی بھنک کانمیں پڑنا نوجوانوں کے حق میں سمِ قاتل ہے سبقاً سبقاً از

کرائی جاتی ہیں اور جن خیالات کا ایک بار دل میں گزر جانا دنیا و دین دونو کی تباہی کا موجب ہوسکتا ہے برسوں انکی مشق و تمرین سے خاطر نشین کیے جاتے ہیں تاکہ طبعی ہو جائیں ناممکن الزوال اور فطری بن جائیں جنکا نکلنا محال۔ بے چارہ مبتلا اس عموم سے مستثنےٰ اس کلیے سے خارج نہ تھا بلکہ اُس پر تو ایک دوسری خلقی بلا مسلط تھی کہ کمبخت صوت شکل کا اچھا رنگ کا گورا اعضا کا تناسب یعنے شعر کا موضوع لہ واقع ہوا تھا۔ یہ تو عقل میں نہیں آتا کہ تخلص تک نوبت پہنچی ہو اور شعر نہ کہا ہو مگر مخمس قصیدے اور مثنوی اور واسوخت اور غزل اور رباعی کا کیا مذکور ہم تک تو مبتلا کا کوئی مصرع بھی نہیں پہنچا قیاس چاہتا ہے کہ اگر اُس نے شعر گوئی کی ہوگی تو اوائل عمر میں کیوں کہ تیس برس کی عمر سے تو ہم اُس کو خانہ داری کی ایسی مصیبتوں میں پھنسا ہوا پاتے ہیں کہ ایسی حالت میں فراغ خاطر اور اجتماع حواس جو شرطِ شاعری ہے میسر نہیں سکتا۔ مبتلا کے اوائل عمر کا کلام غالب ہے کہ حسن ادا اور شوخی اور نزاکت سے خالی نہو اور اسمیں تو شبہہ ہی نہیں کہ جب وہ مشاعرے میں غزل پڑھتا ہوگا تو میر انشاء اللہ خاں کیطرح واہ واہ اور سبحان اللہ اور مکرر پڑھنے کی فرمائشوں کا بڑا غل ہوتا ہوگا مبتلا کا زمانہ کچھ ایسا متقدم نہیں ہے کچھ نہیں تو دو دو سوا سوا اسکے دیکھنے والے اب بھی شہر میں زندہ اور موجود ہونگے پس اگر ہم جستجو کرتے تو اس کا کلام تھوڑا بہت کسی نہ کسی جگہ سے ملتا پڑتا مگر ہمنے اس کے قصے کے آگے اس کے کلام کا کچھ خیال نہیں کیا۔

پہلی فصل مبتلا کی ولادت اور طفولیت

اس اعتبار سے مبتلا ایک خوش حال باپ کا بیٹا تھا اور چونکہ اکٹھی نو بیٹیوں پر جنمیں سے پانچ زندہ تھیں باپ کے بڑھاپے میں بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد پیدا ہوا اس سے بڑھکر اللہ آمین اور

کس کی ہوگی بیٹے کا ارمان تو شروع ہی سے تھا ہر مرتبہ ملنے جلنے دیکھنے بھالنے والے مولوی ملاں۔ نجومی۔ رمال۔ سبھی کہ دائی جی کے خوش کرنیکو کہدیا کرتے تھے کہ اب کے ضرور بیٹا ہوگا مگر ایک عمر اسی میں گذر گئی توقع کی نا امیدی کیواسطے امید لگائی ناکامیابی کیلئے۔ مبتلا کی نوبت میں تو یاس اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ سارے گھر میں کسی کو بیٹے کا شان گمان تک بھی نہ تھا۔ دم کے پانی۔ تعویذ گنڈے۔ ٹونے ٹوٹکے اور دوا درمن برسوں سے موقوف تھے۔ مبتلا پیدا ہوا تو سب سے پہلے دائی کو معلوم ہوا کہ بیٹا ہے اُس نے اتنی عقلمندی کی کہ لوگوں پر بیٹے کا ہونا فوراً ظاہر نہیں ہونے دیا ورنہ زچہ جسکو سکون اور قرار درکار تھا مارے خوشی کے پھولی نہ سماتی اور اُلٹے لینے کے دینے پڑ جاتے مارے بتدریج سب کو خبر ہوئی سنتے کے ساتھ جو کھڑا تھا تو کھڑا اور بیٹھا تھا تو بیٹھا سجدے میں گر پڑا کسیکے منہ سے دعا نکلی کوئی لگا بیساختہ زچہ کی گریاں گالنے کسی نے دوڑ کر چٹا چٹ زچہ اور بچہ کی بلائیں لے لیں غرض گھر کیا اسیوقت سارے محلے میں غل مچگیا اور صبح ہوتے ہوتے تو گلی میں ڈولیوں سے اور گھر میں بیبیوں سے تل دھرنیکو جگہ نہ تھی۔ ہرچند بیٹے کا ارمان اس بلا کا تھا کہ کیسا ہی بدصورت بیٹا ہوتا چوم چاٹ کر ماتھے چڑھاتے مگر اس خاندان میں ہمیشہ سے صورتوں کی پرچول رہا کرتی تھی گھر میں جو آتا بچے کو دیکھنا چاہتا یہ لوگ پرچھاویں اور نظر کے ڈر سے اُسکے دکھانے میں مضایقہ کرتے تھے جب بیبیوں کا بہت تقاضا ہوا اور گرمی پڑنے لگیں تو زچہ کے پاس گھر کی کوئی عورت بیٹھی تھی اُس نے کہا خدا کیلئے بیبیو ذرا ہوا کا رُخ چھوڑو کہ دم گھٹا جاتا ہے مرد بچے کی صورت کیا دیکھنا ہے خدا عمر دے پروان چڑھائے الٰہی ماں باپ کا کلیجہ ٹھنڈا رہے ایک بی بی باوجودیکہ خود بھی ہجوم کرنیوالیوں میں تھیں لوگوں پر بھڑک گئیں لگائی ہے اللہ رکھے پانچ بہنوں کا بھائی ہے انیس بیس کے فرق سے اپنی بہنوں میں ملتا ہوا ہوگا اتنے میں ڈائی اندر سے نکلی تو ساری بیبیوں نے

اس کو گھیر لیا کیوں بوا بچہ پورے دنوں کا صحیح سلامت تو ہوا۔ دائی۔ ہاں۔ پورے دن بھی
کیسے خوب بھرپور ہاتھ پاؤں بال ناخن سب خاصے توانا ماشاء اللہ چٹڑے کا پٹڑا اور ان کے
جتنے بچے ہوئے سب اسی طرح کے خدا کے فضل سے کوکھ بہت صاف ہے بیبیاں۔ کیوں
بوا بہنوں میں ملتا ہوا تو ہے۔ دائی۔ بہنوں کو اس سے کیا نسبت لڑکیاں بھی اچھی صورت کی ہیں
مگر اس سے پہلے کی دو لڑکیاں کہ ایک دو مہینے کی ہو کر اتر گئی اور دوسری دسوا دو برس
کی بس وہ تو آفتاب یا مہتاب تھیں اور یہ تو خدا جیتا رکھے نور کا پتلا ہے۔ بڑی بڑی غلافی
آنکھیں اونچی اور ستی ہوئی ناک۔ پتلے ہونٹ۔ چھوٹا سا دہانہ۔ چمکتے ہوئے سیاہ گھونگر والے
بال۔ کتابی چہرہ۔ صراحی دار لمبی گردن۔ سانچے میں ڈھلا ہوا بدن۔ میری اتنی عمر ہونے آئی
تیرہ برس کی بیاہی آئی تھی تب سے اپنی ساس کے ساتھ یہ کام کرنے لگی خدا جھوٹ نہ بلوائے اتنے
بچے میرے ہاتھ سے ہوئے کہ جن کا شمار نہیں مگر ایسا قبول[1] صورت بچہ میں نے تو بڑے بڑے نامی گرامی
امیروں کے ہاں بھی جن کے حسن کی آج بڑی دھاک ہے نہیں دیکھا۔ بات یہ ہے کہ اللہ عمر دے اور بھاگوان
ہو۔ سب نے کہا آمین۔ مبتلا کے پیدا ہونے کی روداد جو ہم نے اوپر بیان کی اس سے ہر شخص سمجھ
سکتا ہے کہ مبتلا کے ساتھ ماں باپ اور عزیز و اقارب نے کیا کچھ چوچلے نہ کیے ہوں گے غرض وہ
تمام خاندان اور سارے کنبے میں ایک انوکھی چیز سمجھا جاتا تھا اور حقیقت میں جس جس پہلو سے
دیکھیے وہ انوکھی چیز تھا بھی۔ جب سے پیدا ہوا سارے سارے دن ساری ساری رات گود دول
ہی میں رہتا تھا بچھونے پر لٹانے کی نوبت نہ آتی تھی اپنے ہی گھر میں۔ ماں نانی۔ خالہ۔ ممانی۔
ایک کم آدھی درجن سگی بہنیں اتنے آدمی لینے والے تھے کہ ایک سے ایک چھینے لیتا تھا باپ کا
یہ حال کہ جتنی دیر ممکن تھا گھر میں رہتے اور جتنی دیر گھر میں رہتے خود لیے رہتے یا پیش نظر
رکھتے مبتلا کے پہلے پانچ بلکہ سات آٹھ برس کی زندگی یعنی جب تک وہ محتاج پرورش رہا

[1] مقبول کی جگہ بولا جاتا ہے ۱۲

اس قابل ہے کہ مستقلاً ان حالات کی ایک کتاب لکھی جائے مگر ہمکو تو اس کے دوسرے ہی معاملات سے بحث کرنی ہے اسکی پرورش کے متعلق ہم اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ خاندان کے لوگ سب کے سب دین کے پابند نہ تھے مگر مبتلا کا باپ بڑا نمازی اور پرہیزگار آدمی تھا مولوی شاہ حجت اللہ صاحب کے وعظ سے اسکو ایسا عشق تھا کہ آندھی جائے مینہہ جائے طبیعت درست ہو نہ ہو جہاں سُنا کہ مولوی صاحب کا وعظ ہے سب سے پہلے موجود گھر کی بڑی بوڑھیاں بھی نماز پڑھتی تھیں بایں ہمہ جو احتیاطیں مبتلا کی پرورش میں کی جاتی تھیں اُن سے ایسا مستنبط ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے پندار میں مبتلا کی تندرستی نہ صرف غذا سے اور آب و ہوا سے بلکہ مکان سے برسوں سے مہینوں سے دنوں سے لیل و نہار کے خاص خاص وقات سے اپنے بیگانے کی نگاہ سے آئے گئے کی پرچھائیں سے لوگوں کی باتوں سے دلی خیالات سے تنہائی سے تاریکی سے چاندنی سے کسوف و خسوف سے کُتّے سے بلّی سے چھپکلی سے دیو سے بھوت سے جن سے پری سے غرض ہر چیز سے جو واقعی ہے اور ہر چیز سے جو ادّعائی ہے معرض خطر میں ہے۔ ہم تو معاذ اللہ کسی کلمہ گو مسلمان پر کفر اور شرک کا الزام کیوں لگانے لگے مگر بمجبوری اتنی بات کہنی پڑتی ہے کہ مبتلا کے تئیں جو تدابیر کیئے جاتے تھے واہمۂ شرک اور مظنۂ کفر سے خالی نہ تھے۔ یہ بات کہ جس خدا نے ہمکو پیدا کیا ہے وہی ایک وقت مقرر تک جسکا حال اسیکو معلوم ہے ہماری زندگی اور تندرستی کی حفاظت کرتا ہے اور جسطرح بدون اُس کے فضل و کرم کے ہم دنیا میں آ نہیں سکتے تھے اسیطرح بغیر اُسکی مدد اور حمایت کے ایک لمحہ دنیا میں رہ بھی نہیں سکتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے کہیں اور کسی حالت میں ہوں ہم اُسکی پناہ میں ہیں اور اُسکا سایۂ رحمت ہمارے سر پر ہے وہ ہر مرض میں ہمارا طبیب ہے اور ہر مصیبت میں ہمارا معین و مددگار ہر تکلیف میں ہمارا غمگسار۔ بدون اُس کی مرضی کے نہ غذا میں تقویت ہے۔ نہ دوا میں تاثیر بغیر اُس کے حکم کے نہ زہر زہر ہے نہ اکسیر اکسیر غرض یہ بات اُن

لوگوں کے معتقدات میں تو ضرور ہوگی جو مبتلا کو پال رہے تھے مگر اُن کے برتاؤ میں توکل و انابت کی کوئی بات ہمارے دیکھنے میں نہ آئی بلکہ ان کی تدبیریں سُنکر حیرت ہوتی تھی کہ مبتلا کا پلنا اور پرورش پانا کیسا یہ گراں جان ان نادان دوستوں کے ہاتھ سے بچ کیونکر گیا۔ کوئی دُکھ کوئی روگ نہ تھا کہ جسکو یہ لوگ اسبابِ غلط اور ادعائی نظر آسیب وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہوں اور چونکہ تشخیص میں غلطی ہوتی تھی اسیوجہ سے جو تدبیریں کیجاتی تھیں غلط در غلط مگر مبتلا خلقۃً توانا پیدا ہوا تھا ہمیشہ اسکی طبیعت امراض پر غالب آتی رہی بہرکیف مبتلا کسی نہ کسی طرح خدا کے فضل سے پل پلا کر بڑا ہوا۔ یہانتک کہ اَن گناؔ[1] برس بھی خیریت کے ساتھ گزرا مبتلا کی تعلیم و تربیت مستورات کو ظاہر میں تو کچھ سروکار نہ تھا۔ ہرچند وہ مکتب میں نہیں بیٹھا کسی اُستاد سے اُس نے سبق نہیں لیا تاہم ہمارے نزدیک (اور ہمارے نزدیک کیا بلکہ واقع میں) ایک اعتبار سے اسکی تعلیم و تربیت بہت کچھ ہو چکی تھی دنیا میں سارے لوگ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اور نہ پڑھنے لکھنے پر زندگی یا معاش کا انحصار ہے اصل چیز ہے عادات کی درستی مزاج کی شائستگی طبیعت کی اصلاح سو جسوقت سے بچہ پیدا ہوتا ہے اُسیوقت سے وہ اخذ[2] کر چلتا ہے اُن لوگونکی خو بو جو اُس کو پالتے۔ اُسکو اُٹھاتے بٹھاتے۔ اُس کو سلاتے اُس کو کھلاتے پلاتے ہیں ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بچے ایک مضغۂ گوشت کیطرح پڑے ہیں نادان اور لایعقل ہیں نہیں۔ وہ اپنے سارے حواس سے ظاہری ہوں یا باطنی بڑی کوشش کے ساتھ کام لے رہے ہیں۔ چیزوں کو دیکھتے ٹٹولتے آوازوں کو سنتے اور جو دیکھتے سنتے ہیں اُسکو حافظے میں رکھتے جاتے ہیں اسکی ایک آسان شناخت یہ ہے کہ اگر بڑی عمر میں ہم کوئی دوسری زبان سیکھنی چاہیں تو کسقدر کوشش کرنی ہوتی ہے بعض بعض اوقات سارے سارے دن رٹنا پڑتا ہے

[1] آٹھویں برس کو اَن گنا، بیٹھا برس کہتے ہیں ۱۲ [2] یعنی لے چلتا ہے اخذ بمعنی گرفتن ۱۲

اور ہمکو اپنی مادری زبان سے لکھنا آتا ہے تو لکھنے سے اس زبان کی صرف و نحو سے لغت سے بھی بڑی مدد ملتی رہتی ہے تب ہم کو کہیں برسوں میں جا کر وہ زبان آتی ہے تاہم ناقص و ناتمام بچے جن کو ہماری سہولتوں میں سے کوئی سہولت بھی حاصل نہیں کیا کچھ زحمت اٹھاتے ہونگے کہ ذہین ہوئے تو برس کے اندر ہی اندر ورنہ ڈھائی تین برس کی عمر میں تو مسلّم لدّھڑ گُند ذہن تک طوطے کیطرح چرغنے لگتے ہیں۔ کیا اتنی بات ہے کہ کسی نے ہتیا اور ممّا۔ اور آبا۔ اور اما۔ دس بیس بار سکھا دینے کے طور پر انکے سامنے کہدیا کوئی دعوے کر سکتا ہے کہ ہم نے انکو بولنا سکھایا زبان کی تعلیم کی نہیں یہ سب بچوں کی ذاتی کوشش ہے۔ پھر یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ بچوں کی ساری ہمت صرف زبان کے سیکھنے میں مصروف رہتی ہے! ایک زبان کیا بھلا برا۔ آداب قاعدہ نشست برخاست رغبت اور نفرت سود و زیاں دوست دشمن۔ خویش و بیگانہ محبت اور عداوت حیا اور غیرت غصہ اور لالچ حسد اور رشک وغیرہ وغیرہ سارے سبق ان کو ایک ساتھ شروع کرا دیے جاتے ہیں پس مبتلا جسکی عمر آٹھ برس کی ہو چکی تھی پڑھ چکا تھا جو کچھ اس کو پڑھنا تھا اور سیکھ چکا تھا جو کچھ اسکو سیکھنا تھا ماں سے باپ سے نانی سے خالہ سے بہنوں سے گھر کے نوکروں سے آئے گئے سے۔ عمر کے اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت کی ایسی مثال تھی کہ جیسے کپڑا مول لیا گیا درزی نے قطع کیا سیا اور تیار کر دینے کے بعد اس نے پہنا کر بھی دیکھ لیا صرف بخیہ کر دینا باقی ہے اب اگر کپڑا بد رنگ یا گلا ہوا نکلے یا کہیں سے تنگ ہو جائے تو درزی اسمیں کیا کمال کریگا کپڑا لینے وقت یا قطع کرتے وقت یہ باتیں دیکھنے کی تھیں اور نہیں دیکھیں تو جھک مارو اور وہی پہنو گلا ہوا کہ پہنا اور مسکا کچے رنگ کا جس میں پہلے ہی دن دھبے نمودار ہو گئے تنگ کہ پہنے سے بدنمی بدھیاں پڑیں اور سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ جائے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ مبتلا پر

زنان خانے کی تعلیم کا کیا اثر مترتب ہوا تھا۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا ضدی۔ چڑچڑا۔ غصیلا۔ مچلا
ہٹیلا۔ زود رنج۔ مغرور۔ خود پسند۔ طماع۔ حریص۔ تنگ چشم۔ بودا۔ ڈرپوک۔ شوخ۔ شریر۔
بے ادب۔ گستاخ۔ کاہل۔ آرام طلب۔ جابر۔ سخت گیر۔ گھر گھسنا۔ زنانہ مزاج بنتا گیا۔
اسکو دنیا و مافیہا[1] کی کچھ خبر تو تھی نہیں کبھی وہ بے رُت کے پھلوں اور بے موسم کے میووں
کیلئے گھنٹوں لوٹتا اور پٹخنیاں کھاتا پہروں ایڑیاں رگڑتا اور آخر کو اڑیل پنے بدلے اپنے
چاہنے والوں اور ناز برداروں سے ناک گڑوا لیتا تب بمشکل چپ کرتا وہ جب جی چاہتا
جو چیز چاہتا جتنی چاہتا کھاتا اور اپنی بے اعتدالیوں اور بے احتیاطیوں سے بیمار پڑتا اور
الٹا ماں سے لڑتا ایک مرتبہ سنا کہ وہ اس بات پر خوب رویا اور بہت بکھرا کہ ہائے بادل
کیوں گرج رہا ہے ہر چند سارا گھر اس بات کے اہتمام میں لگا رہتا تھا کہ کوئی امر اس کے
خلاف مزاج نہ ہو مگر اس کو رونے اور بگڑ بیٹھنے کے لیے سرقت کوئی نہ کوئی بہانہ ایک نہ ایک حیلہ
مل ہی جاتا تھا۔ اس کی ناخوشی کا روکنا حقیقت میں انسان کے اختیار سے خارج اور
آدمی کی قدرت سے باہر تھا کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ وہ کس بات پر روٹھ جائیگا اور
روٹھے پیچھے کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کیوں کر منے گا۔ لاکھ اللہ آمین کیوں نہ ہو کہاں تک
برداشت کتنا تحمل آخر رفتہ رفتہ لوگ اس کے لاڈ پیار میں کمی کرنے لگے سب سے پہلے بڑی
اور بیاہی ہوئی صاحب اولاد بہنوں نے بے رُخی ظاہر کی آخر تھیں تو اسی کی بہنیں
جب اس کی شوخی و شرارت سے عاجز آتیں جھڑک دیتیں اور گھرک بیٹھتیں بلکہ ایک
تو ایسی چلتے تن تھی کہ یہ اس کے پاس بھانجے کو دق کرنے اور روٹیاں توڑنے گیا
اور اس نے دور ہی سے ڈانٹا کہ خبردار جو میرے بچے کو چھیڑا ہو گا میں ایسے چوچلے
ایک نہیں سمجھتی دیکھ خدا کی قسم میں مار بیٹھونگی ماں کا بھی مبتلا کے ہاتھوں دم ناک

[1] یعنی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ١٢١٢

میں تھا۔ مگر سچ کہا ہے حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ وہ کھسیانی تو ہوئی تھی مگر ادھر جوش
آیا اور فوراً ٹھنڈی پڑ گئی تیوری پر بل پڑ چلا تھا کہ کھلکھلا کر ہنس دی مبتلا کی برائیوں کو
برائی سمجھنا تو درکنار وہ اُس کی طرف سے ساری دنیا کے ساتھ ہر وقت لڑنے کو طیار تھی۔
ایک مرتبہ مبتلا خدا جانے کس بات پر پیچھے سے ماں کی چوٹی گھسیٹے جاتا تھا سب سے بڑی بہن نے
(جسکی پہلونٹی کی بیٹی مبتلا سے بھی دو برس بڑی تھی) دیکھکر کہا سبحان اللہ کیا ماں کا وقر ہے
لاڈ پیار بہت دیکھے مگر اتنا ناہموار اس درجے بے تمیز جب ماں کا یہ ہڈرا کر رکھا ہو تو ہمارا تو سر مونڈ
کر بھی بس نہیں کریگا ہے تو میرا بیٹا ہوتا تو تجھکو ایسا ٹھیک بناتی کہ یاد ہی تو کرتا۔ باوجودیکہ بیٹی
نے نصیحت کی بات کہی تھی مگر ماں پنجے جھاڑ کر پیچھے لپٹی اور سر ہو گئی۔ ماں کی پردہ داری
کیوجہ سے باپ کو مبتلا کی شوخیوں کی پوری پوری خبر نہیں ہونے پاتی تھی پھر بھی جس قدر
حال چار و ناچار معلوم تھا اُس سے انہوں نے اتنا تو سمجھ لیا تھا کہ اُسکا اُٹھان اچھا نہیں
مبتلا کو چھٹا سال لگا تھا باپ نے اس کو مکتب میں بٹھانا چاہا۔ عورتوں نے عذر کیا کہ آگے
واں تو یہ بیمار رہتا ہے مکتب کی قید اُوستاد کی تنبیہ سے اسکا نگوڑا اتنا سا جی رہا سہا اور
بھی اداس ہو جائیگا ابھی جینے تو دو اور مبتلا کی ماں نے تو کھلم کھلا کہدیا کہ جب تک
اصل خیر سے اُن گنا نہ گذر جائے میں تو اس کو نہ پڑھاؤں نہ لکھاؤں غرض عورتوں نے ہٹ
اور ہیکڑی سے مبتلا کے پورے تین برس کھوئے مگر سچی بات یہ ہے کہ مبتلا کا باپ اپنی طرف
سے برابر اسکی کوشش میں لگا رہا اس پر بھی جو مبتلا تین برس تک آوارہ ہوتا رہا تو یہ اس کے
باپ کا مساہلہ اور ضعف ماں کی نادانی اور حماقت اور خود مبتلا کی بدقسمتی اور کمبختی۔ اتنا تھا کہ جب
باپ کو مبتلا کی کوئی بیجا بات معلوم ہوتی تو ڈرانے دھمکانے تو نہیں مگر نرمی اور دلجوئی
کے ساتھ اسکو سمجھا ضرور دیتے کہ بیٹا یہ حرکت نامناسب ہے اور خود اسکے ساتھ ظاہری پیار

اخلاص اتنا نہ رکھتے کہ ماں کی چوٹی کے ساتھ انکی ڈاڑھی بھی کھسوٹنے لگتا مبتلا کو باپ کا کسی طرح کا خوف تو نہ تھا مگر یوں کہو کہ زیادہ میل جول نہ ہونیکی وجہ سے ایک طور کی جھجک اور رکاوٹ بھی جا ہو اس کو لحاظ سے تعبیر کر لو مگر کیا اتنا کرنے سے مبتلا کے باپنے باپ ہونیکا فرض ادا کیا۔ ہرگز نہیں اُسنے عورتوں کو مبتلا کی شرارتوں کی پردہ داری کرنے دی۔ اُسنے بیٹے کے حالات سے پوری پوری خبر نہ رکھی اُسنے جتنی خبر رکھی اُس کا بھی تدارک جیسا چاہیے تھا نہ کیا اُس نے مستورات ناقصات العقل کی رائے میں آکر جلد سے جلد بیٹے کو پڑھنے کیلئے نہ بٹھایا اور اُس کے اکٹھے تین تین برس ضائع ہونے دیے اتنا غنیمت ہوا کہ مبتلا کو اُس کی ماں نے اپنے وہم کے پیچھے اکیلا دوکیلا گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا ورنہ محلے میں دھوبی کنجڑے بھٹیارے قصائی تیلی اس قسم کے لوگ بھی رہتے تھے اگر کہیں مبتلا ان لوگوں کے لڑکوں میں کھیلنے کودنے پاتا تو ساری خوبیاں جا کر ایک ذاتی شرافت باقی تھی وہ بھی گئی گزری ہوتی جبتک بیٹھا برس ختم ہو مبتلا کے مزاج کی تلخی اضعافاً مضاعفۃً بڑھ گئی تھی اودھر ابھی سالگرہ کو دو تین مہینے باقی تھے کہ باپنے بسم اللہ اور مکتب کی چھیڑ چھاڑ شروع کی ہمارے اس مرتبہ عورتوں نے بھی چنداں مزاحمت نہیں کی در سالگرہ و بسم اللہ دونو تقریبیں ایک ساتھ ہوگئیں

دوسری فصل مبتلا کی تعلیم مکتبی اور اُس کا اثر

اتنا تو ہوا کہ مبتلا کیلئے دروازے پر مکتب بٹھانا پڑا شروع شروع میں تو میاںجی کے پاس تک جانے اور مکتب میں بیٹھنے کیلئے مبتلا نے خوب خوب قیل مچائے اور غضب بکھیڑا مگر آخر سودے کی چاٹ اور پیسوں کے لالچ اور ماں کے چمکارنے پچکارنے سے جانے اور بیٹھنے تو لگا بیٹھے بیٹھے پڑھنا چنداں مشکل نہ تھا ذہن اور حافظہ دونو خدادا داس

بلا کے تھے کہ جو دوسرے لڑکے ہفتوں میں کرتے تھے وہ بھی بڑی ریں ریں کے ساتھ
مبتلا گھنٹوں میں کھیلتے کودتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کر لیتا کہتے ہیں کہ دو دن میں تو
اُس نے الف بے کے حروف مفرد ایسی اچھی طرح پہچان لئے تھے کہ کتاب میں سے آپ
ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتا۔ پڑھتا تھا کہ اس کے ساتھ واہ واہ شاباش شروع ہوتی اس نے
دل کی امنگ بڑھتی چلی اور پردا کھلتا گیا۔ مبتلا نہ مطالعہ دیکھتا نہ سبق یاد کرتا نہ آموختہ
پڑھتا مگر ایک ہی دفعہ کے دیکھ لینے سے وہ سب ہم سبقوں میں میری رہتا تھا۔ بدشوقی
اور شوخی اور شرارت کی نسبت جو چاہو سو کہو پڑھنے لکھنے کے متعلق تو میاں جی کو اسکی شکایت
کرنیکا موقع ملا نہیں پہلے سر کی توجہی اور حد درجے کی بدشوقی پر چھٹے برس میں اسکی فارسی
کی استعداد ایسی ہوگئی تھی کہ مکتب کے لڑکے تو کیا خود میاں جی باوجودیکہ اچھے جیّد فارسی دان تھے
اور درسی کتابیں بھی انکو خوب مستحضر تھیں اسکو سبق دیتے ہوئے بھناتے تھے۔ مبتلا کو
مکتب کی تعلیم نے اتنا فائدہ تو پہنچایا کہ اسکو ایک دوسرے ملک کی زبان جسکے بدون اردو کی
تکمیل نہیں ہوسکتی اچھی خاصی آگئی مگر اس تعلیم سے اسکو ایک بہت بڑا نقصان بھی پہنچا
جسکو اندر باہر کسی نے جانا پہچانا نہیں۔ یہ کہنا مشکل ہی کہ مبتلا کو اپنا حسین ہونا کب سے معلوم
ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اس خاندان میں صورت شکل کی بڑی پرچول رہتی تھی اس خاندان کی
عورتوں کے نزدیک تو دنیا بھر کے ہنر سلیقے حسب نسب دولت تندرستی نیک مزاجی صاحب اولاد
ہونا دینداری ساری نعمتیں اور برکتیں ایک طرف اور گورا رنگ اور نقشہ ایک طرف صورت
شکل تو انسان کے اختیار کی بات نہیں خدا جسکو جیسا چاہتا ہی بناتا ہی۔ ایک ہی ماں کے
پیٹ سے دس بچے ہوتے ہیں اور کیا خدا کی قدرت ہے کہ دس کی دس شکلیں ورنہ ایک دوسرے
ملتبس ہو کر کوئی پہچان نہ پڑے انسان کے چہرے کی بساط کیا اتنی ہی سی جگہ میں ہزاروں

لاکھوں کروڑوں مختلف نقشے یہ سب اُسکی قدرت کی دلیلیں ہیں آدمی اتنا سمجھے تو اپنے چہرے مُہرے پر نہ ناز کرے نہ دوسرے پر ہنسے مگر مبتلا کے خاندان کو ایسے خیالات سے کیا واسطہ یہاں تو چھوٹے بڑے بڈھے جوان بیاہے کوارے سب کو صورت شکل کا ہٹپنا تھا۔ آپس ہی میں اسی صورت شکل کے پیچھے ایک کی ایک سے نہیں بنتی تھی۔ ایک ایک کو چڑاتی ایک ایک کی نقلیں کرتی۔ اور اگر اتفاق سے کنبے میں کوئی تقریب ہوتی اور یہ لوگ مہمان جاتے یا کہیں شامت کی ماری کسی نئی دلہن کو دیکھ آتے تو بس مہینوں اِن کو صورتوں کا جھگڑا لگا رہتا یہاں تک کہ ان عورتوں کی ایسی عادتیں دیکھ کر لوگ ان سے ملنے میں مضایقہ کرنے لگے تھے مبتلا کا ایسے خاندان میں پیدا ہونا اور پرورش پانا ہی اس بات کی دلیل ہی کہ جب اُس کو بات کے سمجھنے کا شعور ہوا تو شاید سب سے پہلی بات جو اُس نے سمجھی یہی ہوگی کہ حسن صورت اس کو کہتے ہیں اور میں اس کا مصداق ہوں مگر جب تک مبتلا زنان خانے کی نگرانی میں رہا اُس کی عمر ہی کیا تھی سات آٹھ برس اُس وقت تک وہ اتنا ہی سمجھ سکتا تھا کہ میٹھی چیز سب کو بھاتی ہی اور چونکہ وہ اپنے ذائقہ میں بھی اُس کی لذت پاتا تھا اُس نے سمجھا تھا کہ حقیقت میں بھانے کی چیز ہے۔ آگ کو چھوتے ہوئے لوگ ڈرتے ہیں اور اس نے بھی شاید دو چار بار اس سے جھٹکا کھایا ہو اس سے اُسکو معلوم تھا کہ آگ سے جل جاتے ہیں غرض جس چیز کی نسبت لوگوں کو کہتے سنا کہ اچھی یا بُری ہے آپ بھی تجربہ کیا تو ثابت ہوا کہ جس چیز سے آرام پہنچے دل کو خوشی ہو اچھی ہی اور جس سے ایذا پہنچے تکلیف ہو بُری۔ حسن کی خوبی کی نسبت اسکو ایسا یقین کرنیکا کوئی ذریعہ نہ تھا کیونکہ اس کو حسن سے متلذذ ہونیکی اس وقت تک اہلیت ہی نہ تھی مکتب میں بیٹھنے کے بھی ایک مدت بعد اس میں جوانی کے ولولوں کی تحریک شروع ہوئی اور جوں جوں یہ تحریک قوت اور اشتداد پکڑتی گئی اس پر پسندیدگی

حسن کی وجہ منکشف ہوتی گئی اسی کا تذکرہ گھر میں تھا اور اسی کا سبق مکتب میں اور اب
لگا اندر سے دل بھی اسی کی گواہی دینے۔ مبتلا نے جو زبان فارسی کے سیکھنے میں غیر
معمولی ترقی کی اسکا بھی سبب یہی تھا کہ اکثر کتابیں نظم جن کو مبتلا کی صورت شکل کا آدمی
لے مزامیر ذرا لے سے پڑھے تو اچھے خاصے ثقہ کو بھی کا مزا ملے مضمون دیکھو تو جھڑا عاشقی جسکے
نام سے نوعمر آدمی کے منہ میں رال بھر آئے۔ مادّہ قابل طبیعت مناسب مبتلا کا تو حال یہ
تھا کہ جو شعر عاشقانہ ایک بار بھی اس کی نظر سے گزرا دیکھتے کے ساتھ ہی کالنقش فی الحجر
ہوگیا غرض فیضانِ مکتب سے حضرت میں ایک صفت اور پیدا ہوئی یعنی عاشق مزاجی۔

تیسری فصل مبتلا کا مدرسے میں تعلیم پانا اور بڑے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہونا

مبتلا کے باپ کی تو پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ اس کو شروع سے مدرسے میں بٹھایا جائے
مگر عورتوں کو مبتلا کی اتنی مفارقت بھی گوارا نہ ہوئی ناچار پورے چھ برس میاںجی کو نوکر رکھکر
اُس کو گھر ہی پر تعلیم کرایا آپ میاںجی کا بھی سرمایۂ معلومات ہو چکنے پر آیا اور فارسی کی درسی
متداول کتابیں سب مبتلا کی نظر سے نکل گئیں اور بات صاف تو یہ ہے کہ مبتلا کے
سر میں اب اور ہوا بھری ہوئی تھی اُس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں یاروں کے
جلسے دوستوں کی صحبتیں اور وہ گھر پر میسّر نہ تھیں باپ نے کچھ اور سوچا مبتلا نے
کچھ اور غرض سب کی صلاح سے مبتلا مدرسے میں داخل ہوا۔ گو مبتلا نے چھ برس
مکتب میں تعلیم پائی مگر مکتب کیا تھا برائے نام اس کا جی بہلنے کے لئے چار یا پانچ رذیل
لڑکے اور بٹھا لیے گئے تھے یعنی بجا ئیے چودہ برس کی عمر تک مبتلا گھونسلے میں پلا
اور دنیا کی کسی قسم کی ہوا اُس کو نہ لگنے پائی اب جو مدرسے کی عربی جماعت میں داخل

ہوا تو اس نے دیکھا لڑکوں کا جنگل کہ سات سات آٹھ آٹھ برس کی عمر سے لیکر بیس
بیس پچیس پچیس برس تک کے اچھے خاصے جوان ہر ذات کے ہر پیشے کے چار ساڑھے چار سو
لڑکے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اگرچہ انگریزی عربی فارسی سنسکرت ریاضی کی جماعتیں
علیحدہ ہیں اور ہر جماعت کا کمرا الگ مگر اوقات درس کے علاوہ سب ایک دوسرے سے بلا
امتیاز آزادانہ ملتے بات چیت کرتے اور کھیلتے ہیں مبتلا کو چال دیکھ کر بلا مبالغہ ایسی خوشی
ہوئی جیسے کسی جانور کو قفس سے آزاد کر کے باغ میں چھوڑ دیا جائے اب تک وہ یہی جانتا تھا
کہ میاں جی ہوئے مولوی ہوئے بڈھے ہی ہوتے ہونگے کیونکہ اس نے اپنے میاں جی کو
دیکھا تھا پلکیں تک سفید یہاں مدرسے میں آکر دیکھا مدرس اکثر جوان کہ اب سے چار
چار پانچ پانچ برس پہلے خود طالب العلم تھے امتحان دیا کامیاب ہوئے زمرۂ مدرسین میں
داخل کر لیئے گئے اس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ بعض مدرس اپنی جماعت کے بعض
بعض طالب العلموں سے بھی کم سن ہیں جس جماعت میں مبتلا داخل ہوا چونکہ عربی کی
سب سے چھوٹی جماعت تھی اس میں طالب العلموں کی بڑی کثرت تھی رجسٹر میں تو ستر
لڑکوں کا نام تھا مگر پچاس پچپن ہمیشہ حاضر رہتے تھے ان میں سے ایک تہائی کے
قریب مبتلا سے بہت بڑی عمر کے تھے اس جماعت کو جو مولوی صاحب پڑھاتے تھے
جیسے ان کی جماعت سب جماعتوں میں چھوٹی تھی ویسے ہی تمام مدرسوں میں خود
بھی سب سے چھوٹے تھے عمر میں قد و قامت میں وقعت و وجاہت میں یعنی قسمت
سے مدرس بھی ملے تو یار استاد۔ لونڈا اٹھان انکیلا اور طرح دار مدرسے کے احاطے
میں پاؤں کا دھرنا تھا کہ یاروں نے مبتلا کو ہاتھوں ہاتھ لیا بعضے تو ٹکٹکی باندھ باندھ
کر ایسی بری طرح گھورتے تھے کہ گویا آنکھوں کے رستے کھائے جاتے ہیں

پہلے ہی سے لڑکوں میں بہت سی ٹولیاں تھیں اب ایک بڑی بھاری اور نئی ٹولی مبتلا کی قائم ہوئی۔ ایک جماعت بندی تو سرکاری تھی کہ جس قدر لڑکے ہم سبق ہوتے سب کے سب وقت واحد میں ایک اُستاد سے پڑھتے مگر ایک جماعت بندی لڑکوں نے آپس میں ٹھیرا رکھی تھی جسکو ہمنے ٹولی سے تعبیر کیا جس طرح سرکاری جماعت بندی کے اوقات مقرر تھے کہ مثلاً جب ریاضی کا گھنٹہ آیا عربی اور فارسی اور سنسکرت کی جماعتوں سے جو جو ریاضی کا پڑھنے والا تھا ماسٹر صاحب کی خدمت میں آحاضر ہوا اسیطرح ٹولیوں کے اجتماع کے بھی خاص خاص اوقات تھے مدرسے کے وقت سے ذرا پہلے لڑکے سویرے مدرسے میں آپہنچتے یا جب ایک بجے نماز کیلئے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوتی یا مدرسہ برخاست ہونیکے بعد ان تینوں وقتوں میں جو لڑکا جس ٹولی کا تھا اُس میں آملتا اور بعض کھٹیل بھی تھے پھرتے تھے جو کسی ٹولی میں نہ تھے۔ یہ ٹولیاں ایک مجمع ناجائز تھیں اور ان کی اغراض مشترکہ تمام تر بیہودہ۔ مدرسے کے سارے انتظام اچھے تھے چیزیں وہ پڑھاتے جو دنیا میں بکار آمد ہوں شوق کے مشتعل کرنیکو امتحان کا قاعدہ نہایت عمدہ تھا فرداً فرداً ایک ایک لڑکے کو الگ الگ سبق پڑھانے سے جماعت جماعت کو پڑھانیکا نہایت مفید طریقہ تھا اس سے لڑکوں میں ایک طرح کی منافست[1] پیدا ہوتی تھی کہ ایک پر ایک سبقت لے جانی چاہتا تھا دوسرے ہم سبق ہونے سے ایک ایک کی مدد کر سکتا تھا تیسرے لڑکوں کی لیاقت کا موازنہ اور مقابلہ بخوبی ہو سکتا تھا۔ لڑکوں کو حاضر باشی کا پابند کرنیکے لیئے ترتیب نشست کا ردّ و بدل بھی بہت موثر تھا۔ پڑھائی اس قدر تھی کہ لڑکوں کے تمام وقت کو مشغول رکھنے کیلیئے بخوبی کافی تھی نوبت بنوبت مختلف مضامین کے پڑھانے سے طبیعت ملول اور کند نہیں ہونے پاتی تھی غرض سبھی انتظام بھلے تھے مگر افسوس لڑکوں کے چال چلن اور اخلاق کی طرف کسی کو مطلق توجہ نہ تھی ہر مدرس اس فکر میں رہتا کہ جس چیز کا پڑھانا اُس سے متعلق ہے

[1] باہم ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا ۱۲

اُس جیسے کہ امتحان میں لڑکے نمبرے نہ رہیں جبتک کوئی لڑکا اس شرط کو پورا کیئے جاتا ہو اگرچہ چوری
چھپے ناجائز طور پر دوسروں سے مدد لے کر ہی کیوں نہ ہو کسی کو اُسکے کردار سے بحث نہیں چوری کرو
جھوٹ بولو سر بازار جوتی پیزار لڑو گالیاں دو اور گالیاں کھاؤ شرافت کو بٹا لگاؤ بدمعاشوں میں
رہو اور بدمعاش بنو گیڑیاں کھیلو پتنگ لڑاؤ اکھاڑے میں جاکر ڈنڑ پیلو مگدر ہلاؤ گاؤ بجاؤ
غرض جو تمہارا جی چاہے سو کرو مگر جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں اُن میں امتحان اچھا دو تو سکالرشپ
بھی ہو انعام بھی ہے سرخ روئی بھی ہے۔ آفریں اور تحسین بھی ہو واہ واہ بھی ہو چھٹی بھی ہو
سرٹیفکٹ بھی ہو اور آخر کار نوکری بھی ہے۔ مدرس خوش پرنسپل صاحب راضی۔ مبتلا کی افتاد تو روز
پیدائش سے بگڑی ہوئی تھی زنان خانے میں پرورش پاتا تھا کہ اس کے دلمیں بدی کا
بیج بو یا گیا مکتب میں تھا کہ بیج کا درخت ہوا اب مدرسے میں آکر وہ درخت پھولا اور پھلا گھر
بچھڑا تھا مکتب میں بچھڑے کا بیل ہوا اور مدرسے میں بیل کا سانڈ کسی قسم کی آوارگی نہ تھی جو
اس نے بچی ہو اور کسی طرح کی بیہودگی نہ تھی جو اسنے نہ کی ہو جسطرح مبتلا مدرسے کے بڑے لڑکوں کی صحبت میں بانکا بنا
چھیلا بنا طرحدار بنا مسخرہ بنا کوچہ گرد بنا ننگ خاندان بنا اور کیا کیا بنا۔ اسی طرح مبتلا تخلص رکھکر شاعر بنا اور فضیحتیں تو
رفتہ رفتہ بھولی بسری ہو گئیں شاعری کی یادگار اس کا منحوس تخلص رہ گیا۔ ہمکو تو اس کے
نام سے اس قدر نفرت ہو گئی ہے کہ اس کے حالات کا دریافت کرنا کیسا سننے کو بھی جی نہیں
چاہتا مگر خیر مُنہ پر بات آئی رُک نہیں سکتی آٹھ برس کمبخت مدرسے میں رہا آخر کچھ نہ کچھ تو پڑھتا
ہی ہو گا کہ عربی کی دوسری جماعت تک اس نے ترقی کی دس روپیہ مہینا وظیفہ پاتا تھا ہر برس
کے برس انعام بھی ملتے رہتے تھے ایک سال سنا کہ ایسا اچھا امتحان دیا کہ تمغا ملا یہ کچھ تعجب کی
بات نہیں اور نہ اس سے آوارگی کا الزام رفع ہو سکتا ہے ہمکو اس کی ذکاوت کا حال معلوم
ہے وہ اس بلا کا ذہین تھا کہ مدرسے کی پڑھائی کی اُس کے آگے کچھ حقیقت ہی نہ تھی برس میں

ایک بار تو امتحان ہوتا تھا اکثر انگریزوں کے بڑے دن سے پہلے پس امتحان کے مہینے ڈیڑھ مہینے
آگے سے وہ طیاری کر لیتا ہوگا لیکن فرض کیا کہ وہ اچھی طرح پڑھتا بھی ہو تو بد وضع کو پڑھنے
سے فائدہ علم سے حاصل امن ہے جاہل بطرح بہتر آں پڑھ کہیں بھلا مدرسے سے پہر سوا پہر رات
گئے بلکہ کبھی آدھی کبھی پچھلی رات کو تو اس کا گھر میں آنیکا معمول شروع سے تھا اور پھر اچھی
طرح سورج نہیں نکلا کہ اس کے شیاطین الانس[1] لگے گھر پر آکر کنڈی کھٹکھٹانے دستک
دینے اور پکارنے سیٹی بجانے اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ تین تین چار چار دن
تک برابر غائب ماں کو یہ تمام تفصیلی حالات معلوم تھے مگر اب اس کی محبت کا دوسرا رنگ تھا
بیٹے سے اس قدر ڈرتی تھی جیسے قصائی سے گائے اس کے دل میں آپ سے آپ یہ خوف
سما گیا تھا کہ بیٹا ہی ماشاءاللہ جوان ایسا نہ ہو میری بات کا برا مان کر کہیں کو نکل جائے یا اپنے
تئیں ہلاک کرے تو پھر میں کدھر کی ہوئی اس ڈر کے مارے بے چاری کبھی چوں نہیں
کرتی تھی اور مبتلا نے اپنے تئیں اسکے نزدیک ایسا ہوا بنا رکھا تھا کہ جب اسکی صورت دیکھتی
ہکا بکا ہو کر رہ جاتی پہلے سے بھی مبتلا کی شرارتوں کی بابت بے پردہ داری کی جاتی تھی اب
انہیں شرارتوں کی بدکرداریاں ہو گئی تھیں ادھر شرارتوں میں ترقی ہوئی ادھر پردہ داری
میں زیادہ اہتمام ہونے لگا مگر باپ نے دھوپ میں داڑھی سفید نہیں کی تھی بڈھا اس کی
چال ڈھال سے اس کی گفتگو سے اس کی کن انکھیوں سے تاڑ لیتا تھا مگر بی بی کا مغلوب
تھا اور خوب جانتا تھا کہ اسکو بیٹے کے ساتھ بلا کا شغف[2] ہے اور یوں بھی ہر کام میں مساہلت
کرنا اس کی ہمیشہ کی عادت تھی اور انھیں وجوہ سے اس لئے مبتلا کی اصلاح کی طرف کبھی
پوری توجہ نہ کی اب جوان بیٹے کے کیا منہ لگتا ایک کہتا تو دس سنتا آخر اس کے سوا
اور کچھ نہ سوجھ پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس کو پابند کر دیا جائے۔

۱ شریر لڑکے ۱۲ ۲ محبت عشق ۱۲

چوتھی فصل مبتلا کا بیاہ اور اُس کا معاملہ بی بی کے ساتھ

یہ کب کی بات ہے کہ مبتلا کو مدرسے میں داخل ہوئے چوتھا برس شروع تھا۔ خوش حال باپ کا بیٹا صورت شکل کا اچھا بلکہ حد سے زیادہ اچھا پڑھا لکھا کماؤ دس روپیہ کا مدرسے میں وظیفہ دار اُس وضع کے لڑکے کو بیٹیوں کی کیا کمی تھی قاعدے کے مطابق مبتلا کی طرف سے بیٹی والوں کے یہاں ابتدائً رقعہ جانا چاہیئے تھا مگر مبتلا کی ظاہری حالات دیکھ سُن کر لوگ اسقدر ریجھے ہوئے تھے کہ کتنی جگہ سے بیٹی والوں نے مُنہ پھوڑ کر رقعہ منگوا بھیجا دستور کی بات ہے کہ خریداروں کی کثرت ہوتی ہے تو بیچنے والے کے مغز چل جاتے ہیں مبتلا کی ماں بہنوں کا یہ حال تھا کہ کہیں کی بات ان کے خاطر تلے آتی ہی نہ تھی ورنہ کیا مبتلا جیسا اللہ آمین کا بیٹا سترہ اٹھارہ برس کی عمر تک کوارا بیٹھتا اب تک تو اسکے ایک چھوڑ کبھی کے چار چار بیاہ ہو گئے ہوتے اس گھر کی خوشحالی اتنی ہی تھی کہ قلعے کی تنخواہیں اسامیاں مکانات کا کرایہ ملا کر کل سو سوا روپے کی آمدنی تھی اور اس میں اتنا بڑا کنبہ مگر وہ تو مبتلا کا باپ ایسا منتظم اور کفایت شعار آدمی تھا کہ اس نے اپنے سلیقے سے گھر کا بھرم بنا رکھا تھا اس حالت پر جہاں کہیں سے پیام آیا چھوٹتے کے ساتھ ایک دم سے چاندی کا بھی نہیں سونے کے پلنگ کی فرمایش! ایسے اصرار کے ساتھ ہوتی تھی گویا کہ نکاح کی شرطِ اعظم ہے اور پھر معاملے کی بات ہے جیسا لینا ویسا دینا ہیکڑی تو یہ تھی کہ لیں تو سُنہرا پلنگ اور دینے کے نام پٹاری کے خرچ کیلئے آدھی نہیں کیونکہ ہمارے خاندان کا دستور نہیں مہر شرع محمدی سو روپے کا چڑھاوا۔ سو روپے کا جھومر صورت شکل اپنی اپنی جگہ سبھی تلاش کرتے ہیں اور سمجھنے اور غور کرنیوالے کو تو یہ بات ہی کیا جو دیکھو ہر شخص خوبصورتی کا خواہاں ہے مگر بُری بھلی کالی گوری یہاں تک کہ کانڑی کھدری اللہ کی بندیاں سبھی کھپی چلی جاتی ہیں ہمنے تو اتنی عمر ہونے

آئی کسیکو صورت کی وجہ سے کواری بیٹھے نہ دیکھا تاہم چونکہ مبتلا ایک خوبصورت خاندان کا آدمی
اور خود بھی بڑا خوبصورت تھا اگر اس کیلئے خوبصورت بی بی تلاش کی جاتی تھی تو کچھ بیجا بات
تھی مگر تلاش کرنیکے بھی طریقے ہوتے ہیں کہ عورتیں چوری چھپے حیلے بہانے کسی نہ کسی طرح لڑکی کو یا
تو خود کسیوقت دیکھ آتی ہیں یا اپنے دیکھنے کا موقع نہیں بنتا تو کسیکو بھیجکر دکھلوا لیا کرتی ہیں
یہاں تو یہ ضد کہ ہم تو اپنی آنکھ سے دیکھ بھالکر کرینگے اور اپنے ہاتھوں سے لڑکی کے منہ میں مصری
کی ڈلی دینگے کیسی کیسی جگہ سے پیام آئے کہاں کہاں رقعہ گیا مگر کہیں لین دین پر تکرار ہوئی کہیں
صورت پسند نہ آئی کہیں دیکھنے بھالنے کی شرط نامنظور ہوئی غرض کوئی بات ٹھیری ٹھرائی نہیں
پچاسوں پیام مسترد اور بیسوں جگہ سے رقعہ واپس رشتے ناتے کی بات چیت ہوکر چھٹم چھٹا
ہو جانا یا رقعہ جاکر واپس آنا کچھ آسان نہیں ہے بیٹی والے اسمیں اپنی ہتک سمجھتے ہیں اور انکو یہ خیال
ہوتا ہے کہ ایک جگہ کا رقعہ واپس جائیگا تو دوسر انکو خدا جانے کیا کیا خیالات پیدا ہونگے اکثر ایسے
موقع پر دلونمیں رنجش آجاتی ہے خیر ایک دو جگہ مجبوری ایسا اتفاق ہو تو مضایقہ نہیں نہ کہ مبتلا کا
رقعہ آج بھیجا اور آدمی بدا کر دس دن بعد ضرور الٹا منگوا لیا جب متواتر واپسی رقعے کی نوبت پہنچی
تو سارے شہر میں ایک غل سا پڑ گیا اور جہاں جہاں سے رقعہ واپس منگوایا گیا انکے ساتھ بیٹھے
بٹھائے ایک طرح کی عداوت قائم ہوئی یہانتک نوبت پہنچی کہ جس مشاطہ سے کہتے کانوں پر ہاتھ
دھرتی جہاں رقعہ بھیجتے وہ لوگ لانے والیکے اندر آنے تک کے روادار نہوتے پس اس خاندان
کے نازبیجا نے مبتلا کو ایسا نکو بنا دیا کہ اب کوئی اس کی بات کی ہامی نہیں بھرتا تھا رقعے
کا بے ردّ و کد واپس آنا تو ممکن ہی نہیں ایک گھر کا تو ہمکو حال معلوم ہے کہ وہاں پہلے مشاطہ
کی معرفت زبانی بات چیت ہوئی وہ لوگ ان کے کنبہ دار بلکہ کچھ دور کے رشتہ دار بھی تھے
مہینوں سوال و جواب ہوتے رہے اکثر باتیں طے ہو کر بعض کی نسبت کچھ تکرار درپیش تھی کہ یکایک

ان کی طرف سے رقعہ جا موجود ہوا بیٹی والے خوش ہوئے کہ گفت و شنود کے بعد جو رقعہ آیا تو بس اسکے
یہی معنی ہیں کہ منظور کر لیا چنانچہ یہی سمجھ کر رقعہ تو رکھ لیا اور جواب میں زبانی اتنا ہی کہلا بھیجا
کہ ہمکو بسر و چشم منظور ہے خدا انجام اچھا کرے انشاء اللہ دو چار دن میں صلاح کر کے کوئی اچھی
سی تاریخ ٹھیرا کر کہلا بھیجیں گے سمدھنیں آکر لڑکی کا منہ میٹھا کر جائیں پھر اللہ خیر کرے جب اُن کی
مرضی ہوگی بیاہ برات ہو رہیگا ہم تو اس وقت چاہیں تو اس وقت طیار رہیں ہمارے یہاں ذرا دیر
نہیں۔ جو عورت یہ پیام لیکر گئی تھی مبتلا والوں نے اُسی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ پہلے ہماری
شرطوں کے مطابق تحریری اقرار نامہ بھیجدیں تب تاریخ ٹھیرائی جائے تاریخ کا ٹھیرانا ایسا کیا آسان
ہے۔ یہ سنکر سب کو سخت تعجب ہوا اور اپنا سا منہ لیکر رہ گئے آخر مبتلا والوں کی طرف سے واپسی رقعے
کا تقاضا ہوا دن میں دو دو بار رقعے کیلئے آدمی جاتا اور ایسی سخت سخت باتیں کہتا کہ گویا رقعہ کیا
ہے مہاجن کا قرضہ ہے خیر ہار کر رقعہ واپس تو کیا مگر اس طرح کہ مارے غصے کے نکالکر موری
پر پھینکدیا کمخواب کی تھیلی جس میں رقعہ دستور کے مطابق لپیٹ کر آیا تھا تمام کیچڑ میں لت پت
ہو گئی اور کہا کہ جاؤ اس کو شہد لگا کر چاٹو اور دیکھو خبردار لڑکے کی اماں سے ضرور ضرور کہدینا کہ تمنے
کنیے واری میں دو مہینے بات لگی رکھ کر آپ ہی رقعہ بھیجا اور پھر آپ ہی اَن ہونی باتوں
پر اصرار کر کے واپس منگوایا یہ کچھ بھلمناہت کی بات نہیں ہے ہمنے مانا کہ اُنکا بیٹا اُن کیلئے
چوہے کو ہلدی کی گرہ اللہ آمین کا ہے مگر دوسروں نے بیٹیاں کوڑے پر تھوڑی ہی نہیں پائیں
ایسی شرطوں سے جو سنیں نہ دیکھیں اُنکو شہر میں تو انشاء اللہ بیٹی ملنے کی نہیں۔ سونے کا
پلنگ اُن کو مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی اس سے پہلے تین بیٹیاں بیاہ چکے ہیں اور ابھی اللہ
رکھے آگے دو اور موجود ہیں بیٹیوں کو تو ڈھنگ کے نواڑ ہی پلنگ کبھی نہ جُٹے بیٹے میں ایسا کیا
سرخاب کا پر لگا ہے کہ بدون سونے کے پلنگ کے اُسکو نیند نہیں آتی اے وہ نگوڑا ہیجڑا نخا جسکو

سارا شہر تھڑی تھڑی کر رہا ہی۔ خدا نہ کرے جو کوئی بھلا مانس اُس کو بیٹی دے منہ پر ہاتھ پھیر کر دیکھیں ناک رہی یا کٹ گئی ہمارے نزدیک دنیا جہان کے نزدیک تو جڑ بنیاد سے کٹ گئی جس گھر سے رقعے کی واپسی کا مذکور ہی اس گھر کی عورتیں ایسی ملنسار تھیں کہ سارے شہر میں ان کا حصہ بخرا چلتا تھا کہیں شادی بیاہ ہو کوئی دوسری تقریب ہو انکے یہاں ضرور بلاوا آتا اور یہ بھی اپنے یہاں کی چھوٹی بڑی تقریبات میں سبھی کو بلاتے سبھی کو یکساں پوچھتے تھے ان عورتوں کے منہ میں آکر مبتلا کا اچھی طرح خاکہ اُڑا یا اور سارے شہر میں خوب جھنڈورا پیٹا اور رسوا کیا غرض اس گھر کے بگاڑنے رہی سہی اور بھی آس توڑ دی اب شہر میں مبتلا کی نسبت ناطے کا ہونا محال تھا بہت قریب کے رشتہ دار و نہیں جسقدر بیٹیاں تھیں مبتلا تھے تو بڑے لاڈلے دودھ پی پی کر ان سب کو رضاعی بہنیں بنا چکے تھے۔ مبتلا کے نزدیک دور کے رشتہ دار و نہیں وہی مثل تھی۔ ازیں سو رانده وزاں سو درمانده۔ اب صرف ایک گھر رہگیا کہ ہو تو وہیں ہو ورنہ مبتلا ساری عمر کوارا پڑا پھرے۔ مبتلا کی پھوپھی دلّی سے دس بارہ کوس سید نگر میں بیاہی ہوئی تھیں وہ لوگ زمیندار تھے مگر زمینداروں میں سر برآوردہ بڑے بڑے سالم چھے گاؤں کے مالک انکے بزرگ تو مہمانداری اور مسافر نوازی اور داد و دہش میں دور دور مشہور تھے مگر اب کثرت پٹی داری کے سبب ویسی آمدنی تھی نہ وہ دل قرب شہر کی وجہ سے رعایا شوخ حصہ دار و نہیں طرح طرح کی تکرار میں غرض ہمیشہ انہیں کے دو چار آدمی مقدمونکی پیروی کیلئے شہر میں موجود رہتے تھے جسطرح دائم المرض اپنی دوا کرتے کرتے حکیم ہو جاتا ہی اسیطرح یہ لوگ مقدمے لڑتے لڑتے ایسے قانون دان ہو گئے تھے کہ بیرسٹر و نکو مات کرتے وکیلو نکی کچھ حقیقت نہ سمجھتے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لڑائیاں مول لیتے اور تلاش کر کر کے جھگڑے خریدتے قرب و جوار میں یہ لوگ ایسے لڑاکو اور جھگڑالو مشہور تھے کہ لوگ ان سے رشتہ ناطہ کرتے ڈرتے تھے رقعے کا پہنچنا تو بہت بڑی

بات تھی اگر ان کے یہاں چھوٹوں بھی تذکرہ ہوتا اور یہ چاہتے تو سچوں سر ہو جاتے اور
کچھ ایسے قانونی اڑنگے لگاتے کہ کسی کی ایک نہ چلتی مگر مبتلا کو کوئی دوسرا گھر نہ تھا خدا نے
ایسا ان کے غرور کو ڈھایا کہ کس کا پلنگ اور کہاں کا دیکھنا بھالنا مبتلا کی ماں گئیں اور منگنی ٹھیرا
کان دبا کر چپکی چلی آئیں اور اگر ذرا بھی چین چپڑ کرتیں تو فوجداری کے استغاثوں اور دیوانی
کی نالشوں کے مارے ہوش بگڑ جاتے اب مبتلا کی منگنی کو منگنی نہ سمجھو بلکہ بیچ ڈالنا یا غلام
بنا دینا یا عمر قید۔ سمدھیانے تو برابر ہی کے اچھے سمجھتے ہیں خیر اٹھارہ بیس تک کے فرق کا بھی مضائقہ
نہیں مگر یہاں تو سید نگر والوں کی اس قدر ہیبت چھا رہی تھی کہ جیسے کسی بڑے جابر کو توال
کی۔ اُدھر سے حکم ہوتے تھے اِدھر سے تعمیل اُدھر سے فرمائش اِدھر سے بجا آوری اُدھر
سے ناز اِدھر سے نیاز بعد چندے انہوں نے کہلا بھیجا کہ اگلے مہینے کی دسویں کو اس طرح ساز
وسامان کے ساتھ بارات یہاں پہنچے ویسا ہی ہوا بیس ہزار روپیہ مہر باننا ہوگا۔ اور ان لیا
ہزار روپیہ جوڑے چڑھاوے کا نقد دینا ہوگا اور دیا پچیس روپے مہینہ تیاری کا خرچ
لکھوانا چاہا اور لکھوا لیا مگر بات یہ ہے کہ سید نگر والوں نے بیٹی کو دیا بھی تو اتنا کہ سونے کا
پلنگ تو نہ تھا شاید ان کے یہاں کا دستور نہ ہوگا مگر گلے اور کانوں کا اور سر کا سارے کا
سارا زیور دوہرا ملا جڑاؤ الگ شادی بیاہ میں پہننے کا اور سادہ الگ ہر روز کے استعمال کا
غرض سید نگر والوں نے بیٹی کا بیاہ اپنے نام کے مطابق کیا دلّی میں اتنا جہیز ملنا مشکل تھا
لوگ باہر کی سوبھا اور مال اسباب کی فہرست دیکھ کر پانچ ساڑھے پانچ ہزار کا جہیز آنکتے تھے
اوپر کا خرچ الگ سو گھر کا دھڑلوں گھی اور سیکڑوں غلہ زمینداروں کے یہاں اسکا سب آ
گیا۔ انیسویں برس مبتلا کا بیاہ ہوا جہیز کے اعتبار سے تو دلہن بہت اچھی پائی ذات جماعت
کچھ پوچھنی نہ تھی سگی پھوپھی کی بیٹی رہی صورت کوئی خاص چیز تو چندان رُمی نہ تھی بلکہ الگ لگ

دیکھو تو رنگ بھی گورا نہیں تو کھلتا ہوا چنپئی۔ آنکھ۔ ناک۔ دہانہ۔ ماتھا۔ مانگ کسی میں کوئی
خاص عیب نہ تھا ہاں چہرے کی مجموعی بناوٹ میں خدا جانے کیا بات تھی نزاکت اور جسم میں
جامہ زیبی نہ تھی ہزار بیبیوں میں بیٹھی ہو تو صاف پہچان پڑتی کہ باہر کی ہے اور سچ تو یہ ہے
کہ مبتلا کے پہلو میں رہی سہی اور بھی بے رونق معلوم ہوتی تھی جن دنوں مبتلا کا بیاہ ہوا
وہ اپنے آپے میں نہ تھا نشہ شباب میں سرشار اور بدمست سیر تماشوں میں منہمک تھے وہ اپنے بیاہ کی بات
کی خبر سنکر خوش ہوتا تھا مگر صرف اسلیے کہ ناچ دیکھنے میں آئینگے شادی کی تیاریاں دیکھکر
مسرت ظاہر کرتا تھا مگر فقط اس غرض سے کہ گانا سنینگے وہ اگر سمجھ کو کام میں لاتا تو اسکی سمجھ
رسا تھی اور جان سکتا تھا کہ بیاہ کیا چیز ہے اور بیاہ سے کس طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں مگر وہ دنیا
کے کام میں مطلق غور کرتا ہی نہ تھا اُس نے ایک لمحے کیلیے بھی بیاہ کے انجام کو نہ سوچا
اُس نے نکاح کے وقت قبلت ہم کہا گویا کہ کھیل ہوا اقرار نامہ پر دستخط کیے یعنی ہنسی ہے
اُس کو بی بی کی طرف ملتفت ہونا چاہیے تھا اور ملتفت ہوتی اُس کی عمر بھی تھی مگر اُسکی
آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں ناز و کرشمہ غمزہ و ادا اسکی چٹک وہ شریف زادیوں میں کہاں اور
خصوصاً دیہات کی شریف زادیوں میں پس اُسنے بی بی کو دیکھا ناپسندیدگی سے استکراہ سے
اور ناخوشی سے اور بی بی کے ساتھ اُس کی لشتم پشتم گزرتی گئی اور آپسمیں ویسی محبت و
موانست پیدا نہ ہوئی جیسی نئے بیاہے ہوئے دولھا دولھن میں ہونی چاہیے اور عموماً نہیں تو
اکثر ہوا بھی کرتی ہے علاوہ اس کے مبتلا کو ابھی اپنی ہی پرداخت سے فرصت نہ تھی سو دولھنوں کی
ایک دولھن تو وہ آپ تھا بناؤ سنگھار میں ہر دم مصروف زیب و زینت میں ہر لحظہ مشغول وہ خود اپنی
حسن صورت پر اس قدر فریفتہ تھا کہ آئینہ دیکھنے سے کبھی اُس کو سیری ہی نہیں ہوتی تھی
اسکو یہانتک خبط نے گھیر رکھا تھا کہ راستہ چلتا تو مڑ مڑ کر اپنے سایے کو دیکھتا جاتا :-

پانچویں فصل مبتلا کی مصیبتوں کا آغاز اور اس کی بدکرداریاں

بیاہ تک مبتلا کی زندگی نہایت ہی بےفکری سے گزری اُس نے چودہ برس کی عمر تک گھر میں ایسے عیش و آرام کے ساتھ پرورش پائی کہ کمتر کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ مدتیں اس کے یار دوستوں نے ماں باپ سے بڑھ کر اس کی نازبرداریاں کیں مگر اب اُس کے عیش کی مدت آرام کی مہلت پوری ہو چکی تھی اور یہی حال ہے دنیا کی تمام حالتوں کا کہ راحت ہے تو ایک وقت خاص تک اور مصیبت ہے تو وہ بھی ایک میعادِ مقرر تک۔ اُس کو ثبات اور نہ اِس کو قیام۔ وہ عارضی اور یہ چند روزہ جن کو خدا نے عقلِ سلیم دی ہے وہ ہر حالت کو اسی طور پر انگیز کرتے ہیں کہ اس کے زائل ہونے پر ان کو ملال نہ ہو تاسف نہ کرنا پڑے اتنا نہیں کھاتے کہ تخمہ ہو ایسے دوڑ کر نہیں چلتے کہ ٹھوکر لگے عادتوں کو طبیعت نہیں ہونے دیتے اور امورِ اتفاقی کو ضروری نہیں سمجھ لیتے۔ لیاقت یا ہنر یا صفت یا جوہر یا خوبی یا مابہ الامتیاز یا سرمایۂ فخر و ناز یا ذریعۂ تعریف یا وسیلۂ تقریب جو کچھ سمجھو مبتلا کے پاس ایک حسنِ صورت تھا اور بس۔ یہی ایک چیز تھی جس کی وجہ سے وہ ہر دلعزیز تھا یہی عمل تھا یہی تسخیر تھی یہی کیمیا اور یہی اکسیر تھی مسیں تو اس کی سترھویں برس بھیگنے لگی تھیں اٹھارہویں میں تو اس کی اچھی خاصی داڑھی نکل آئی۔ شعر

ہمیشہ رہے نام اللہ کا	گیا حسن خوبانِ دل خواہ کا

اور داڑھی بھی نکلی تو اس کثرت سے کہ ماتھا اور ناک اور آنکھوں کی جگہ چھوڑ کر کہیں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی جب داڑھی نکلنے کو ہوئی اگر مبتلا اُس کو اُس کے طور پر نکلنے دیتا تو برس سوا برس وہ اور بھی حسینوں کے زمرے میں گنا جاتا اور سبزۂ خط اس کی گوری رنگت پر خوب کھلتا مگر اس نے غلطی یہ کی کہ روئیں نمودار ہوتے ہی اُسترا پھروا دیا اُسترے

کا پھوڑنا تھا کہ پھدپھدا کر ایک کی جگہ دس دس اور روؤں کی جگہ کالے کرخت بال نکل پڑے اور چہرے کی جلد پر جو ماء الشباب[1] کا ایک قدرتی روغن تھا وہ بھی گیا گذرا ہوا اب روکھی کھال رہ گئی اور اس پر ہزار ہا بال۔ یہ پہلی مصیبت تھی جو مبتلا پر نازل ہوئی اور اس نے اس پہلی کیفیت کے اس قدر جلد زائل ہو جانے کا سخت رنج کیا اور جب اس کے ان دنوں کے خیالات پر نظر کی جاتی ہے تو اس کا رنج حق بجانب بھی تھا۔ رفتہ رفتہ زوالِ حسن کا اثر اسکی حالت پر مترتب ہونے لگا جو لوگ اس کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے نفرت اور جو دریے تھے گریز کرنے لگے ؎ یار اغیار ہو گئے اللہ + کیا زمانے کا انقلاب ہے ! گرم صحبتوں کی جگہ صاحب سلامت رہ گئی وہ بھی دور کی اختلاط کے عوض راہ گزر کی مٹ بھیڑ وہ بھی اتفاقی اس کی طرز زیست نے ادعائی ضرورتوں کو اور ادعائی ضرورتوں نے خرچ کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ مدرسے کا وظیفہ اور اس کا چہار چند اور اس کو بمشکل وفا کرتا اب ادھر تو اس کے اعوان و انصار دست کش ہوئے ادھر جو گھر سے مدد ملتی تھی اس میں بی بی نے حصہ بٹوانا شروع کیا ضروریں اگر جائز اور واجبی ہوتیں گھر سے مدد ملتی مگر حاجتیں ناجائز اغراض بیہودہ گو بمشکل فرو کرنے کو ہم مشکل جی للچاتا اور ناچار ضبط کرتا طبیعت بھربھراتی اور مجبوری پیٹتے کو مارتا۔ انگریزی کی کہاوت ہے کہ مصیبتیں ایک ایک کرکے نہیں آتیں یعنی جب آنے کو ہوتی ہیں تو بس ایک تار بندھ جاتا ہے۔ مبتلا کے بیاہ کے بعد سے تو گویا اس کہاوت کے سچا کرنے کو موتیں کچھ ایسی تابڑ توڑ ہوئیں کہ پانچ برس کے اندر ہی اندر جتنے بزرگ تھے کیا مرد کیا عورت ایک کے بعد ایک سبھی تو رخصت ہو گئے بہنیں بیاہی جا کر اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں بس اب تن تنہا مبتلا رہ گیا اور ایک بی بی کہ وہ بھی اس کی بے التفاتی کی وجہ سے پہلے تو اکثر میکے میں رہتی تھی چوتھے پانچویں مہینے مہمان داخل سسرال آگئی تو آگئی اب کئی برس دن

[1] جوانی کی آب ۱۲

ہوا تھا کہ ماں اور باپ دونوں کے مرجانے سے بھائیوں نے ترکے سے محروم کرنیکے لیئے بلانا چلانا مطلقاً موقوف کردیا تھا اور مجبوری نہایت کس مپرسی کی حالت میں مبتلا کے یہاں ڈھئی دیلے پڑی تھی مبتلا پر مصیبتوں کا ایسا پہاڑ ٹوٹا تھا کہ اگر وہ ذرا بھی عقلِ سلیم رکھتا ہوتا تو ساری عمر اس تازیانے کو نہ بھولتا۔ مگر اس کے دل پر تو مُہر لگی ہوئی تھی اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا کیسی عبرت اور کس کا ڈر نا مطلق العنان ہوتے ہی لنگا ڈلکی تو وڑے نے پو یہ بھاگنے تیہانتک کہ جن حرکتوں کو پہلے چرا تا چھپاتا اب کھلے خزانے انکے کرنے میں ذرا بھی نہ شرماتا باپ کے مرتے ہی میدان خالی پاکر تعزیت کے حیلے اور غمگساری کے بہانے سے دوست آشناؤں نے پھر اسکو آن گھیرا اور وہی اپنی قدیم ٹٹی اُس کو پڑھا چلے جہلم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ جلسے شروع ہوگئے

چھٹی فصل مبتلا کے چچا کا حج سے واپس آنا

مبتلا کے حقیقی چچا میر متقی ایک مدت سے نواب رامپور کی سرکار میں نوکر تھے اور وہیں ایک شریف خاندان میں انہوں نے اپنا نکاح بھی کرلیا تھا مبتلا اُن دنوں مکتب میں پڑھتا تھا کہ میر متقی دلی ہوکر بھائی سے ملتے ہوئے حج کو گئے ارادہ تو صرف حرمین شریفین کی زیارت کا کرکے گئے تھے مگر وہاں پہنچکر یہ خیال ہوا کہ سالہا سال کے ارادے میں تو اب بمشکل گھر سے نکلنا ہوا کیا معلوم کہ اب زندگی میں پھر یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو لاؤ لگتے ہاتھوں جہانتک ہوسکے زیارتیں تو کرلو۔ پورے تین برس تو زیارتوں میں لگے پھر تین برس تک متواتر ایسا اتفاق پیش آگیا کہ جب واپسی کا ارادہ کرتے تھے بیمار ہو ہو جاتے تھے غرض سات برس میں لوٹے تو بمبئی میں پہنچکر اُنہوں نے ارادہ کرلیا تھا کہ بھوپال میں اُستاد سے احمدآباد میں پیرسے اور دہلی میں بھائی سے ملتا ہوا رامپور جاؤں گا۔ دہلی میں داخل ہوئے تو تھوڑی

رات گئی تھی سیدھے بھائی کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ پھاٹک
بند اور طبلے کی تھاپ کی آواز اندر سے چلی آرہی ہے سمجھے کہ ناچ ہو رہا ہے۔ تھوڑی
دیر میں بڑے زور کے قہقہے سنائی دیئے معلوم ہوا کہ بھانڈ نقلیں کر رہے ہیں میر متقی کو پہلے
ذرا سا دھوکا ہوا کہ میں نے گھر کی شناخت میں تو غلطی نہیں کی گلی کے نکڑ تک لوٹ کر
گئے اِدھر دیکھا اُدھر نگاہ کی بے شک سات برس کے عرصے میں تھوڑے بہت تغیرات بھی ہو گئے
تھے مگر نہ اس قدر کہ آدمی جہاں پیدا ہوا پرورش پائی بڑا ہوا رہا سہا اس گھر کو نہ پہچانے پھر
خیال ہوا کہ شاید بھائی نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہو اسی سوچ میں کھڑے تھے کہ ایک شخص
گلی کی طرف لپکا ہوا چلا آرہا تھا جب ان کے برابر آیا انہوں نے اس سے پوچھا کیوں صاحب یہ کونسی گلی
ہے وہ یہ کہتا ہوا اپنی دُھن میں چلا گیا کہ اس کو سادات کا کوچہ کہتے ہیں۔ اب ان کو اس کا تو
یقینِ کامل ہو گیا کہ گھر کے پہچاننے میں مجھ سے غلطی نہیں ہوئی اب اتنی بات اور رہ گئی کہ
بھائی اُس گھر میں ہیں یا نہیں اِس شخص کی جلدی نے انکو اِس کے پوچھنے کی مہلت نہ دی
اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھے سے آدمی بغل میں بچھونا دبائے لکڑی ٹیکتے ہوئے اندر گلی
سے آہستہ آہستہ چلے آرہے ہیں ان سے تھوڑی دور پیچھے ایک جوان سا آدمی ہے اور وہ ذرا تیز چل
رہا ہے یہاں تک کہ جب بڑے میاں کے برابر آیا تو کہنے لگا کہ اجی حضرت خیر ہے اِس وقت آپ بچھونا
لیئے ہوئے کہاں جا رہے ہیں لائیے بچھونا مجھ کو دیجئے میں پہنچا دوں بڑے میاں نے کہا
نہیں بھائی تم کیوں تکلیف اُٹھاؤ بچھونے میں ایسا کیا بوجھ ہے کیا کریں جب بے چارے
میر مہذب مرے اُن کا لڑکا خدا اُس کو نیک ہدایت دے بُری صحبت میں پڑ کر ایسا آوارہ ہو گیا ہے
کہ سارے سارے دن اور ساری ساری رات گھر میں دھما چوکڑی مچی رہتی ہے ہم ٹھہرے دیوار
بیچ اُن کے پڑوسی اتنا نہیں بن پڑتا کہ گھر میں دو رکعت نماز اطمینان سے پڑھی جائے ناچار میں

تو اس مسجد میں چلا جاتا ہوں متقی بھائی کے مرنے کی خبر سنکر قریب تھا کہ چکر کھا کر وہیں زمین
پر گر پڑے مگر آدمی تھا دیندار اُس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہکر ضبط کیا اور اپنے
تئیں سنبھالا اور سوچا کہ اگر گھر چلکر دستک دوں پکاروں تو نقار خانے میں طوطی کی آواز
کون سنے گا اور فرض کیا چیخنے چلانے سے دروازہ کھلا بھی تو رات گئی ہے زیادہ سب کو
تکلیف ہوگی رونا پیٹنا مچے گا ماتم برپا ہوگا بہتر ہے کہ رات کو کہیں پڑ رہوں پھر خیال کیا
کہ پاس کے پاس اسی مسجد میں ٹھیر جانا مناسب ہے کہ بڑے میاں سے اور حالات بھی دریافت ہونگے
مسجد میں گیا اور وضو کر کے نماز پڑھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے بھائی سے اس کو محبت تھی
بہت یوں بھی ہمیشہ غائبانہ اس کے حق میں دعائے خیر کیا کرتا تھا اب جو حضرت موسیٰ کی دعا
اسکو یاد آئی اور اُس کے منہ سے نکلا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَ
اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہ جی بھر آیا اور بے اختیار اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی جس کے
دل کو یکایک اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہو اس کو بھوک کیا لگے اور نیند کیونکر آئے ساری رات
گزر گئی کہ صحن مسجد میں ننگے سر بیٹھا ہوا کبھی کچھ پڑھ پڑھ کر بھائی کی روح کو بخشتا تھا اور
کبھی اُس کی مغفرت کیلئے خدا کی درگاہ میں زار نالی کرتا تھا سفیدۂ صبح نمودار ہوتے ہی
اول وقت فجر کی نماز پڑھی اور پھر اشراق تک معمولی اوراد میں مشغول رہا جب نماز اشراق
سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ بڑے میاں بھی اپنا بچھونا لپیٹ لپاٹ کر گھر جانے کی تیاری
کر رہے ہیں اُن کو ضعیفی کے سبب ذرا دھندلا بھی نظر آتا تھا متقی نے اُن کو پہچانکر السلام
علیک کی اور قریب جا کر اپنے تئیں پہچنوایا اور رات کا ماجرا کہہ سنایا ملے تو میر مہذب کی

[illegible]

صحبتوں کو یاد کر کے بڑے میاں بھی آب دیدہ ہوئے اور متقی تو رات سے رو رہا تھا
ساری رات کا فاقہ جاگنا اور رونا آنکھیں سوج گئی تھیں منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی بارے
بڑے میاں نے بہت کچھ سمجھایا اور دنیا کے دستور کے مطابق صبر کی تعلیم کی اور کہا کہ
میاں مرحوم تو اللہ کے نیک بندے تھے یہاں بھی اپنی اچھی گزار گئے اور ان شا اللہ وہاں
بھی اُن کیلئے اچھا ہی اچھا ہے وہ اگر مرے تو اپنی عمر سے مرے اور ایک ایک دن سبھی کو مرنا ہے
بڑا رونا اُن کے فرزند ناخلف کا ہے کہ اپنے کردار ناسزا سے مرحوم کی روح کو ایذا دے رہا ہے
اب تم باپ کی جگہ ہو اُس کو سنبھالو اگر ہو سکے اُس کو روکو اگر بن پڑے۔ گھر کے نصیب اچھے
ہیں کہ تم آپہنچے خدا کو کچھ بھلا کرنا منظور ہے کہ تم کو بھیجا ابھی وقت ہے اگرچہ تنگ ہے موقع ہے گو اخیر ہے
اور تم یہاں مسجد میں اکیلے بیٹھ کر کیا کرو گے میرے ساتھ چلو تمہارے بھتیجے صاحب تو کہیں
دوپہر تک اُٹھیں گے وہ بھی اُٹھائے سے تب تک میرے گھر کچھ ناشتا کرو ہم بھی کوئی غیر
نہیں ہیں تمہارے بھائی صاحب خدا اُنکو جنت نصیب کرے ہمکو عزیزوں سے بڑھکر سمجھتے تھے
کیا تمکو یاد نہو گا۔ غرض میر متقی بڑے میاں کے ساتھ ساتھ چلے تو سارے رستے بھائی کا تصور
پیش نظر تھا اور قدم قدم پر ایسا خیال ہوتا تھا کہ بھائی سامنے سے چلے آرہے ہیں پیچھے
سے پکار رہے ہیں اُس دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے ہیں اُس دُکان والے سے
کچھ کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ اتفاقات متقی کو بھائی کی زندگی میں صدہا بار پیش آچکے تھے
اُن ہی باتوں کی یادداشت اب تازہ ہو گئی۔ متقی رات سے بہتیرا رو بھی چکا تھا اور اُس نے
ارادہ کر لیا تھا کہ اب اگر رونا آئیگا بھی تو روکوں گا ضبط کرونگا مگر جوں جوں گھر کیطرف
پاؤں اُٹھتا تھا دل کی کیفیت متغیر ہوتی چلی جاتی تھی یہانتک کہ دروازے پر پہنچکر تو نہ تھم
سکا اور بے اختیار پکار کر رو دیا رونے کی آواز سُنکر پاس پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے پھاٹک تو

باہر کی طرف سے نہ کھلوا سکے اندر ہی اندر کھڑکی کی راہ پہلے زنان خانے میں اور پھر مردانے میں خبر پہنچی مبتلا اور اُس کے جلسے کے شرکا ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ گھروا دیکھ اور بھیروین سنکر سوئے تھے میر متقی کا آنا سنکر سب کی نیندیں اُچاٹ ہو گئیں اور سب کے ہوش اُڑ گئے جو لوگ اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بھانڈوں اور رنڈیوں کو نچوا رہے تھے اب لگے آپ ناچ ناچ پڑے پھرنے چاہتے تھے کہ نکل بھاگیں مگر راستہ کہاں تھا پھاٹک پر تو خود میر متقی صاحب اور اُن کے ساتھ محلے کے چالیس پچاس آدمی کھڑے ہوئے تھے زنان خانے میں ہوکر جانا چاہتے تو پہلے مہرے پر گھروالی تھی کہ وہ میاں کے سامنے تو لومڑی یا بھیگی بلی جو کچھ تھی سو تھی مگر ان بدذاتوں کے حق میں خاصکر اس وقت شیرنی سے کم نہ تھی اس کے علاوہ زنان خانے سے اگر باہر جانے کا راستہ تھا تو دوسرے لوگوں کے گھروں میں سے ہوکر تھا وہ بھلے مانس اِن بلاؤں کا اپنے یہاں سے ہوکر گزرنا کیوں جائز رکھتے غرض وہ سب کا سٹ پٹانا اور ایک کا ایک سے پوچھنا اور ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑنا ایک ایک کے پاؤں پڑنا ایک تماشا تھا قابلِ سیر ایک کیفیت تھی لائقِ دید کہ رنڈیاں جو اپنے حسن کے غرور میں کسی کے ساتھ سیدھی بات تک نہیں کرتی تھیں اب ایک ایک کے آگے بچھی جاتی تھیں کہ خدا کے لئے کہیں ہمکو پناہ دو ایک ایک کے پیچھے لپٹتی تھیں کہ للہ ہمیں نکالکر کہیں لے چلو ایک پکارتی تھی میں انعام اکرام سے باز آئی مجھے راستہ بتاؤ دوسری چلاتی تھی مجھے مجھے کی کوڑی مت دو مگر کسی طرح سے گھر پہنچاؤ رات کے جلسے میں ایک طائفہ چلبلا بھانڈ کا بھی تھا ان کمبختوں کو فی الوقت خوب سوجھتی ہے ۔ اِدھر تو یہ تمام ہل چل مچی ہوئی تھی اور اُدھر چلبلا بے طلب فرمائش تیار ہوا اپنے ساتھیوں کو جمع کر لگا نقل کرنے (نقل) ایک اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑا دوڑا لوگوں کو ہٹاتا ہوا و باتا ہوا پھرنے لگا کہ کیا ہے بے کیا ہے کاہے کا غل ہے کیوں شور

مچا رکھا ہے دوسرا بولا ابے احمق تو نے نہیں سنا کہ حضرت کے چچا مکہ معظمہ سے تشریف لائے ہیں۔ پہلا کون چچا ابوجہل یا ابولہب۔ دوسرا (پہلے کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مار کر) چپ دودکیا کفر بکتا ہے ابے حضرت پیغمبر صاحب کے چچا نہیں ہمارے (مبتلا کی طرف اشارہ کر کے) حضرت پیر مرشد کے چچا۔ پہلا۔ ہاں الحمد للہ۔ پھر ڈرنا کیا ہے آؤ ہم سب ملکر بھی ان کو چچا بنائیں حج نصیب ہونے اور سلامتی سے واپس آنیکی مبارکباد دیں ناچ دکھائیں گا نا سنائیں۔ دوسرا (پہلے کے منہ پر ایک طمانچہ مار کر) ابے توبہ کر توبہ کہیں اوپر سے چھت نہ گر پڑے سید آل رسول مولوی حاجی جو ابھی خدا کے گھر سے پھرے ہوئے چلے آرہے ہیں کہیں ناچ دیکھتے ہیں (ناچ دیکھنا حرام) یا گانا سنتے ہیں (گانا سننا ممنوع) ان کے نزدیک نڈیاں جہنم کی چھپٹیاں ہیں اور بھانڈ دوزخ کے کندے۔ پہلا۔ ہائے میرے اللہ رنڈیوں لئے وہاں بھی بھانڈوں کو نہ چھوڑا نے کندے ہوتے تو ذرا دیر میں تو جلتے اور کیوں صاحب یہ سب لوگ (مبتلا اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے) کیا ہونگے۔ دوسرا۔ ان کو کہتے ہیں کہ بھاڑ میں بھونے اور کڑھائی میں تلے اور بھٹی میں جلائے جائینگے۔ پہلا۔ (دونو ہاتھوں کو گالوں پر ہولے ہولے تھپڑ مار کر اور خوف زدہ آنکھیں بنا کر) الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ۔ خدا دوزخ کی آنچ سے بچائے اور بھانڈوں کو بھوت بنائے آسیب بنائے جو چاہے سو کرے مگر دوزخ کے کندے نہ بنائے۔ بھلا پھر حاجی صاحب چاہتے کیا ہیں۔ دوسرا۔ چاہتے یہ ہیں کہ نمازیں پڑھو روزے رکھو خدا کی بندگی کرو۔ جو روپیہ رنڈیوں اور بھانڈوں کو دیتے ہو غریبوں محتاجوں کو دو۔ پہلا۔ یہ بھی بات تو اچھی ہے رنڈیوں کا دینا تو محض فضول ہے رہے بھانڈ ان سے بڑھ کر غریب محتاج اور کون ہوگا۔ یہ کہہ کر عمامہ باندھ پائچے ٹخنوں سے اونچے کر جہاں کھڑا تھا اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا گویا امام بنا اور نماز شروع ہوئی۔ مسخرہ پن تو یہ تھا کہ نیت باندھ چکا ہے اور پھر

ایک طرف یہ کہہ رہا ہے کہ بیچ تامل پھاٹک کھول دو اور مولوی یا حافظ یا حاجی یا زوار یا واعظ
جو ہوں اُن کو آنے دو اور دوسری طرف سب کو اشارہ کر رہا ہو کہ میرے پیچھے مقتدی بنکر کھڑے
ہو جاؤ اور پھر بڑبڑانے لگا۔ طائفے کے جتنے بھانڈ تھے سب صف بستہ ہو کر مقتدی بنے اور
اُسکے پیچھے کھڑے ہوئے ذرا دیر گزری تھی کہ ایک نے صف میں سے نکلکر امام کی پیٹھ پر ایک
دوہتڑ مارا ایسے زور سے کہ تھوڑی دور آگے جا کر اوندھے منہ گر پڑا اور کہا ابے بدبختی یہ کیسی
بے وقت اور بے رخی جماعت کی نماز پڑھا رہا ہے اگر مولوی اسمٰعیل کے مقلدین پائیں تو مارے
کفر کے فتووں کے اُتو کر دیں۔ امام۔ ابے تو کیا جانے یہ صلوٰۃ الخوف ہے اور پھر اُسی طرح اپنی
جگہ جا کھڑا ہوا گویا اتنی حرکت پر بھی نماز باطل نہیں ہوئی تھوڑی سی دیر کے بعد پیچھے کی صف
سے پھر ایک شخص آگے بڑھا اور اُس نے امام کا عمامہ اُتار تڑاتڑ آٹھ دس ہیں لیتڑی رسید کیے
امام سر سہلاتا ہوا یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کفر کا فتوٰی آیا۔ تو یہ لیتڑی مارنے والا کیا کہتا ہے ابے ڈر مت
فتوٰی نہیں تیری عبادت کا صلہ ہے۔ امام بولا عبادت کا صلہ ہے تو اسمیں مقتدیوں کا بھی
حق ہے پھر تو اس سرے سے اُس سرے تک بلا امتیاز جوتی کاری ہونے لگی اور رنڈیاں اور بھڑوے
اور میر محفل اور تماشائی سبھی پر آفت آئی۔ کہتے ہیں کہ چلبلا بھانڈ کے طائفہ کا میں ڈیرے دار
معمول تھا اور مبتلا اس طائفے کا ایسا گرویدہ تھا کہ اگر خرچ مساعدت کرتا تو ہر رات اُن کا ناچ دیکھا
مگر اس پر بھی کتنی سو روپئے اُن لوگوں کے چڑھ گئے تھے اب مبتلا کے چچا کا آنا سنکر بھانڈوں کو بالکل
ناامیدی ہو گئی اور ایسی نقل کی نقل تو نہایت برجستہ تھی مگر طبیعت کسکی حاضر تھی اور دل کس کا
ٹھکانے تھا کہ مزہ لیتا اور داد دیتا۔ مبتلا کی تو ایسی سٹی بھولی کہ ننگے پاؤں کبھی اندر جاتا اور
کبھی باہر آتا مگر کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی تھی آخر اُس نے اپنے باپ کے پرانے نوکر وفادار کو آواز دی
یہ بوڑھا آدمی اسم با مسمّٰی مبتلا کو بہت سمجھاتا رہتا تھا مگر نوکر کی بساط کیا جب وفادار نے بار بار

کہنا شروع کیا مبتلا نے اس کو جھڑک جھڑک دیا وفادار نے دل شکستہ ہو کر مبتلا سے کنارہ
کشی اختیار کی مردانے میں اس کے رہنے کی ایک کوٹھڑی تھی رات دن اسی کوٹھڑی میں پڑا رہتا
اندر سے کچھ فرمائش آتی تو اس کی تعمیل کر دیتا مبتلا کے کسی کام کاج کو ہرگز ہاتھ نہ لگاتا آدمی
تھا زمانہ دیدہ سمجھ چکا تھا کہ یہیں وہ نہار اس طرح پر تو سدا چلنے والا نہیں یا تو یہ رسم و راہ نہیں
اور رسم و راہ ہے، تو بندہ درگاہ نہیں وفادار اکیلا کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا دیکھتا نہیں تھا
تو سنتا سب کی تھا اس کو میر متقی کا آنا اور ارباب جلسہ کا گھبرانا معلوم ہو چکا تھا خلاف عادت مبتلا
کے بلانے کی آواز سنکر مطلب تو سمجھا مگر جان بوجھ کر چادر تان لیٹ گیا مبتلا نے ایک بار
پکارا دو بار پکارا تین بار پکارا جواب ندارد اگر کبھی پہلے ایسا اتفاق ہوا ہوتا تو وفادار کی مجال تھی
کہ مبتلا پکارے اور پہلی آواز پر جواب نہ دے مگر میر متقی کا آنا تھا کہ باہر سے اندر تک سب کا رنگ
بدل گیا جو ناچیز تھے وہ اب عزیز تھے جو با اقتدار تھے وہ اب ذلیل و خوار تھے یہاں تک کہ مبتلا نے
خود کوٹھڑی کے دروازے پر آکر پکارا میاں وفادار میاں وفادار جلدی اٹھو چچا آئے وفادار
نے گھبرا کر پوچھا کیا چھوٹے میاں حج سے تشریف لائے۔ مبتلا۔ ہاں۔ وفادار نے میر صاحب
مرحوم کو یاد کر کے ایک آہ کی اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور میر متقی کے صحیح و سلامت واپس
آنے پر خدا کا شکر کیا اور دروازے کھولنے کے ارادے سے دوڑا مبتلا نے لپک کر روکا
کہ ذرا ٹھیرو ذرا ٹھیرو مبتلا نے چچا کو دیکھا تو تھا مگر سات برس میں صورت بھول گیا تھا وفادار سے
کہا کہ ذرا کواڑوں کی دراڑ میں سے جھانک کر تو دیکھو وہی ہیں وفادار نے پہلی ہی نظر میں
پہچان لیا اور کہا کہ بیشک وہی ہیں اور اب تو عین مین سرکار معلوم ہوتے ہیں مگر داڑھی میں
تو تنی سفیدی نہیں۔ مبتلا یہ سنکر وفادار کے گلے لپٹ گیا کہ خدا کیلئے کسی طرح مجھکو اس
فضیحت سے بچاؤ میں ان کمبختوں کو کہاں لیے جاؤں اور کس جگہ چھپاؤں وفادار کو مبتلا کا اضطرار

دیکھ کر بہت ترس آیا اور اُس نے کہا کہ تھوڑی دیر کیلیئے ان لوگوں کو پاخانے میں کھڑا کر دیجیے
چھوٹے میاں آخر اندر جائینگے اُس وقت اُن کو نکال باہر کرینگے واقع میں اس کے سوا کوئی تدبیر ہی
نہ تھی آخر یہی کیا کہ جھپا جھپ ان سب کو پاخانے میں اوپر تلے ٹھونس آگے پیچھے دھکیل کنڈی لگا
باہر کا پھاٹک کھول دیا میر متقی نے دوڑ کر بھتیجے کو چھاتی سے لگایا اُسوقت کی کیفیت بھی جس
جس نے دیکھی ساری عمر اسکو نہیں بھول سکتا۔ بوڑھا پھوس نہیں مگر ادھیڑ) اور جوان فرشتہ
اور شیطان۔ یا رحمت اور قہر یا نیکی اور بدی یا تقوٰی اور رند یا حاجی اور پاجی یا چچا اور بھتیجا
دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے ہوئے کھڑے رو رہے تھے مبتلا تو ڈاڑھیں مار رہا تھا اور میر متقی
کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے اور چونکہ رنج کو بتکلف ضبط کرتے تھے ٹوٹی ٹوٹی کانپ رہی
تھی پچاس ساٹھ آدمی حلقہ باندھے ہوئے گرد و پیش تھے اور سب پر رقت طاری تھی کامل
پاؤ گھنٹے کے بعد متقی نے مبتلا کو سینے سے جدا کیا اور سب کے ساتھ اسکو لے جا کر دالان میں
بیٹھے تھوڑی دیر سب سکوت میں تھے آخر کسی نے میر صاحب مرحوم کا ذکر خیر نکالا پہلے اُنکے محامد اخلاق
کا مذکور رہا پھر علالت اور وفات کا آخر فاتحہ پڑھ کر لوگ رخصت ہوئے اور میر متقی زنان خانے میں گئے

ساتویں فصل مبتلا کے چچا میر متقی کا اپنی بھانجی یعنی مبتلا کی بی بی کے سامنے تعزیت کے طور پر وعظ کہنا

ماموں کا آنا سن کر بھانجی کو ماں باپ اور ساس سسرے کا مرنا بھائیوں کا ظلم اور سب سے
بڑھکر مبتلا کا اس سے بے تعلق رہنا اپنی بے کسی گھر کی تباہی آئندہ کی نا اُمیدی غرض ساری
داستان مصیبت اول سے آخر تک یاد آگئی اور وہ دل ہی دل میں رونے کی تیاریاں کر چکی
تھی جوں ہی ماموں نے اندر قدم رکھا اور بھانجی کے ساتھ نظر دو چار ہوئی اُس نے

۱؎ بُری عادتیں ۱۲

کسی طرح لڑکھڑاتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام تو کر لیا اور پھر تو ایسی بلکی کہ غش کھا کر گر پڑی ہاتھ
پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے دانت بچّی ہو گئے لخلخے سونگھائے منہ پر گلاب کے چھینٹے دیے بارے
ہوش آیا تو اُس نے ایسی بین شروع کیے کہ سننے والوں کے کلیجے منہ کو آنے لگے دل
دہل گئے۔ آخر متقی نے سر پر ہاتھ پھیرا اور سمجھایا کہ مصیبت میں اس قدر رنج کرنا عبودیت
کی شان نہیں ہے۔ رنج مصیبت کو نہ ٹال سکتا ہے اور نہ اُس کو ہلکا کر سکتا بلکہ اُلٹا مصیبت
کو بڑھاتا ہے جیسے محبت ماں کو اکلوتے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے اُس سے لاکھوں کروڑوں
درجے بڑھی ہوئی محبت خدا کو اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے اگر خدا نہ چاہے تو کیا بندے
آپ سے آپ پیدا ہو جائیں اور اپنے اختیار سے زندگی کریں ایسا خیال کرنا تو کفر کے علاوہ
غلط صریح بھی ہے بندے بھلے اور بُرے امیر اور غریب قوی اور ضعیف حاکم اور محکوم بادشاہ اور
رعیت یہاں تک کہ ولی اور پیغمبر سب کے سب اس قدر عاجز اور بے اختیار ہیں کہ بدون خدا کی مرضی
کے ایک پتّا ہلانا چاہیں تو نہیں ہلا سکتے ایک ذرے کو جگہ سے سرکانا چاہیں تو نہیں سرکا سکتے
کسی انسان کا نفع و ضرر نہ خود اُس کے اختیار میں ہے نہ کسی دوسرے انسان کے۔ دنیا میں جس
کسی کو جس کسی کے ساتھ کسی طرح کی محبت ہے اِس کے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ جسکے ساتھ محبت
رکھتا ہے اُس کا فائدہ چاہتا ہے نہ یہ کہ اُس کو فائدہ پہنچاتا ہے یا پہنچا سکتا ہے اسیواسطے دنیا
کی ساری محبتیں از برائے نام ہیں سچّی اور اصلی محبت خدا کی ہے کہ ساری نعمتیں اور ساری
برکتیں جو ہمکو حاصل ہیں یہانتک کہ زندگی اُسی کی دی ہوئی ہے بایں ہمہ انسان کو اس زندگی
میں ایذائیں بھی پہنچتی ہیں مگر ان میں ضرور انسان کا کوئی نہ کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے مثلاً
طبیب کہ وہ کسی مریض کا علاج کرتا ہے کبھی اُس کو کڑوی دوا پلاتا اور کبھی اُس کی فصد لیتا
اور کبھی بیمار کے زخم کو شگاف دیتا اور کبھی شاید اُس کے کسی عضو کو کاٹ بھی ڈالتا ہے مگر

ایسا کرنے سے کیا کوئی شبہ کر سکتا ہی کہ طبیب اپنے بیمار کے ساتھ عداوت رکھتا ہی اسی طرح جو
تکلیفیں ہم کو دنیا میں پہنچتی ہیں اور بلاشبہ خدا کی مقدس مرضی سے پہنچتی ہیں ظاہر میں تکلیف
ہیں اور باطن میں آرام ابتدا میں ایذا ہیں اور انجام میں راحت۔ اول تو اسکا فیصلہ کرنا مشکل
ہے کہ وہ تکلیف حقیقت میں بھی تکلیف ہی یا نہیں۔ فرض کرو کہ کسی عورت کا شوہر مر جائے ظاہر میں
ہوگی ایک بڑی مصیبت ہے، مگر کیا ممکن نہیں کہ مرد زندہ رہتا اور بیوی پر سوکن لا کر اس کو زندہ
درگور کرتا یا بیوی سے اس کا دل ایسا پھرتا کہ جب تک جیتا اُس کو سخت ایذا دیتا یا ایسے
امراض میں مبتلا ہوتا کہ سارے گھر کی زندگی دشوار کر دیتا اور اسی طرح کے اور بہت سے
احتمالات ہیں جن کی وجہ سے ایک عورت اپنی بیوگی کو ترجیح دے سکتی ہی سہاگ پر لیکن جب
تک انسان کو علم مستقبلات یعنے علم غیب ہو اور وہ اُس کو نہ ہوا ہی اور نہ ہوگا وہ کسی حالت
کو جو اُس پر یا کسی پر طاری ہو بُرا کہہ نہیں سکتا۔ دنیا کے بہت سے واقعات کو ہم پسند کرتے ہیں
مگر جس طرح ہماری معلومات ناتمام ہی اسی طرح جو نتیجے ہم اپنی معلومات سے نکالتے ہیں ناقص
ادھوری روداد اور اس پر فیصلہ ناکافی تحقیقات اور اس پر تجویز۔ اور مانا کہ جو تکلیف ہم کو
پہنچی حقیقت میں تکلیف ہے تو کیا شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو منصف اور رحم دل بادشاہ
اپنی عزیز رعیت کو تادیب یا تنبیہ یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ایذا نہیں پہنچاتا ہمیشہ
ایسی ایذائیں پہنچتی رہتی ہیں نہ فریاد نہ شکایت پس اگر خدا کی طرف سے ایک ایذا پہنچ جائے دجائے
دو اُس کے بےشمار احسانوں کو اور بھول جاؤ اُس کی نامحصور نعمتوں کو) تو بندہ کیوں مت
پھلائے کس لئے بڑبڑائے سب سے بڑا فائدہ جو مصیبت سے انسان کو پہنچتا ہے یہ ہے کہ
مصیبت دل میں بالتخصیص عجز و انکسار کی صفت پیدا کرتی اور خدا کو یاد دلاتی ہی اور حقیقت
میں مصیبت کے وقت بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہی تو وہ مصیبت نہیں رحمت ہے لیکن خدا کو یاد

کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنیکے یہ معنے نہیں ہیں کہ شکایت کرو اور اُس سے ناراض رہو بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اُس کی رحمت پر پورا بھروسا اور اعتماد کر کے صمیم قلب سے یقین کر لو کہ جو کچھ ہوا خوب ہوا بہتر ہوا مناسب ہوا اور یوں ہی ہونا چاہئیے تھا یہ تو درجہ رضا اور تسلیم کا ہے اور اسی کا نام صبر جمیل ہے اور آدمی کو جس کا عقیدہ ضعیف اور جس کا دل کمزور اور جس کی ہمت کوتاہ اور جسکا ارادہ متزلزل ہے اس درجے پر پہنچنا دشوار ہے مگر اعلیٰ علیین پر نہیں پہنچ سکتے تو ایک سیڑھی دو سیڑھی جتنا ہو سکے کچھ تو اُچکو کسی قدر تو اُبھرو کہ اسفل سافلین کفران سے نکلو یوں کہنے کو تو منہ سے سبھی کہتے ہیں کہ دنیا فانی ہے چند روزہ ہے خواب ہے سراب ہے سایہ ہے سحاب ہے برق بے تاب ہے مگر مصیبت کے وقت بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ زبان ہمارے دل کا سچا ترجمان نہیں۔ کیا کوئی فانی ایک فانی حالت کیلئے اتنا غل مچاتا اور اس قدر روتا پیٹتا ہے مصیبت پر جو منفعت ہم نے ہمیشہ مترتب ہوتے دیکھی وہ تو یہ ہے کہ مصیبت آدمی کے مستقبل کو اُس کی ماضی سے ضرور بہتر کر دیتی ہے یعنے اگر انسان کاہل تھا تو مصیبت کے بعد ضرور چست چالاک ہو جاتا ہے آرام طلب تھا تو جفاکش بھولا تھا تو سیانا مسرف تھا تو کفایت شعار بدپرہیز تھا تو محتاط جلد باز تھا تو دھیما آوارہ تھا تو نیک کردار جس آدمی پر کبھی مصیبت نہیں پڑی نہ اُس کی عقل کا ٹھکانا نہ اُس کی رائے کا بھروسا نہ اس کا دین درست نہ اُس کے اخلاق شائستہ اس کے علاوہ آدمی کا دستور ہے کہ ایک حالت کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو اگر ساری عمر یکسانی کے ساتھ چلی جائے تو اس حالت کی عمدگی کا احساس باقی نہیں رہتا بلکہ اُکتا کر خود اس حالت سے نفرت کرنے لگتا ہے ایک باورچی کو میں جانتا ہوں جو نمکین اور میٹھے چاول یعنے بریانی متنجن وغیرہ پکانے میں کامل اُستاد تھا۔ شہر میں کہیں نہ کہیں شادی یا غمی کی کوئی نہ کوئی تقریب لگی ہی رہتی

تھی جس کسی کے یہاں چاولوں کی بخت ہوتی اسی باورچی سے پکواتا اور اُس کو مزدوری کے علاوہ دستور کے مطابق تہ دیگی کی چوٹی دار رکابی بھی ملتی وہ ایک کابی ایسی ہوتی تھی کہ اس کا سارا گھر اُس کو کھا کر اٹل ہو جاتا پس ان لوگوں کو دونوں وقت عمدہ سے عمدہ بریانی اور بہت سے بہتر متنجن کھانے کو ملتا تھا پس یہ ایک حالت تھی کہ اگر کسی غریب آدمی کے سامنے جو بریانی متنجن کو ترستا ہو بیان کیجیے تو سُنتے کے ساتھ ہی رال ٹپک پڑے مگر اس باورچی اور اس کے اہل و عیال کا کیا حال تھا کہ متنتیں کر کے بریانی متنجن کی رکابیاں ہمسایے کے لوگوں کو دیتے اور اُن سے روٹی چٹنی مانگ کر کھاتے پس ہم نے تندرستی کی قدر بیماری سے جانی وطن کی پردیس سے تونگری کی مفلسی سے آرام کی دُکھ سے راحت کی مصیبت سے تو جو شخص حقیقی راحت کا خواہاں ہو ضرور ہو کہ مصیبت کا بھی مزہ چکھے مصیبت زدہ کیلیے سب سے بہتر تدبیر یہ ہو کہ وہ دوسرے مصیبت مندوں پر نظر کرے مثلاً اگر اس کو صرف بیوگی کی شکایت ہے تو پا ئیگی کہ اس جیسی اور اس سے بدتر لاکھوں بیوہ عورتیں اور بھی ہیں شاید یہ ایک مدت خانہ داری کرنے کے بعد بیوہ ہوئی ہو اور ہزار ہا اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جنہوں نے شوہر کی صورت تک نہیں دیکھی پس وہ بیوگی کے علاوہ لاولد بھی ہیں اور شاید اُن کو روٹی کا بھی کہیں آسرا نہو پس بیوہ اور لاولد کے علاوہ محتاج بھی نگھری ندری بھی اور شاید دُکھیا بیمار بھی اور شاید اندھی اور لولی اور اپاہج بھی کسی کو اگر کھجلی کی ایذا ہے تو وہ دیکھے گا اپنے ہی جیسے آدمی کوڑھی اور کوڑھ میں کیڑے اور کیڑوں کے ساتھ زخم اور زخموں میں سوزش العیاذ باللہ جس کی آنکھ میں ناخنہ ہو کیا اُس کو اس سے تسلی نہیں ہوگی کہ دوسروں کی آنکھیں ٹینٹ یا دوسرے کانٹے بلکہ اندھے بھی ہیں غرض دنیا کا حال یہی ہو کہ ایک سے ایک بہتر ہے پس کیوں کوئی مغرور ہو اور ایک سے ایک بدتر ہو تو کس لیئے کوئی ناصبور

ہو بیٹی میں یہ نہیں کہتا کہ تم پر مصیبت نہیں پڑی - پڑی مگر اس مصیبت پر جو تمہاری حالت ہے
شکر کے قابل ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے تندرست ہو عزت آبرو کے ساتھ گھر میں بیٹھی ہو
تم نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تم نے دروازے دروازے بھیک نہیں مانگی تم نے
پیٹ کے واسطے کسی کی خدمت نہیں کی ٹہل نہیں کی گو ماں باپ کو خدا نے اٹھا لیا مگر ابھی
تمہارے غمگسار تمہارے خبر گیر تمہارے سرپرست موجود ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی
ہوں کہ باپ جتنی نہیں کرونگا تو اس سے پورا اطمینان رکھو کہ انشاء اللہ اپنے مقدور بھر
تمہارے حال کی اصلاح تمہارے معاملات کی درستی میں کسی طرح کی کوتاہی بھی مجھ سے نہ
ہوگی لاؤ اسی شہر سے بلکہ اسی محلہ سے بلکہ اسی کوچے سے بلکہ تمہارے پڑوس سے جتنی عورتیں
کہو میں بلا لاتا ہوں جن کو دیکھکر تم ضرور رحم کرو گی اور سمجھو گی کہ یہ مجھ سے زیادہ دکھیا ہیں
ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں ہر شخص خوش ہے اسواسطے کہ وہ اپنی حالت کو کسی دوسرے
کی حالت کے ساتھ بدلنا نہیں چاہتا جس دن پہلے پہل میں نے یہ بات کتاب میں لکھی دیکھی تو
میں ذرا اس پر کھٹکا پھر میں نے سوچا کہ اس کو میں اپنے ہی اوپر کیوں نہ آزماؤں تو
میں نے اپنی جان پہچان کے پانچ چھ آدمی تجویز کیے جن کی حالت کو بنظر ظاہر میں اپنی
حالت سے بہتر سمجھتا تھا لیکن اچھی طور پر جو غور کیا تو ایک لاولد تھے دوسرے بیٹے تو رکھتے تھے
مگر ناہموار تیسرے دائم المرض چوتھے شدت کے کنجوس پانچویں بیوی کی بدمزاجی اور بدسلیقگی
اور بدزبانی سے عاجز لا مذہب غرض کسی کو بے داغ نہ پایا تب اس حکیم کے مقولے کی
تصدیق اور میرے دل کی تشفی ہوئی اور پھر ایک بات اور بھی سوچنے کے قابل ہے کہ غم کیسا ہی سخت
اور صدمہ کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو رفتہ رفتہ خود بخود اس کا اثر مضمحل ہوتے ہوتے آخر کار محو ہو جاتا ہے
کبھی ہمارے باپ بھی مرے تھے ہم بھی ان کے فراق میں تمہاری طرح بہتیرا روئے

دھوئے غمگین اور اُداس رہے آخر بھول بسر گئے غرض انسان کو چار و ناچار صبر تو کرنا پڑتا ہے کیا کرے دیوار سے سر ٹکرا کر کوئیں میں گر کر افیون کھا کر حرام موت مر رہے، مگر اس کو صبر محمود نہیں کہتے صبر محمود وہی صبر ہے کہ نزولِ مصیبت کے وقت ہو جبکہ رنج دل کو نچوڑتا اور کلیجے کو کھرچتا ہے آنسو ہیں کہ نکلے چلے آتے ہیں اور سانس ہے کہ پیٹ میں نہیں سماتا وہ بندے کے لیئے سخت آزمائش کا وقت ہے معاذ اللہ اگر خدا کی شان میں شکایت کا کوئی کلمہ اُس کے منہ سے نکل گیا یا اُس کے دل میں خدا کی نسبت جلّ و علا شانہٗ بے رحمی یا بے انصافی کا خیال وسوسے کے طور پر بھی آگیا تو بس دنیا خراب عاقبت برباد خسر الدنیا والاخرۃ ذٰلک ھو الخسران المبین۔ متقی نے جو یہ باتیں عقل کی دین کی نصیحت کی بیان کیں تو بچاری پر ایسا اثر ہوا کہ گویا گرتی ہوئی دیوار کو ٹھونی لگا دی ڈوبتے ہوئے کو اُچھال کر کنارے پہنچایا مرجھاتے ہوئے درخت کو پانی دیا۔

آٹھویں فصل متقی کا مبتلا کے امور خانہ داری کی اصلاح میں کوشش کرنا

متقی کا ارادہ تو یہ تھا کہ کھائی سے ملکر ہفتہ عشرہ رہ کر رامپور روانہ ہوگا مگر سوچا کچھ اور ہوا کچھ۔ یہاں آکر دیکھا تو کھائی کو مرے ہوئے چھ مہینے ہو چکے تھے اور بھتیجے صاحب نے وہ اودھم مچا رکھی تھی کہ خدا کی پناہ۔ دو تین مہینے بھی متقی کے پہنچنے میں دیر ہوتی تو تنخواہوں کا کرائے کا رہنے کے موروثی مکان کا خاندان کی عزت و آبرو کا بزرگوں کے نام و نمود کا سب کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ باپ کا بیمار پڑنا اور مبتلا کا مدرسے سے اٹھنا وہ دن اور آج کا دن اُس بندۂ خدا نے بھول کر بھی تو مدرسے کو یاد نہ کیا شروع شروع میں دو چار ہم جماعت بلانے کو آئے بعض مدرسوں نے بھی کہلا

بھیجا مبتلا کس کی سنتا تھا رخصت کی غیر حاضری ہوئی اور غیر حاضر ہونا تھا کہ تڑ سے نام کٹ گیا بیٹھے بٹھائے اچھا معقول وظیفہ کھویا اور بات کی بات میں آیندہ کی ساری امیدیں ایکدم سے منقطع ہوگئیں جن جن سرکاروں سے تنخواہیں مقرر تھیں ضرور تھا کہ بے ردی کرکے وارثوں کے نام اُن کا اجرا کرایا جائے مگر یہاں پیروی کرے تو مبتلا اور نہ کرے تو مبتلا اگر باپ کے مرنے پر مبتلا اِن سرکاروں میں جاتا تو جن سرکاروں کا جیسا دستور تھا کہیں سے ماتمی خلعت کہیں سے نقد کچھ نہ کچھ ملتا پر ملتا اور تنخواہ بھی کہیں سے پوری کہیں سے ادھوری جاری ہوتی ہی ہوتی مگر مبتلا کو اپنے مشاغل لایعنی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ اِن باتوں کو سوچے اور خلعت یا نقد یا تنخواہ کیلیے سرکاروں میں دَوڑ دھوپ کرے غرض جتنے معمولات تھے سب بند ہوگئے اب آمدنی کے نام سے تو رہ گیا کیا صرف کرایہ اول تو وہ تھا ہی کتنا مگر خیر جس قدر تھا اُس کا بھی یہ حال ہوا کہ کسی کے دو روپے دینے ہیں اُس نے مانگے نہ مہینا دیکھا نہ حساب نہ کتاب قلم اُٹھا کسی کرایہ دار کے نام چٹھی لکھ دی کہ اس کو دو روپے دیکر کرایہ میں مجرے کر لواؤ چٹھی والا کرایہ دار کے سر ہوا ہر چند وہ کہتا جاتا ہے کہ بھئی ابھی مہینا پورا نہیں ہوا یا میں نے اپنی گرہ سے مرمت کرائی ہے چٹھی والا ہے کہ ایک نہیں سنتا۔ کرایہ داروں نے دیکھا کہ الٰہی شہر میں ہزار ہا مکان اور لاکھوں دکانیں ہیں یہ چٹھی کا انوکھا اور نرالا دستور نہ دیکھا نہ سنا ایک میر صاحب تھے اللہ بخشے کہ ایک مہینے کا کرایہ دوسرے مہینے میں اور دوسرے کا تیسرے میں وصول ہوتا رہتا تھا بیچارے کبھی ایک سخن بھی تو زبان پر نہیں لائے اُنہی کے صاحبزادے ہیں کہ بے حساب بیٹھے بیٹھے چٹھیاں اُڑاتے ہیں گویا کوتوالی کے پروانے ہیں یا تھانے کے حکم نامے غرض اکثروں نے بے دل ہو کر مکان خالی کر دیئے اور اُٹھ کر کہیں

اور جاری ہے اور جائداد اس قدر بد نام ہو گئی کہ کوئی دوسرا کرایہ دار رُخ نہیں کرتا۔ مبتلا کے
ہاتھ لگ گیا تھا ماں کا زیور اُسی میں یہ تمام گُل چھرّے اُڑ رہے تھے۔ دولہن کے دو ہزار
کا زیور اُس مرحومہ کا تھا چھ مہینے میں سب خالصے لگ چکا اب مہینے سوا مہینے سے اُدھار
پر گزران تھی۔ میر متقی نے جو یہ حال بھائی کے گھر کا دیکھا تو کیونکر ممکن تھا کہ اُن لوگوں کو
ایسی حالت میں چھوڑ کر چلا جائے ناچار رامپور کا ارادہ سرِ دست فسخ کیا اور مبتلا کو بھی
ساتھ سرکاروں میں لیئے لیئے پڑا پھرا کسی کے کارپرداز سے ساز باز کی کسی کے داروغہ
کو جا گانٹھا سفارش کی جگہ سفارش پہنچائی اور سعی کے مقام پر سعی کرائی بعض جگہ اپنی
وجاہت سے کام نکالا اور جہاں موقع بن پڑا بھائی کے حسنِ خدمت پر زور ڈالا غرض کئی
مہینے کی دوا دوش سے اتنا تو ہوا کہ میر مہذب کے زمانِ حیات میں جتنی تنخواہیں تھیں
بلا کم و کاست پوری پوری کھل گئیں بلکہ بعض سیر چشم سرکاروں نے پچھلے چھ مہینے کی
چڑھی ہوئی تنخواہ بھی بلا وضعات دی میر متقی نے ایک پیش بینی یہ کی کہ جس قدر ذاتی تنخواہ تھی
یعنی بلا خدمت بطورِ مددِ معاش ملتی تھی اپنی بھانجی غیرت بیگم یعنی مبتلا کی بی بی کے نام
جاری کرائی اور تنخواہ مشروط الخدمت مبتلا کے نام اس میں مصلحت یہ تھی کہ بی بی کے آگے
مبتلا کی ذرا اگتی دبی رہے تنخواہوں کا پچھلا چڑھا ہوا روپیہ جس قدر ملا اُس سے مکانات
اور دکانات کی شکست ریخت کی درستی کرا کے کرایہ داروں کو بسا کر اُن کے سرخط بھی
آدھے کرائے کے مبتلا کے نام اور آدھے کے غیرت بیگم کے نام لکھوا دیئے میر مہذب
کے روزِ وفات سے آج تک بیوتات کا حساب بنیئے کے یہاں سے اُدھار چلا آتا تھا
حساب کر کے اُس کا قرضہ چکایا اور آئندہ کے لیئے اُچاپت کو مطلقاً بند کر کے یہ قاعدہ
باندھ دیا کہ جو چیز درکار ہو نقد بازار سے آجایا کرے۔

نویں فصل میر متقی بڑے بھانجے سید حاضر کو سمجھاتے ہیں کہ بہن کو محروم الارث کرو

غیرت بیگم کو بھائیوں نے مدت سے پدری سے محروم کر رکھا تھا اور کسکی مجال تھی کہ اُن بھڑوں کے چھتوں کو چھیڑے وہ اس بلا کے لوگ تھے کہ اگر نالش کی بھنک بھی اُن کے کان میں جا پڑتی تو کہاں کے ماموں اور کس کی بہن اور کیسا بہنوئی سب کی عزت کے لاگو ہو جاتے یہ ایک شعر جو مشہور ہے

ہر جا جمع سے آیند سادات		فسادات فسادات فسادات ہے	

کہتے ہیں کسی نے سید نگر والوں ہی کی شان میں کہا تھا اور میر متقی کو وہاں کے لوگوں کے ہتھکنڈے بخوبی معلوم تھے اور مخاصمانہ طور پر بھانجوں کے ساتھ پیش آنا اور اُن کے مقابلے میں مدّعی یا مدّعا علیہ ہونا گو بھانجی ہی کا حق طلب کرنے کے لیئے کیوں نہ ہو نہ ان کو شایاں تھا اور نہ غیرت بیگم کے حق میں مفید۔ سید نگر کے سب لوگ زمیندار اور رعایا یہانتک کہ خوش باش اس قدر مفسد تھے کہ جھوٹ بولنا جھوٹا حلف اُٹھا لینا جھوٹے گواہ جھوٹی رو داد اور جھوٹی دستاویزیں بنانا حاکم کو دھوکا دینا پرایا حق مار بیٹھنا لوگوں کو ناحق ستانا ان باتوں کو بڑا ہنر اور داخل ہوشیاری سمجھتے تھے اور جس طرح کوئی بڑا نامی جنرل اپنے دوستوں میں فخراً اپنی فتوحات کے واقعات کا بیان کرتا ہے یہ لوگ ہمیشہ دیوانی فوجداری کے مقدمات کے تذکرے کرتے رہتے تھے کوئی امیر اپنی مدح پر اتنا ناز نہ کرتا ہو گا جتنا اُن کو ڈگریوں اور فیصلوں پر تھا۔ اُن لوگوں کی نظروں میں میر متقی صوفی و فقیہ تھے مگر سادہ لوح اور سفیہ عالم و فاضل تھے مگر احمق و لایعقل۔ میر متقی کا چھوٹا بھانجا سید ناظر جو غیرت بیگم سے بھی عمر میں چھوٹا تھا کچہری دربار کا کام دیکھتا تھا اور تمام معاملات مقدمات اسی سے

متعلق تھے پس یہ گھر کا عقل کُل تھا۔ سید حاضر جو غیرت بیگم سے بڑا اور اکبر اولاد تھا سید نگر میں مکان کی خبر گیری کرتا تھا اور رعایا سے وصول تحصیل کرنا اور ریشیر کا مجتوانا بوانا غرض گاؤں کا سب کام کاج اس کو سپرد تھا۔ ماموں کا آنا سنکر سید نگر سے سید حاضر تو فوراً اگلے ہی دن آحاضر ہوا اور اُس نے اِس کا بھی انتظار نہ کیا کہ تعزیت کے لیے ماموں کی طرف سے تقدیم ہونی چاہیئے لیکن جب وہ واپس جانے لگا تو میر متقی اُسی کے ساتھ اداے رسم تعزیت کے لیئے سید نگر گئے ناظر وہاں نہ تھا معلوم نہیں کسی ضرورت سے غیر حاضر تھا یا قصداً ماموں کی آمد سُن کر ٹل گیا تھا۔ میر متقی نے بتقریب تعزیت جہاں اور بہت سی باتیں سید حاضر سے کیں اُن میں سے یہ بھی تھی کہ تم کو شروع سے خدا نے بڑا کیا کیونکہ تم بھائی صاحب مرحوم کی اولاد میں سب سے بڑے ہو لیکن تم پہلے صرف اُن کی نسل میں بڑے تھے اور اب خاندان اور برادری میں بھی بڑے ہو کیونکہ تمکو لوگ مرحوم کا جانشین سمجھتے ہیں اور تم اُن کے جانشین ہو بھی انسان کو خدا نے ایسے طور کا مخلوق بنایا ہے کہ تمدّن اُس کو لازم ہے جس طرح تمدّن اُس کے وجود کی شرط ہے کہ اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتے اور آدمی آدمی کے ساتھ ملکر نہ رہتا تو آگے کو اُنکی نسل نہ چلتی اسی طرح تمدّن انسان کی حیات بلکہ اس کی ممات کی بھی شرط ہے تمدّن نہ ہو تو انسان کی زندگی عذاب اور مرے پیچھے اُس کی مٹی خراب۔ تمدّن کی ضرورت سے آدمی دو دو چار چار دس دس پچاس پچاس سو سو ہزار ہزار لاکھ لاکھ اور اس سے بھی زیادہ زیادہ اکٹھے ہو کر رہتے ہیں اور خاندان اور قبیلے اور کنبے اور برادری اور گاؤں اور قصبے اور شہر اسی تمدّن کے مظاہر ہیں۔ تمدّن سے لوگوں میں انواع و اقسام کے باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں ماں باپ بیٹا بیٹی میاں بی بی بھائی بہن اور جتنے طور کے دور و نزدیک

کے رشتہ دار ہیں اور ہمسایہ اور ہم وطن اور حاکم و محکوم اور بادشاہ و رعایا اور استاد اور شاگرد اور آقا اور نوکر اور افسر اور ماتحت اور زمیندار اور کاشتکار اور بائع اور خریدار وغیرہ یہ سب نام ہیں لوگوں کے باہمی تعلقات کے ہر تعلق کے ساتھ کچھ حقوق ہوتے ہیں اور کچھ ذمہ داریاں مثلاً باپ اور بیٹے میں ایک طرح کا تعلق ہے باپ کا حق ہے کہ بیٹا اس کا ادب کرے اس کا حکم مانے اور اس کی ذمہ داری یا بعبارت دیگر اس کا فرض یہ ہے کہ بیٹے کو شفقت کے ساتھ پالے تربیت کرے پڑھائے لکھائے ہنر سکھائے جو اس کے کام آئے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ تمدن کے حقوق اور فرائض میں اکثر بلکہ سب کے سب اِلّا ماشاءاللہ مطفف ہیں مطفف عربی میں کہتے ہیں اس شخص کو کہ اپنا لینا ہو تو جھکتی ہوئی تول لے اور دوسرے کا دینا ہو تو اڑتی ہوئی دے ایسے ہی لوگوں کی شان میں اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ افسوس ہے ڈنڈی ماروں پر کہ جب لوگوں سے ناپ کر لینا ہو تو پورا پورا لیں اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دینا پڑے تو اُن کو گھاٹا پہنچا ئیں کیا یہ لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ایک بڑا دن آنے والا ہے اور اُس دن ان کو مر کر اُٹھنا ہوگا اُس دن لوگ پروردگارِ عالَم کے روبرو کھڑے ہوں گے اسی طرح دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں اِلّا ماشاءاللہ جو اپنے حق میں سے کسی بھائی کو رتی بھر چھوڑ دے لینے میں تو ایسا سیانا اور سخت گیر اور دوسرے کے حقوق ضائع ہوں تلف ہوں کچھ پروا نہیں ذرا دل پر میل نہیں دینے میں ایسا گھر کا بھولا اور سریہ۔ اس کشمکش اور مفسدے کے روکنے

کے لیئے اللہ جلّ شانہ نے دوہرے دوہرے انتظام کیئے ایک سلطنت ظاہری کہ بادشاہ ہے
اور اس کے پاس فوج ہے اور توپ ہے، اور تلوار ہے اور قید ہے اور پولیس ہے اور حاکموں
کا ایک گروہ ہے اور جلاد ہے اور جیلخانہ ہے اور بید ہے اور تازیانہ ہے اس انتظام کے
تفصیلی حالات تم کو مجھ سے بہتر معلوم ہیں دوسری ایک سلطنتِ الٰہی ہے جس کو دین
یا مذہب یا شرع کہتے ہیں اس میں توپ کا نام نہیں تلوار کا کام نہیں اعوان و انصار نہیں
فوج اور سپاہ درکار نہیں مگر دنیا میں جس قدر امن و چین عافیت ہے اسی الٰہی سلطنت کی
بدولت ہے، ظاہر بیں اور کوتاہ بیں ایسا سمجھتے ہیں کہ دنیا کا سارا انتظام حکّام ظاہر کرتے
ہیں استغفر اللہ نہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں ملک کی ساری پلٹنیں کالوں کی اور
گوروں کی اور سارے رسالے اور سارے توپخانے اور سارے پولیس کے ملازم
اور سارے حاکم سب کے مجموعے کو ملک کی مردم شماری پر پھیلا کر دیکھو تو کیا پڑتا پڑتا ہے
اگرچہ دس ہزار باشندوں پر ایک کا پڑتا بھی نہیں بیٹھے گا مگر فرض کرو کہ دس ہزار پیچھے
ایک تو کیا یہ بات سمجھ میں آنے کی ہے کہ ایک متنفس دس ہزار آدمی کے ضبط پر قادر ہو، آدمی
تو آدمی اگر دس ہزار گدھے یا دس ہزار بھیڑ بکری بھی ہوں تو ایک چرواہا اُن کو ایک
جگہ کھڑا نہیں رکھ سکتا نہ یہ کہ اُن کو جس کروٹ اٹھائے اٹھیں اور جس کروٹ بٹھائے
بیٹھیں ہاں شاید تمہارے دل میں یہ بات خطور کرے گی کہ حاکم ایک کو سزا دیتا ہے تو دس ہزار
کو عبرت ہوتی ہے لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ جن کو سزا ہوتی انھیں کو کیا عبرت ہوتی
کہ دوسروں کو ہوتی ہم نے تو یوں سنا ہے خدا جانے جھوٹ یا سچ کہ بدمعاش لوگ اول
تو گرفت ہی میں نہیں آتے اور اگر کوئی شامت کا مارا قضارا ماخوذ بھی ہوا تو سیدنگر والے
(وکیل مختار) اُس کو سزا نہیں ہونے دیتے اور سزا بھی ہوئی تو اُن کی عبرت اس سے

ظاہر ہے کہ چھوٹتے ہیں تو دوسرے قیدیوں کو وصیت کر آتے ہیں کہ دیکھنا بھائی میرے
چوٹھے کو ہاتھ نہ لگانا مہینا پورا نہیں ہونے پائے گا کہ میں پھر آتا ہوں۔ ہم کو تو کبھی اتفاق
نہیں ہوا اور خدا نہ کرے کہ ہو مگر اخباروں میں اکثر دیکھا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں
خونی کو فلاں تاریخ فلاں وقت پھانسی دی گئی دو ہزار آدمیوں کی بھیڑ تھی۔ عبرت ہو تو
ایسی ہو۔ یہ سب نالائق تماشائی تھے اور سنگدل قصائی۔ اس کے علاوہ ایک بدیہی دلیل
ایسی ہے کہ اس سے تو تم کو میری بات کا پورا تیقن ہو جائیگا۔ یہ ہلواہا جو بیلوں کو تھان
سے کھولکر لیئے جا رہا ہے اس کا کیا نام ہے۔ حاضر۔ اس کا نام غریبا۔ متقی۔ ذرا اسکو بلانا
حاضر نے بلایا تو اس نے ہل کو کندھے پر سے اتار کر وہیں رکھ دیا اور اسی ہل سے
بیلوں کو اٹکا سامنے آ کھڑا ہوا۔ متقی۔ کیوں میاں تمہارا کیا نام ہے۔ غریبا۔ میاں مجکو غریبا
کہتے ہیں۔ متقی۔ کون ذات ہو۔ غریبا۔ گوجر۔ متقی۔ تم کتنی کھیتی کرتے ہو۔ غریبا۔ میری کھیتی
الگ نہیں (سید حاضر کی طرف اشارہ کرکے) ہاجر (حاضر) میاں کا ہلواہا ہوں اور کھاد
میں ایک دو بیگھے کا کھیت بھوبالو بنئے کا ہے اُس میں ادھوار کا بانٹیہ دار ہوں۔ متقی۔
بال بچے کتنے ہیں۔ غریبا۔ (مسکرا کر) بھگوان کی بڑی کرپا ہے۔ آٹھ۔ متقی۔ کسی کا بیاہ برات
بھی کیا ہے۔ غریبا۔ ابھی سب نیدان ہیں۔ متقی۔ اتنے کنبے میں کیونکر گزرتی ہوگی۔ غریبا۔
ہاجر (حاضر) میاں کی دیا سے روکھی سوکھی مستی کُتی دو وخت نہیں تو ایک وخت مل ہی
جاتی ہے۔ چھوٹے بڑے انہی کی ٹہل میں لگے رہتے ہیں یہی سب کو پالتے ہیں۔
بھینڑ سے بڑی سہاتیا رہتی ہے۔ متقی۔ (اشارے سے غریبا کو پاس بلا کر آہستہ سے) کیوں
بے آجکل تو کھلیان تیار ہیں رات بے رات موقع پا کر کھلیان پیچھے دو دو ڈولی بھی اٹھا
لائے تو کسی کو کیا معلوم اور مزے میں تیرا کام ہو جائے۔ غریبا۔ (دور ہٹ کر) نا میاں

بھگوان بُرا کرم نہ کرائے ۔ متقی ۔ کیوں کیا جاگا جو کی واسطے ڈرتا ہے اُس کو ہم
سمجھا دینگے ۔ عزیا ۔ جاگا ۔ (گالی) کہاں کا سورما ہے ایک ڈپٹ بتاؤں تو (گالی) دھوتی
میں ...... پر نہیں بُرا کام بُرا ہی ہے ۔ متقی ۔ ایسے مسخرے کسی کو کانوں کان تو خبر ہونے
کی نہیں یہ اچھا ہے کہ تن پہ چیتھڑا نہیں پیٹ کو ٹکڑا نہیں ۔ عزیا ۔ مالک[1] بڑا مت
دیکھو بھگوان سے تو کچھ چھپا نہیں اس کے بعد متقی نے استمالت کی دو چار باتیں
کر کے عزیا کو تو رخصت کیا اور سید حاضر سے کہا کیوں صاحب آپ نے دیکھا یہی انتظام
الٰہی ہے کہ یہ بیچارہ نہ تو پڑھا اور نہ لکھا اور نہ شاید ساری عمر کسی پنڈت برہمن کی
صحبت میں بیٹھا ضرورت اس درجے کی کہ اگر سچ پوچھیے تو فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ[2]
کا مصداق ہے اندیشۂ پاسبان سے مطمئن اور اس پر چوری کو سمجھتا ہے کہ بُرا کام ہے
اصل میں بُرا سمجھنا اس کو چوری کے ارتکاب کا مانع ہے اور یہ سمجھ یعنے بُرے بھلے
کا امتیاز جو خدا نے مرد عورت لڑکے جوان بوڑھے خواندہ ناخواندہ ذہین غبی شہری
دیہاتی سب بنی آدم کو علیٰ قدر مراتب دیا ہے ایک پاسبانِ الٰہی ہے جو ہر ایک پر مسلط ہے
اس کو کراماً کاتبین کہو یا نفسِ لوّامہ[3] سمجھو یا جن الفاظ سے چاہو تعبیر کرو میرا عقیدہ تو یہ
ہے کہ جرموں کا انسداد لاکھ حصے سلطنتِ الٰہی کی تاثیر سے ہے تو شاید ایک حصے حکومت
ظاہری کی تدابیر سے حکومتِ ظاہری میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ حاکم کیسا ہی منصف
کیوں نہ ہو چونکہ اس کو معاملے کی اصل حقیقت تو آگہی ہوتی نہیں ناچار اُسے روداد
کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور روداد کی کیفیت تو کوئی ہمارے سید نگری بھائیوں سے

لہ یعنی [illegible] خدا [illegible] ۱۲
ٹلہ قرآن [illegible] ۱۲
ٹلہ [illegible] ۱۲

پوچھے کہ کہو تو مکھی کو بھینسا بنا دیں اور فرماؤ تو بھینسے کو مچھر بنا کر اُڑا دیں پس حاکم ظاہری
کبھی پورا پورا انصاف کر ہی نہیں سکتا۔ اِس کا فیصلہ اندھے کی لاٹھی ہی لگی لگی نہ لگی
نہ لگی برخلاف سلطنتِ الٰہی کے اُس کا نشانہ ممکن نہیں کہ خطا کرے۔ اُس کا مجرم ہو
نہیں سکتا کہ سزا سے بچ جائے کس کی مجال ہے کہ اُس کی ڈگری کو روکے کس
کی طاقت ہے کہ اُس کے حکم کو ٹالے۔ اگرچہ خدائی فیصلوں کے لیے ایک دن مقرر
ہے یعنی روزِ قیامت کہ اُس دن اللہ جلّ و علا شانہٗ عدل و انصاف کے تخت پر
اجلاس فرمائے گا اور نیک اور بد اور سخی اور سوم اور ظالم اور مظلوم سب کا اخیر چکوتہ
کر دے گا۔ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ مگر کبھی مصلحتِ الٰہی اس کی بھی
مقتضی ہوتی ہے کہ اسی دنیا میں بدلا مل جاتا ہے۔ یہی سید نگر ہے کہ اب کے بہت
زیادہ دور بھی نہیں شاید بیس برس پہلے دس بارہ ہاتھی سادات کے دروازوں پر
کھڑے جھولتے تھے اور اُنکی سخاوت اور داد و دہش اور مہمان نوازی اور مسافر پروری کی
کیا شہرت تھی کہ کربلا اور بغداد اور حرمین اور نجف اور کاظمین تک کے زوار ہر سال نام
سُن کر آتے تھے میں اُن دنوں اچھا خاصہ ہوشیار تھا مجھ کو اب تک یاد ہے کہ اس
بڑی مسجد میں دو ڈھائی سو طالب العلم رہتے تھے اور یہیں کے سادات اُن کے کھانے
کپڑے کتاب سب چیزوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ طالب العلموں کے پڑھانے کے لیے
بیش قرار تنخواہوں کے پانچ یا چھ اچھے جیّد حافظ اور مولوی نوکر تھے سارے مہینے رمضان
کے اور دس دن محرم کے غربا اور مساکین کیلیے اس قدر کھانے پکتے تھے کہ اُس کا
ٹھیک اندازہ کرنا مشکل ہے بارہ کوس کے گردے کی تمام خلقت ٹوٹتی تھی اور کیا انہیں کی
برکت تھی کہ ہزار دو ہزار یا پانچ ہزار جتنے آدمی ہوتے ہر شخص کو دو خمیری روٹیاں ایک پیالہ

ع ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں

قلیے کا اور ایک خوانچہ کھیر کا وقت پر پہنچ جاتا۔ میر بابا صاحب کا گھر اُن دنوں سب میں بڑھا چڑھا تھا۔ ان کا حال سنا ہے کہ دونو وقت گنے ہوئے پورے سو آدمی دسترخوان پر میر صاحب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور کیسی خدا کی مہربانی تھی کہ گلی میں دیکھو تو گوڑیوں لڑکے۔ سید نگر میں کبھی کسی سیدانی کو بانجھ اور چھے سے کم کسی کے بچے سننے میں نہیں آئے غلہ ہمیشہ ارزاں عام بیماری یا وَبا کبھی سید نگر کے سوانے میں داخل نہیں ہوئی۔ یکایک گوجروں سے سوانے کی تکرار ہوئی لٹھ چلا طرفین سے آدمی مارے گئے بس اُس دن سے سید نگر پر تباہی آئی۔ یوں تو سادات اور گوجروں میں سدا سے چھیڑ چھاڑ ہوتی ہی چلی آتی تھی۔ مگر اس مقدمے میں سادات سراسر برسر ناحق تھے۔ ہمیشہ سے سید نگر کا سوانا اُس تیس ہزاری باغ کی مشرقی کھائی تھی یہ باغ عین سوانے پر اسی غرض سے لگایا گیا تھا کہ گوجر حد سے متجاوز نہ ہوں تکرار اتنی ذرا سی بات پر ہوئی کہ میر بابا کے بڑے بیٹے میر مقتدر کے سائیسوں نے گوجروں کی رکھانت گھانس باغ کے پورب کاٹنی شروع کی گوجروں نے مزاحمت کی بہانہ تک کہ داتا سنگھ نے جو گوجروں کا سرگروہ اور میر بابا کا مدِمقابل تھا اپنا خاص کارندہ میر بابا کے پاس بھیجا وہ کارندہ میر صاحب تک پہنچنے نہیں پایا کہ بیچ ہی میں میر مقتدر نے اُس کو بہت کچھ سخت وسست کہا اور حق وناحق ہزاروں گالیاں داتا سنگھ کو دیں میر مقتدر بڑے غصیلے اور بڑے ظالم اور بڑے سخت گیر اور بڑے جابر مشہور تھے کہتے ہیں کہ دو تین خون اُن کے ہاتھ سے ہوئے مگر دب دبا گئے انہوں نے ظلماً کتنے بھلے آدمیوں کی ناموس بگاڑی اور عزت ریزی کی۔ میر بابا کے خاندان میں جو سید لوگ ناطہ نہیں کرتے اصل میں اس کا سبب یہی ہے کہ میر مقتدر نے بلا امتیاز بہت سی عورتوں کو جبراً گھر میں ڈال لیا تھا کوئی ہندنی تھی کوئی چماری کوئی گوجرنی غرض

میر مقتدر کے بعد سے اُن کے خاندان کے نسب کا اعتبار اُٹھ گیا۔ بیٹے کے زور وظلم نے میر بابا
کی تمام نیکیوں کو بے قدر کر رکھا تھا نہیں معلوم دیدہ و دانستہ بیٹے کی حرکات ناشائستہ
سے چشم پوشی کرتے تھے یا واقع میں مقتدر پر ان کا کچھ اقتدار نہ تھا۔ میر مقتدر کا
تمام علاقے میں ایسا زلزلہ تھا کہ کوئی بھلا آدمی سید نگر کی تھانہ داری پر آنے کیلئے
رضامند نہیں ہوتا تھا مجبور کیا جاتا تو نوکری سے استعفا دیتا مگر ادھر کا رخ نہ کرتا میں
ایسا خیال کرتا ہوں کہ سید نگر کو مقتدر کے ظلموں نے تباہ کیا اور نزاع سوالنے کا ایک
بہانہ تھا جب مقتدر نے داتا سنگھ کے کارندے کو بُرا بھلا کہا اور اُس کے مالک کو
علی رؤس الاشہاد مغلظات سنائیں وہ بیچارہ اپنا سا مُنہ لے کر لوٹ گیا اور داتا سنگھ
کے آگے جا کر اپنی پگڑی زمین پر دے ماری اور کہا کہ تم نے مجھ کو بے عزت کرایا
اور خود بھی بے عزت ہوئے آج میر بابا کے بیٹے نے بھری کچہری میں مجھ کو اور تمکو
دونوں کو فضیحت کیا اور ایسی ایسی گالیاں دیں کہ کوئی چمار کو بھی نہیں دیتا۔ داتا سنگھ
بڑی غیرت اور بڑے طنطنے کا آدمی تھا اور کسی بات میں میر بابا سے ہیٹا نہ تھا سُن کر لال
ہو گیا اور کہا کہ اس مسلمان کے چھوکرے کا اتنا مقدور خیر اب لڑائی ہے تو لڑائی ہی سہی
داتا سنگھ کے مُنہ سے اتنی بات کا نکلنا تھا کہ ڈیڑھ دو ہزار گوجر بھاری بھاری لٹھ
کندھوں پر دھر دھر کھانٹ پر جا موجود ہوئے۔ میر صاحب کے گھسیارے اُن کو
دور سے دیکھ بھاگ کھڑے ہوئے سید نگر میں خبر ہوئی ادھر سے لشکر سادات
نکلا دوپہر کامل لٹھ چلا دونوں طرف دو دو سو آدمی زخمی ہوئے۔ چار گھڑی رات جاتے
جاتے سرکاری فوج توپ لے کر آ پہنچی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تحقیقات ہونے
لگی اور نتیجہ یہ ہوا۔

	قید		قصاص
	دائم الحبس	میعادی	
گوجر	۵	۵۱	۷
سادات	۲۲	۱۰۱	۱۸

ہنگاموں اور خانہ جنگیوں میں اکثر سزا کا پلّہ دونو طرف برابر رہتا ہے مگر سیدوں سے بڑا غضب یہ کیا کہ اِدھر تو سوالے پر لڑائی ہو رہی تھی اُدھر ڈھائی تین سو آدمی سیدنگر سے نکل کنٹی کاٹ گوجرا پور میں جا گھسے اور وہاں گوجروں کے مندروں کو توڑا پھوڑا عورتوں کو بے عزت کیا یوں سیدوں کی طرف سے زیادتی بہت ہوئی اور سزا بھی بہتوں نے پائی میر بابا نے تو جس وقت سرکاری فوج کا آنا سنا اسی وقت زہر کھا کر مر رہے میر مقتدر کسی تدبیر سے بھاگ نکلے گھر بار ضبط ہوا اسباب نیلام ہوا بیٹوں میں تین یا چار نابالغ بچے تھے وہ تو بچے دو نے پھانسی پائی اور دو کالے پانی بھیجے گئے میر مقتدر کے لیے پانسو روپے کا اشتہار رہا مگر پکڑے نہ گئے رفیق اُن کا ایک خانہ پرورد اُن کے ساتھ بھاگا دس بارہ برس بعد اکیلا واپس آیا بڑا نمازی بڑا پرہیزگار وہ بیان کرتا تھا اُن کی مصیبتیں کہ سُن کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے کہتا تھا کہ آخر کار کسی مقام پر بغداد کے علاقے میں میر مقتدر مرضِ موت میں مبتلا ہوئے مگر ایسی سختی کی موت ہم نے تو دیکھی کیا سُنی بھی نہیں پورے پندرہ دن بول و براز بند تھا نہ مسہل اثر کرتا تھا نہ حقنہ نہ پچکاری دن اور رات مچھلی کی طرح تڑپتے تھے اور کسی وقت تالو سے زبان نہیں لگتی تھی بول و براز کے بند ہونے سے مادّے میں سمیت پیدا ہوئی اور سمیت ظاہرِ جلد تک پھوٹ پڑی باوجودے کہ نہایت گورے چٹے آدمی تھے اور ان مصیبتوں میں بھی ایرانی معلوم ہوتے تھے سمیت کی وجہ سے سارا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے سیتاب اور سوزش اس بلا کی کہ جیسے

میں لوٹے لوٹے پھرتے تھے مگر ایک لمحہ قرار نہ تھا۔ سُنے سے سات دن پہلے نہیں معلوم کیا بات تھی بیہوشی میں وطن کے لوگوں کے نام لے لے کر کہتے تھے فلانا مجھکو مارے ڈالتا ہے فلانا گرم سیخیں میرے پیٹ میں بھونکتا ہے فلانا مجھکو تنور میں دھکا دیتا ہے فلانا میری کھال کھینچتا ہے رفیق کا مقولہ یہ تھا کہ جن لوگوں کے وہ نام لیتے تھے وہ تھے جن پر انہوں نے ظلم کیے تھے۔ رفیق یہ دیکھکر اس قدر مرعوب ہوا کہ گویا اُسی دن سے اس نے ترکِ دنیا کیا۔ غرض وہ کمبخت سوا لے کا مقدمہ کیا ہوا تھا کہ سید نگر کے حصے کی قیامت آگئی آبرو اور جان اور مال کا جو نقصان ہوا تھا سو ہوا تھا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ سادات سے خیر بالکل اُٹھ گئی۔ اب اس نواح میں سید کے معنے ہیں مفسد لڑاکو۔ جھگڑالو۔ مردم آزار۔ جھوٹا۔ جعلساز۔ مفتری۔ فتنہ پرواز۔ اور واقع میں لوگوں کے افعال اور معاملات پر نظر کرتے ہیں تو جس قدر بدنامی ہو رہی ہے اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ گو جیروں کے ساتھ لڑنے کا مزہ چکھ چکے تھے چاہیے تھا کہ لڑائی کے پاس نہ پھٹکتے مگر اُلٹا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ بھائی بھائی سے لڑنے لگا باپ بیٹے سے بیٹا ماں سے میاں بی بی سے پڑوسی پڑوسی سے حصہ دار حصہ دار سے زمیندار کاشتکار سے گویا لڑائی ان کے خمیر میں داخل ہو گیا ہے لڑے ان کو نیند نہیں آتی یا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ شرافت نجابت کے دعوے اتنے لمبے چوڑے کہ کسی کو اپنا کفو نہیں سمجھتے مگر معاملات ایسے کہ پاجی سے پاجی کو شرم آئے اور کمینے سے کمینے کو عار۔ سید نگر کی کھیوٹ نکالکر دیکھو چھٹا عورتوں کے نام ہیں کسی کی جورو کسی کی بیٹی کسی کی بہن دیوانی و فوجداری میں مہر اور نان و نفقہ اور طلاق کے جتنے مقدمے ایک سید نگر کے ہوں گے شاید ساری لفٹنٹی کے نہ ہوں۔ مگر ان تمام فسادات کے نتیجے کیا ہیں تم لوگوں کے گھروں

میں ستامپ کے بڑے بڑے پشتارے بہت نکلینگے بیبیوں کے جسم پر چاندی کا تار نہیں باوجودیکہ دیہاتی پہناوا ہی گٹھڑی میں سلیقے کا کوئی کپڑا نہیں جوار باجرا سانوان کودون جو کچھ سیر میں پیدا ہوا اُسی پر تمہاری گزران ہی۔ تمہارا علاقہ شہد کی مکھیوں کا چھتا ہے جتنے پیدا ہوتے گئے اُسی میں بھرتے گئے۔ میں اگر تمہارے علاقے کا مہتمم بندوبست ہوتا تو بیگہ بسوا بسوانسی کچوانسی سب موقوف کر کے کسور اعشاریہ میں تمہارا کھیوٹ بناتا یہ حال تو تمہاری حصہ داریوں کا ہو گیا ہی اس پر طرہ یہ ہی کہ جس حصے کو دیکھیے کثرت انتقالات سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ایک کباب ہے اور اُس میں ہزارہا چیونٹیاں۔ سیدزادوں کو دیکھا تو اس سرے سے اُس سرے تک ایک ہوشیار نہیں کسی میں آیندہ کی فلاح کے آثار نہیں۔ یہ وبال یہ نکبت یہ ذلت یہ افلاس سب تمہارے ہی اعمال کی سزا ہی اور اگر یہ پوری سزا ہوتی تو تم سستے چھوٹ گئے تھے یقین جانو سزا نہیں ہے بلکہ تمہید سزا۔ جب سزا کا وقت آئیگا تو یہ تمہارا قانون اور قاعدہ کچھ نہیں پوچھا جائیگا۔ حقوق کے متعلق ایک بات اور ہے جس کو میں چاہتا ہوں کہ تم اُس کی طرف زیادہ توجہ کرو وہ یہ ہی کہ انسان کے ذمے دو طرح کے حقوق ہیں حقوق اللہ و حقوق العباد۔ لوگ حقوق العباد کی نسبت بڑی غلطی میں پڑے ہیں اور اُن کو آسان سمجھ لیا ہی حالانکہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اگر کسی آدمی سے اللہ کے حقوق ضائع ہوں اور سبھی سے ہوتے ہیں تو بندے کا خدا سے کیا مقابلہ حقوقِ الٰہی کا ضیاع اکثر سہو اور غفلت اور نادانی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور امید ہی کہ خداوند غفور و رحیم بندوں کے ضعف پر نظر فرما کر اُن کے قصور معاف کیے ہے اور کریگا مگر حقوق العباد کا یہ حال نہیں ہی اُس میں ایک بندہ زور سے ظلم سے ہیکڑی سے زبردستی سے دوسرے بندے کو ستاتا اُس کا دل دکھاتا اُس کو ایذا پہنچاتا ہی اور اس قصور کا معاف کرنا نہ کرنا

اُسی بندۂ مظلوم کے اختیار میں ہے مگر انصاف کرو دنیا میں کتنے لوگ اِس کی پرواہ کرتے ہیں۔ لاکھوں مظلمے ہیں جنکو بندگانِ خدا مرتے وقت اپنے سروں پر لاد کر لے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دین کو کھیل اور مذہب کو ہنسی سمجھ رکھا ہے منہ سے کہتے ہیں کہ مرنا برحق نکیرین کے ساتھ سوال وجواب کا ہونا برحق عذابِ قبر برحق قیامت برحق مرے بعد پھر زندہ ہونا برحق رتی رتی کا حساب دینا برحق جنت برحق دوزخ برحق اور کردار حق ہٹھو۔ سید حاضر مجھ میں تم میں قرابت کا ایک تعلق ہے اور جیسا میں نے تمسے کہا تعلق سے پیدا ہوتے ہیں حقوق اور فرائض میں اس کو اپنا فرضِ تعلق سمجھتا تھا کہ تمھارے فرائض کو تم پر بالاجمال ظاہر کردوں سو میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ کہہ کر متقی بھانجے سے رخصت ہوا اور چلتے چلتے کہہ گیا کہ افسوس ہی سید ناظر سے ملاقات نہوئی ان شاء اللہ پھر کسی دن آؤنگا میر متقی نے اچھے خاصے پہر سوا پہر سید حاضر کے ساتھ باتیں کیں اس تمام وقت میں سید حاضر کا یہ حال تھا کہ ماموں کے منہ پر اُسکی ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی اور ہمہ تن گوش ہو کر انکی باتوں میں مستغرق تھا جو لفظ ماموں کے منہ سے نکلتا اُس کے دل میں کالنقش فی الحجر بیٹھتا چلا جاتا۔ حاضر کے کان ایسی باتوں سے مطلق آشنا نہ تھے اُس پر میر متقی کا بیان کہ گویا ایک دریا ہے کہ موجیں مار رہا ہے یا ریل ہے کہ فی گھنٹہ سو میل کی رفتار سے دَوڑ رہی ہے یا بھری برسات میں ساون بھادوں کا بادل ہو کہ اُمڈا چلا آرہا ہے اور پھر باتیں کھری سچی ستھری جن میں ذرا اونچ نیچ نہیں دنیا کے فائدوں کی ضامن دین کی درستی کی کفیل بھلائی کی صلاح بہتری کا مشورہ سید حاضر بُت کی طرح چپ بیٹھا سنتا رہا اگرچہ گاؤں کا کام کاج کرتا تھا مگر کونسا گاؤں سید نگر جہاں کے پرچونیے بنیوں کا کے سنکمی کاشتکار تعلقہ داروں کے۔ جاہلِ محض لیاقت شعاروں کے۔ اہلِ مقدمہ وکیل

مختاروں کے کان کترتے تھے مگر متقی نے اتنا کچھ کہا اور سید حاضر سے چوں کرتے نہ بن پڑی

دسویں فصل سید حاضر کا میر متقی کے وعظ سے متاثر اور متنبہ ہو کر بہن کو اُس کا حق دینے پر آمادہ ہونا اور دونوں بھائیوں کی اسی بابت پر باہمی رنجش

میر متقی کے چلے جانیکے بعد بھی سید حاضر دیر تک سکتے کے عالم میں تھا اپنے یہاں کے معاملات میں سے جس معاملے پر نظر کرتا تھا کسی کو دخلِ فساد سے اتلافِ حقوق العباد سے خالی نہیں پاتا تھا جن باتوں پر اُس کو بڑا ناز تھا اب اُس کی نظر میں نہایت ذلیل و اوچھے پن کی دلیل معلوم ہوتی تھیں۔ وہ گھبرایا ہوا اکیلا دالان میں ٹہل رہا تھا اور اس قدر بے قرار تھا کہ جاڑے کے دن اور شام کا وقت اُس کو پسینے پر پسینے چلے آتے تھے اور دیکھتا تھا کہ کھانا اور پینا اور اوڑھنا اور بچھونا اور ساز و سامان اور مال و متاع اور نقد و جنس حتے کہ اپنا گوشت پوست کوئی چیز بھی لوثِ حرمت سے پاک نہیں پاتا تھا کہ بد کرداری اور بد معاملگی ہماری برادری اور ہمارے خاندان میں ابًا عن جدٍ[1] چلی آتی ہے۔ اگرچہ حاضر و ناظر دونوں باپ کے مرنے سے معاملات کرنے لگے تھے مگر حاضر نے احتساب کیا تو اتنے ہی دنوں میں صدہا مظلمے اُن کے نامۂ اعمال پر چڑھ چکے تھے اور اُن میں اکثر ایسے تھے جن کا تدارک محال تھا اور تلافی ناممکن۔ ہم کو حاضر کی اتنی ہی بات سے تعلق ہے کہ جہاں اُس کو اپنے وقت کے اور بہت سے معاملے یاد آئے اُن میں سے ایک معاملہ غیرۃ بیگم کا بھی تھا اگرچہ غیرۃ بیگم کے معاملے میں ابتدائ

[1] یعنے یہ بطور میراث باپ دادا سے متوارث چلی آتی ہے ۱۲

تحریک ناظر کی طرف سے ہوئی اور اسی کو اس میں زیادہ اصرار بھی تھا مگر پھر بھی حاضر کا اتنا قصور تو تھا کہ بڑا بھائی ہو کر اس نے ناظر کو سمجھایا نہیں غیرۃ بیگم کا خیال آتا تھا۔ کہ فوراً گھوڑا کسوا سوار ہو راتوں رات شہر میں ناظر کے مکان پر جا دستک دی اگلے دن کسی مقدمے کی پیشی تھی اور ناظر آدھی رات تک گواہوں کی تعلیم اور کاغذات کی درستی میں مصروف تھا ابھی اچھی طرح نیند بھری نہ تھی کہ بھائی کی آواز سنکر چونک پڑا اور لگا پوچھنے خیر تو ہے آپ ایسے سویرے کیونکر آئے۔ حاضر خیر ہے تم باطمینان وقتی ضرورتوں سے فارغ ہو لو تو میں اپنے آنے کی وجہ بیان کروں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب دونوں بھائی یکجا ہوئے تو حاضر نے پوچھا چھوٹے ماموں آئے ہیں تم ان سے ملے۔ ناظر۔ ماموں کا آنا تو مجھ کو معلوم ہوا مگر میں ملا نہیں اور ملنے کا ارادہ بھی نہیں۔ حاضر۔ کیوں۔ ناظر۔ میں جانتا ہوں وہ آپا کا جھگڑا ضرور نکالینگے اور مجھ کو کسی طرح آپا کا حصّہ دینا منظور نہیں بے فائدہ باتوں ہی باتوں میں تکرار ہو پڑیگی حاضر۔ کیوں بیچاری غیرت نے ایسا قصور کیا کیا ہے کیا وہ ہماری حقیقی بہن اور متروکہ پدری میں عنداللہ اور عندالرسول حقدار نہیں ہے۔ حاضر کے منہ سے یہ سوال سنکر ناظر کے کان کھڑے ہوئے آدمی تھا معاملہ فہم معاملہ شناس فوراً تاڑ گیا کہ بھائی ماموں سے ملے اور ماموں نے پٹی پڑھائی تو کہتا کیا ہے کہ اگر ماموں کوئی فتوے لکھ سے لکھوا کر لائے ہوں تو اس کو اپنی قدوری میں چپکا رکھیں انکو شاید یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہاں شریف مکّہ کا حکم نہیں چلتا انگریز بہادر کی عملداری ہے۔ میں انکی جستجو میں پریوی کونسل اور عدالتہائے عالیہ ہائیکورٹ اور چیف کورٹ اور جوڈیشل کمشنر کے فیصلوں اور میکناٹن اور سر ہنری لا کی شرع محمدی سے وہ وہ نظائر اور احکام چھانٹ کر رکھے ہیں

کہ اگر آپا سے جہیز واپس نہ کرالوں تو سید نہیں چمار۔ حاضر کو بھی بھائی کی اس قدر خشونت[1]
دیکھکر نہایت استعجاب[2] ہوا کیونکہ اُس نے آجتک حاضر کے روبرو ایسی شوخ چشمی کے
ساتھ کبھی بات نہیں کی تھی اور بولا کہ تم ماموں سے ناحق بدگمان ہوتے ہو میں اُن سے
ملا بے شک اور وہ تعزیت کے لیے سید نگر تشریف لیے گئے بلا شبہہ مگر غیرت بیگم کا نام تک اُن
بیچارے نے نہیں لیا اور افسوس ہے کہ تمنے اُن کی شان میں خرد ہو کر اس قدر گستاخی
کی اور وہ بھی غائبانہ پس تم نے ایک بزرگ کا حق تلف کیا۔ ناظر۔ اُنہوں نے آپا کا نام
نہ لیا ہوگا الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ[3] اور فرض کیا کہ میں نے گستاخی کی تو قانون نے
صرف ایک ہی گستاخی کو جرم قرار دیا ہے یعنی حاکمِ عدالت کے ساتھ گستاخی کرنا جبکہ
وہ عدالت کا اجلاس کر رہا ہو اور ظاہر ہے کہ ماموں اُس کے مصداق نہیں ہو سکتے
ناظر کے اس جواب سے حاضر کو سید متقی کی اس بات کی تصدیق ہوئی کہ حکامِ ظاہر کے
انتظام سے پورے طور پر حقوق العباد کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ سید متقی کے وعظ
سے سید حاضر کے خیالات دفعۃً اس قدر متبدل ہو گئے تھے کہ دونوں بھائیوں میں
التیام کا ہونا محال تھا۔ ناظر اپنے اسی پرانے موروثی ڈھرے پر چلتا تھا کہ قانونی
گرفت بچا کر جہانتک اور جس طرح ممکن ہو اپنا فائدہ کرنا چاہیے کسی کا حق تلف ہو تو مضائقہ
نہیں کسیکا دل دُکھے تو پروا نہیں عاقبت تباہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور سید حاضر کو اب
اِس بلا کا اہتمام تھا کہ ایک غیبت کو بھی وہ اتلافِ حق سمجھا غرض یہ جو سنا کرتے تھے کہ
الدنیا والدین ضرتان[4]۔ یا ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں + این خیال ست و محال ست و جنوں
اب وہ مجھے حل ہوا کہ حقیقت میں وہ دنیا جو دین کی دشمن ہے اور اُس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی

[1] سختی ۱۲ [2] تعجب ۱۲ [3] یعنی بعض اوقات صراحت سے اشارہ زیادہ موثر ہوتا ہے ۱۲ [4] دنیا اور دین دو سوکنیں ہیں ۱۲

وہ یہ دنیا ہے کہ جیسی ناظر کی تھی جس میں حلال و حرام کا امتیاز نہیں جائز و ناجائز کا
تفرقہ نہیں خدا اور سول کا خوف نہیں روزِ قیامت کا اندیشہ نہیں۔ ناظر کی اتنی ہی
باتوں سے حاضر کو پورا تیقن ہو گیا کہ اُس کو سمجھانا یا اُس کے ساتھ بحث کرنا محض
بے سود اور لاحاصل ہے اُس پر قانون کی پھٹکار ہے اور اُس کے سر پر پڑھا ہوا جن سوار
اسلیئے زیادہ ردّ و کد مناسب سمجھ کر اُس نے دو ٹوک بات ناظر کو سنا دی کہ تم اس کو ماموں
کا اغوا سمجھو یا میرا احمق پن تو غیرت بیگم کا حق اب ایک لمحے کیلیئے بھی نہیں رکھ سکتا۔ ناظر
دیکھیئے ایسا کیجیئے گا تو مجھ سے آپ سے بگاڑ ہو جائیگا۔ حاضر۔ اگر اتنی ہی بات پر کہ میں
ایک حقدار کا حق مارنا نہیں چاہتا تم مجھ سے بگڑو تو تمہاری خوشی اگرچہ تمہارے
بگڑنے کا مجکو سخت افسوس ہوگا مگر اُس سے ہزار درجے زیادہ افسوس ہوگا اگر
غیرت بیگم کا حق غصباً میرے پاس رہے۔ ناظر۔ یہ آپاکی خصوصیۃ کیا ہے۔ حاضر۔ خصوصیۃ
پوچھو تو وہ ہماری حقیقی بہن ہے مگر ایصالِ حق کیلیئے اُسکی مطلق خصوصیت نہیں ان شاء اللہ
سب حقداروں کے ساتھ میں ایسا ہی معاملہ کرونگا۔ ناظر۔ تو آپ سیدھی بات یہی کیوں
نہیں کہتے کہ ترکِ دنیا پر آمادہ ہیں۔ حاضر۔ اگر مغصوبات کا واپس کر دینا تمہارے نزدیک
ترکِ دنیا ہے تو مجکو اس سے انکار نہیں۔ ناظر۔ بیٹھے بٹھائے یہ آپ کو ہوا کیا ہے پہلے تو
میں ماموں کو مولوی اور حاجی اور جیسا اُنکا نام ہے متقی سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تسخیر یا سحر
کے بھی عامل ہیں۔ حاضر۔ ماموں کی شان میں تمہاری طرف سے یہ دوسری گستاخی اور
دوسری غیبت اور دوسرا اتلافِ حق ہے۔ ناظر۔ میں آپ کو آگاہ کیئے دیتا ہوں کہ یہ گھر کی
تباہی کے سامان ہیں۔ حاضر۔ جس گھر کی آبادی دوسروں کے حقوق کے غصب کرنے پر موقوف
ہو اُس کا تباہ ہونا ہی بہتر ہے۔ ناظر۔ آپنے انجامِ کار پر بھی نظر کر لی ہے۔ حاضر۔ انجامِ کار پر نظر

کرنا ہی مجکو تو اس ارادے کا باعث ہوا ہے۔ ناظر۔ تو آپ مجھکو بھی اپنے ساتھ برباد کرتے ہیں
کیسی کیسی محنتوں اور کیسی کیسی تدبیروں سے ہم نے ملکیت کو درست کیا اب ایک ڈھنگ پر آچلی تھی
تو آپ ساری عمارت کو جڑ بنیاد سے ڈھائے دیتے ہیں۔ حاضر۔ کیا تم نے مجکو مجنون قرار دیا ہے
یا مخبوط الحواس سمجھا ہے دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا ہے جو دیدہ و دانستہ اپنے پاؤں میں آپ
کلہاڑی مارے یا سمجھ بوجھ کر اپنے رہنے کے مکان میں آپ آگ لگائے فرق صرف اتنا ہی ہے کہ
اس بات کا میں نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دوں اور جس دنیاوی فائدے
میں دین کا ضرر ہے اُس کی طمع نہ کروں اگر ایسا کرنے سے میری دنیا برباد ہوتی ہو تو ہو اور اگر
مجھ پر دنیاوی تباہی آتی ہے تو آئے جب میں نے دین کے خلاف دنیاوی فائدے کا لالچ
نہ کیا تو دنیاوی نقصان کی میں کیا پروا کر سکتا ہوں ناظر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں
تمہارے فائدوں کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں مگر وہیں تک کہ وہ فائدے جائز طور پر
حاصل کئے جائیں غصب اور ظلم اور دغا اور فساد اور اتلاف حقوق العباد کو نہ میں اپنے
لئے جائز رکھتا ہوں اور نہ تمہارے لئے۔ ناظر۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ پر ناموس کی جادو کیا
حاضر۔ اگر تمہارے نزدیک یہ جادو ہے تو یہی جادو تمام پیغمبر صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین تمام
اولیا تمام انبیا رتمام اتقیا کرتے آئے ہیں مگر جادو ایک مکروہ لفظ ہے اس کا استعمال بزرگان
دین کے حق میں میرے نزدیک تو درست نہیں۔ ناظر۔ اچھا تو ایک کام کیجئے آپ اپنے حصّے کا
بٹوارہ کرا لیجے اور علیحدہ ہو جائیے۔ حاضر۔ میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا مگر اس صورت
میں مشکل یہ ہے کہ جبتک ملکیت تمام مظالم سے پاک نہو میں اُس میں سے حصہ لے نہیں
سکتا۔ ناظر۔ آپ نے ساری ملکیت کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ اپنے مذہب کے رو سے حصۂ پدری میں سے
جتنا حصہ آپ اپنا سمجھتے ہوں الگ کر لیجئے۔ حاضر۔ والد مرحوم کی جگہ میرا اور تمہارا اور غیرہ بیگم

تینوں کا نام لکھا جانا چاہیے لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ[1] ہم دونوں نے ناحق اور ناروا بہن کو محروم کر کے اپنے ہی نام چڑھوائے تو نصف نصف ہم دونوں کا ہوا پس سرکاری کاغذات میں میرا نصف حصہ لکھا ہے اس میں بھی تو غیرۃ بیگم کا ایک عشر شامل ہے جس کو میں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ ناظر۔ آپ بٹوارے کی درخواست میں لکھ دیجئے کہ اگرچہ میرے نام نصف حصہ لکھا ہے مگر حقیقت میں میرا دو خمس ہوتا ہے اسیقدر کا میں بٹوارہ چاہتا ہوں۔ حاکم آپکی درخواست تصدیق کر کے آپکے دو خمس کا بٹوارہ کر دیگا۔ حاضر۔ تو غیرت بیگم کا یہ ایک عشر بھی تمہاری طرف منتقل ہو جائیگا۔ ناظر۔ آپ کا اس میں حرج کیا ہے۔ غیرت بیگم کا مطالبہ میرے سر رہیگا۔ حاضر۔ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ میں غیرت بیگم کا ایک عشر جو میرے نام ہے تمہارے نام منتقل کر دوں۔ ناظر۔ خیر معنے مطلب تو میں سمجھتا نہیں ایک راہ کی بات جو میں نے آپ کو بتائی اگر آپ کو مجھ سے پرخاش نہیں ہے تو جس طرح میں نے بیان کیا درخواست لکھئے اور پیش حاکم اس کو چل کر تصدیق کرائیے باقی مراتب میں دیکھ بھال لونگا آپ کو وہی دو خمس ملے گا جو آپ چاہتے ہیں۔ حاضر۔ غیرت بیگم کا ایک عشر میں تمہارے نام تو منتقل نہیں کرا سکتا وہ بھی تو ناجائز ہے حقدار کو تو اس کا حق نہ ملا ہاں اگر کہو تو درخواست میں یہ بات بے شک لکھ دوں کہ میرے نام جو نصف حصہ لکھا ہے اس میں دو خمس میرا ہے اور ایک عشر غیرت بیگم کا۔ ناظر۔ اس سے تو میری تصفیے میں فتور پڑیگا۔ حاضر۔ پڑیگا تو تم جانو میرے اختیار کی بات نہیں۔ ناظر۔ آپکے اس اصرار سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف تقاضائے دینداری نہیں ہے بلکہ یا ہو کے سب فساد ہیں۔ حاضر۔ تم بار بار پھر پھر کر ماموں کو اُن کی پیٹھ پیچھے برا کہتے جاتے ہو

[1] مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے ۱۲۔

مجکو اس بات سے سخت تکلیف ہوتی ہے میں نے تمسے کہا کہ ماموں نے غیرۃ بیگم کا نام تک نہیں لیا اور تمنے میرے کہنے کو سچ نہ جانا فرض کرو ماموں ہی نے مجکو غیرۃ بیگم کا حق مغصوبہ واپس کردینے پر آمادہ کیا تو کیا احقاقِ حق میں کوشش کرنا فساد ہے۔ ناظر یہ کہکر اُٹھ کھڑا ہوا بہت خوب معلوم ہوا آپ آپا کو اُن کا حصہ دیجیے اگر آپ سے دیا جائے اور وہ لیں اگر اُن سے لیا جائے اور ماموں جس غرض سے بھانجی کی خوشامدیں لگے ہیں مجکو معلوم ہے بتلا بھائی کو انہوں نے دیکھ پایا ہے بھولا بیوقوف چاہتے ہیں کہ بھانجی کے نام سے بڑے ماموں کی تمام املاک پر خود قابض ہو جائیں لیکن (موچھوں پر تاؤ دیکر) اگر ناظر کے دم میں دم ہے تو ماموں کو ایسا مزہ چکھاؤں کہ سات برس بعد تو جج سے پھر کر آنا نصیب ہوا اب اُنکو ہجرت ہی کرنی پڑے تو سہی۔ آپا کا حصہ لینا ایسا کیا ہنسی کھیل ہے۔ حاضر بیچارہ اپنا سا منہ لے کر سید نگر واپس گیا غمگین اُداس کیا خدا کی شان ہے کہ کل شاموں شام سید متقی کے وعظ سے حاضر متنبہ ہوا تو بہ کی تلافیِ مافات پر آمادہ ہوا اور آتوں رات بھاگا ہوا بھائی پاس آیا ابھی جی کھولکر بھائی سے باتیں نہیں کرنے پایا تھا کہ سخت امتحان میں پکڑا گیا وہ خوب واقف تھا کہ ناظر ایک سانپ ہے اِس بلا کا زہریلا کہ اُس کا کاٹا پانی نہ مانگے اُسکا ڈسا ہوا اچھڑ کا نہ کھائے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ناظر اگر بگڑا اور اب اُس کے بگڑنے میں کسر ہی کیا باقی تھی تو کیسی زمین داری اور کس کی حصہ داری گاؤں کا رہنا دشوار کر دیگا اور اُسکے ہاتھوں سے زندگی وبالِ دوش ہو جائیگی۔ یہ خیال کر کے وہ جی ہی جی میں اپنے آپکو سمجھاتا تھا کہ تجھ کو بھائی کے ساتھ بگاڑنا کیا ضرور ہے اگر وہ غیرۃ بیگم کا حصہ نہیں دیتا نہ دے وہ جانے اُس کا کام جانے اپنا اپنا کرنا اپنا اپنا بھرنا غیرت بیگم کو حصہ لینا ہوگا تو آپ سے آپ نالش کریں گی۔ ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند۔ میری طرف سے اتنا

میری طرف سے اتنا کافی ہے کہ ابھی سے غیرۃ بیگم کے حصے سے دست بردار ہو جاؤں اور اگر
نالش ہو تو دعوے کی تردید نہ کروں پھر سوچتا تھا کہ ابتک جو غیرۃ بیگم حصے سے بے دخل رہیں
اسکا وبال جیسا ناظر پر ویسا مجھ پر کیونکہ ہم دونوں نے ملکر غیرۃ بیگم کو محروم کیا بلکہ ایک
اعتبار سے مجھ پر زیادہ اور ناظر پر کم۔ کیونکہ میں پٹی کا نمبردار ہوں اور پٹی کی تحصیل
وصول میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے علاوہ اسکے کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم دونو
بھائی تو بے زحمت اپنے حقوق پر قابض ہوں اور غیرت بیگم کو نالش کرنے پر مجبور
کریں صرف اس وجہ سے کہ وہ عورت ہے پردہ نشین اور کوئی اُسکے حق کی حفاظت
کرنیوالا نہیں دنیا میں آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی تو خدا کو کیا جواب دینگے اور مانا کہ
مَیں غیرت بیگم کے حصے سے دست بردار ہو بیٹھا تو وہی بات پھر آئی کہ میں نے نہ لیا ناظر کو لینے
دیا غیرۃ بیگم کو تو اُسکا حق نہ پہنچا علاوہ بریں آجتک تو ایک غیرۃ بیگم کا معاملہ ہے اُس میں حجت ہے
ابھی تو ایسے ایسے صدہا معاملے نکلینگے غربا کے ضعفا کے اور ایسے لوگوں کے جنکو سوا خدا کے
کہیں پناہ نہیں اور ناظر کا منشا تو معلوم ہو چکا کہ وہ تو سوا قانون کے خدا و رسول کسی سے ڈرنے
دینے والا نہیں تو بکری کی ماں کبتک خیر منائے گی بھائی سے تو ایک نہ ایک دن بگڑے ہی
گی اور آج اگر غیرۃ بیگم کے معاملے میں مَیں نے ذرا بھی اپنا ضعف ظاہر کیا پھر تو ناظر
کی جیت ہے غرض یہ تنزل ٹھیک نہیں بلکہ وسوسہ شیطانی ہے۔

گیارہویں فصل سید حاضر نے تقاضائے دینداری علی رغم الف سید ناظر اپنی بہن کو اُس کا حق دلایا

ایسے ابتلا کے وقت میں خدا نے حاضر کی مدد کی اُسکو معلوم تھا کہ ناظر کے پاس سادہ سٹامپ

کا ایک بستہ ہے آخر ڈھونڈنے سے ملا کھولکر دیکھتا ہے تو اسمیں پرانے پچھلے سنوں کے متعدد قطعات ہیں سمجھا کہ ناظر نے کسی ارادۂ فاسد سے انکو بہم پہنچایا ہے اُس نے اُنمیں کا ایک قطعہ نیا سادہ دیکھکر تو لیلیا اور باقی اُس فساد کی پوٹ کو چولہے میں جھونک دیا جو قطعہ اُسنے نکال لیا تھا اُس پر ایک درخواست لکھی جسکی عبارۃ یہ تھی (نقل درخواست) کہ میں اور سید ناظر اور غیرت بیگم تینوں حقیقی بھائی بہن ہیں غیرۃ بیگم کا نام پٹی داری میں داخل ہونے سے رہ گیا میں پٹی کا نمبردار ہوں اور میرے ہاتھوں پٹی کی تحصیل وصول ہوتی ہے غیرۃ بیگم کے حق اور قبضے کو میں تصدیق کرتا ہوں اسلیئے غیرۃ بیگم کا نام ایک خمس حصّے پر چڑھا دیا جائے اور اسیوقت درخواست کو رجسٹری کرا حاکم پرگنہ کے نام روانہ کردیا وہاں سے معمول کے مطابق اشتہار جاری ہوا اشتہار کا آنا تھا کہ سید ناظر نے عذرداری کی مقدمہ لڑنے لگا کلکٹری میں تو سرسری کارروائی ہوتی ہے اور صرف قبضہ دیکھا جاتا ہے چونکہ نمبردار پٹی نے جسکے ہاتھ میں پٹی کی تحصیل وصول تھی غیرۃ بیگم کے قبضے کی تصدیق کی اس سبب سے ناظر کی عذرداری نامنظور اور غیرۃ بیگم کا نام ایک خمس پر داخل ہونیکا حکم ہوگیا مگر سید ناظر محکمۂ کلکٹری کو کیا مال سمجھتا تھا جسوقت داخل خارج کا حکم پہنچا تو اسکے مختار نے تسلی کے طور پر اُس سے کہا کہ نمبردار کے بیان مجرد پر حکم ہوگیا ہے یہ حاکم کی رائے ہے اپیل کی بڑی گنجائش ہے ناظر نے کہا ارے میاں کہاں کی اپیل اور کسکا مرافعہ کل تو نہیں پرسوں تمکو والد کا تحریری وصیت نامہ لاکر دیتا ہوں اُسکی بنیاد پر اثبات حقیت کا دعوی (خاک از تودہ کلاں بردار) دیوانی میں دائر کرو تو نمبردار صاحب کی ساری شیخی کرکری ہوجائیگی ۔ ناظر وصیت نامہ لینے گھر دوڑا ہوا آیا اور سٹامپ کے بستے کی تلاش میں سیدھا کوٹھڑی میں گھسا بستہ ندارد اس کا ماتھا ٹھنکا معلوم ہوا کہ ایک ستنبہ تو بڑے میاں کوئی ڈیڑھ مہینا ہوا جلا چکے ہیں یہ سنتے ہی پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا ۔ حاضر ناظر

کا جھگڑا ہمارے قصے سے متعلق نہیں ہے خلاصہ یہ کہ دونو بھائیوں نیں ایسی چلی ایسی چلی کہ سید نگر والونمیں جو بھی سنتا تھا دانتونمیں انگلی رکھ لیتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ آلے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے سید حاضر کے ساتھ عنبرہ بیگم اور غیرۃ بیگم کی لپیٹ میں سید متقی کی بھی شامت آئی +

بارھویں فصل ۱۲ سید ناظر کے فسادات میر متقی کی نسبت عرضی گمنام میر متقی کے سمجھانے سے اصلاح ذات البین کا ہونا

ناظر کو شروع میں صرف اسی پر اصرار تھا کہ غیرۃ بیگم کو حصہ نہ دوں شامت کے لیتے کا جلانا سنکر وہ بھائی پر نہایت برافروختہ ہوا اور اُس نے دیوانی میں سالم حقیت پدری کا دعوے دائر کیا اس بیان سے کہ نہ حاضر میر باقر کا بیٹا ہے اور نہ غیرۃ بیگم میر باقر کی بیٹی اُس نے بات یہ بنائی کہ میر باقر کا اکلوتا بیٹا میں ہوں میرے پیدا ہونے میں دیر ہوئی تو میر باقر نے پالک کے طور پر حاضر کی پرورش اور پرداخت کرنے لگے اور اس بیان کی تائید میں شامت کے کاغذ پر ایک وصیت نامہ پیش کیا جسپر میر باقر کی مُہر تھی اور اُسکا سواد خط بھی میر صاحب کے خط سے اشبہ میر متقی کی نسبت ایک گمنام عرضی لفٹنٹی میں پہنچی کہ سلطان روم کیطرف سے جاسوس بنکر آئے ہیں اور لوگونکو چپکے چپکے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور عنقریب ہندو مسلمانونمیں انکے اغوا سے فساد عظیم ہونیوالا ہے۔ سید حاضر کو جب دیوانی کے دعوے کا حال معلوم ہوا تو عرضی دعوے کی نقل لیکر سید متقی کے پاس دوڑا ہوا آیا سید متقی کو اُسوقت تک دا خلخارج کے سوا کچھ حال معلوم نہ تھا دور سے حاضر کو دیکھتے ہی خوش ہوکر لگے تحسین و رضا کی باتیں کرنے۔ حاضر نے پاس آکر ناظر کے عرضی دعوے کی نقل دکھائی تو اِنّا لله واِنّا الیه راجعون کہکر ایسے سناٹے میں گئے کہ بہت دیر ہوگئی اور بھلا یا بُرا کوئی ہی لفظ مُنھ سے نہ نکالا تو حاضر نے خود ابتدا کی

ملہ باہمی صلح ۱۲

اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ میں تو اپنے میں ناظر کے مقابلے کی طاقت
نہیں پاتا عزت کو آبرو کو سچائی کو دین کو ایمان کو خوف خدا کو سب کو ایک دم سے بالائے طاق
رکھدوں تو ناظر کے ساتھ لڑنیکا نام لوں اور یہ مجھے اب ہو نہیں سکتا ہر چند رہ رہکر غصہ آتا
ہے اور بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس مردک کو اسی قانون سے جسپر اسکو بڑا گھمنڈ ہے
اُسکے کیئے کی ایسی سزا دلواؤں کہ ساری عمر اُسکو قید سے نجات نہو اور اسکی تدبیریں سمجھ میں
آتی ہیں اور میرے اختیار کی بھی ہیں ناظر کتنا ہی قاعدہ دان اور ضابطہ شناس کیوں نہو
مگر آخر ہے تو مجھ سے چھوٹا لیکن آپ کے ارشاد کیمطابق میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ دنیا
کیلئے دین کو نہیں بگاڑونگا اب دنیا میں ایک فضیحت نہیں ہزار فضیحت اور ایک نقصان
نہیں ہزار نقصان کیوں نہ ہو جائیں اس عہد کو تو میں توڑ نہیں سکتا مگر ناظر کے حملے
سے بچنے کیلئے میں نے ایک تدبیر سوچی ہے کہ میر غالب کو آپ جانتے ہونگے وہ بھی ان
دنوں سید نگر کے بڑے چلتے ہوئے پرزوں میں ہیں سید نگر خاص میں اُنکا بھی تھوڑا سا حصہ
ہے اُنکی وکالت آجکل بڑے زوروں پر ہے چند روز ہوئے مجھسے کہتے تھے کہ اگر کوئی
حصہ بکتا ہو۔ تو مجھکو خبر کرنا تو میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ اپنا حصہ اُنکے ہاتھ فروخت کردوں
جواب ترکی بترکی وہ ناظر سے سمجھ بوجھ لینگے اتنا ہی خیال ہے کہ گاؤں میں حصے ہے تو برابا
پر سو طرح کی حکومت ہے مگر جس طرز پر مجھکو آئندہ زندگی کرنی منظور ہے اُس کیلئے مجھکو
حکومت درکار نہیں آپ سے اتنی بات پوچھنی تھی کہ اگر آپکی صلاح ہو تو غیرت بیگم کے حصے کی
بھی بات چیت میر غالب سے کیجائے میں نہیں سمجھتا کہ غیرت بیگم کو ناظر چین لینے دیگا یہ سنکر
میر متقی نے کہا کہ ان معاملات کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو قرابت کے اعتبار سے بھی تم نزدیک
تر ہو اور تمہارے معاملے کی سچائی کا یہی بڑا ثبوت ہے کہ تمنے بے فریاد بے نالش غیرت بیگم

کو اُسکا حق دیا اور دلوایا اور بلکہ حق کیواسطے تمنے بھائی سے بگاڑی اور اُس بگاڑ کے نتائج کی پہلی قسط یہ عرضی ہے جو تمنے مجھکو دکھائی خدا حق ہے اور وہ حق سے راضی ہوتا ہے اور وہی حق دار و نکی حمایت کرنیوالا ہے اور انشاء اللہ آخر حق کو غلبہ ہے اَلْحَقُّ یَعْلُوْا[1] اس بات میں تم اپنی بہن سے مشورہ کر دیکن اگر میری رائے پوچھتے ہو تو شروع سے تمنے غلطی کی تمنے وہ کیا اور آئندہ بھی وہی کرنا چاہتے ہو جو دنیا میں سبھی راست معاملہ کیا کرتے ہیں اور بلاشبہہ شرع کی رُو سے تمپر کوئی الزام نہیں مگر الزام کے عائد نہونیسے تم کسی تحسین کے بھی مستحق نہیں ہو سکتے مجھ سے اگر تمنے پہلے پوچھا ہوتا تو میں یہ صلاح دیتا اور اب بھی تمکو اور غیرۃ بیگم دونو کو صلاح دیتا ہوں کہ اگر کر سکو تو اپنے اپنے حق سے دست بردار ہو جاؤ ایسی کونسی بڑی مالیت ہے خدا نے تمکو بہت کچھ دے رکھا ہے ناظر کو موروثی کچھ انسیاں مبارک لیکر وہی بٹے کے دنی بنیں آخر وہ بھی تو کوئی غیر نہیں تھی کہاں گیا کھچڑی میں تین بہن بھائیو نکے پاس نہ رہا ایک کے پاس رہا بلاشبہہ حصے کو گو کتنا ہی جزوی کیوں نہ ہو چھوڑنا مشکل ہے خصوصًا جبکہ موروثی ہو اور اُسی گانو کا ہو جسمیں رہنا سہنا ہو اور چھوڑنا بھی اسحالت میں کہ گالی گلوچ تک کی نوبت پہنچ چکی ہو لیکن تم خود کہتے ہو کہ اب بدون فضیحت کے اسکا سنبھالنا ممکن نہیں حصہ منتقل کر دینے کی تجویز جو تمنے سوچی ہے صرف من سمجھوتی ہے آخر اسکی تحقیقات تو ہو ہی گی تمہارے مقابلے میں ہو یا خریدار کے کہ تم دونو میر باقر کی اولاد ہو جیسا کہ واقعی ہے یا نہیں ہو جیسا کہ ناظر نے عرضی دعوے میں لکھا ہے اگرچہ کامل یقین ہے کہ آخر کار تمکو ناظر کے مقابلے میں ظفر ہوگی لیکن پھر ہمیشہ کیلئے وہ تمسے چھوٹ جائیگا اور تم اُس سے اور مدت العمر تمکو باہمی خرخشوں سے نجات ملنے کی امید نہیں مگر جو تدبیر میں بتاتا ہوں اُسکا انجام جہاں تک میری سمجھ میں آتا ہے انشاء اللہ یہی ہونا ہے کہ حصےکا حصہ تمہارے پاس رہیگا اور تم بھائی

[1] حق غالب ہوتا ہی ۱۲۔

بہن پھر ایک کے ایک ہو جاؤ گے تھوڑی دیر کیلئے فرض کرو کہ ناظر نے کل حصہ لیا مگر اسطرح پر کہ وہ لینا چاہتا ہے یعنے جھوٹ بولکر جعل بنا کر بھائی کو بہن کو مانکو باپ کو یعنی اپنے آپکو رُسوا اور فضیحت کرنا کیسا صاف صاف گالیاں دیکر تو ناظر یہ حصہ لیکر تمکو تو خیر چھوڑ ہی دیگا مگر کیا بیوی بچے رشتہ دار کنبہ دار قبیلہ برادری خاندان دوست آشنا جان پہچان ایک دم سے ساری دنیا کو چھوڑ دیگا ایسا تو نہیں ہوسکتا مگر سمجھتے ہو کہ دنیا اُسکو کیا کہیگی لعنت کرے گی یگانے اور بیگانے سب اُسکے مُنہ پر تھوکینگے لڑکے اُسکے پیچھے تالیاں پیٹیں گے سبکی نظروں میں وہ خوار اور بے اعتبار اور نکو اور انگشت نما ہوگا در و دیوار اور کوچہ و بازار سے اُسپر پھٹکار برسے گی یہ حصہ ڈھاک کے کوئلے کا ایک دہکتا ہوا انگارا ہوگا کہ وہ ہرگز اُس کو مٹھی میں سنبھال نہ سکے گا مشکل سے مشکل مقدمات اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات میں تم ایک مختار یا وکیل کے کہنے پر عمل کرتے ہو اس ایک بات میں خدا کی صلاح پر بھی چلکر دیکھو کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے خدا کی صلاح کیا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ یعنے اگر تجھ سے کوئی بُرائی کرے تو بھلائی کے ساتھ اُس کا توڑ کر اور پھر دیکھ کہ یا تو تجھ میں اور اُسمیں دشمنی تھی یا بات کی بات میں وہ تیرے ساتھ گرمجوشی کرنے لگا حقیقت میں جیسی میر متقی نے پیشینگوئی کی تھی ویسا ہی ہوا حاضر اور غیرۃ بیگم کیطرف سے ناظر کے دعوے کی کچھ تردید نہ ہوئی قاعدے کے مطابق دعوے یکطرفہ ڈگری ہو گیا مگر کیسی ڈگری کہ حاکم اور عملے اور اہل معاملہ اور چپراسی اور نوکر سبھی نے تو ناظر کو ملامت کی جہاں گیا اُس نے تاڑا اور جس سے ملا اُس نے لتھیڑا اور آخر کار ہار کر جھک مار کر کلنک کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر جسقدر گالیاں تقدیر میں تھیں سُنکر جتنی بدنامی قسمت میں تھی بھگت کر بصد منت و بہزار خوشامد ہاتھ جوڑ کر پاؤں پڑ کر وہی دو خمس حصہ حاضر کو اور وہی ایک خمس غیرۃ بیگم کو

دیا اور ساری عمر کیلیے ناحق بیٹھے بٹھائے بھائی بہن کا گنونڈا بنا پڑا سو الگ +

تیرھویں ۱۳ فصل میر متقی کا مبتلا کو سمجھانا اور اُسکی اصلاح حال میں کوشش کرنا

پچھلے بیانات سے بخوبی ظاہر ہوگیا ہوگا کہ غیرۃ بیگم کے جتنے معاملات تھے سبھی تو خدا نے میر متقی کے ہاتھ سے درست کرائے اور کیسی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کہ نہ لڑائی نہ جھگڑا نہ قصہ نہ فساد نہ غل نہ شور تنخواہیں بھی جاری ہوگئیں مکانات اور دُکانات کا بھی انتظام ہوگیا ناظر جیسے موذی کے پنجے سے حصۂ زمینداری بھی چھٹا جسکے چھوٹنے کا کسیکو سان گمان بھی نہ تھا مگر ابھی غیرۃ بیگم کا سب سے بڑا معاملہ باقی تھا یعنے اُس کے شوہر مبتلا کی اصلاح اُس کی آوارگی کا علاج اُس کی بدوضعی کی روک تھام عورت جب بیاہی گئی تو میاں ہی سے اُس کا عیش ہے اور میاں ہی سے اُس کا آرام میاں ہی سے اُس کی توقیر ہے اور میاں ہی سے اُسکا اعزاز و احترام۔ آپس میں پیار اخلاص ہو تو دنیا کی ساری مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور جہاں دلوں میں محبت نہیں۔ پہننے میں مزہ اور کھانے میں لذت نہیں دل میں امنگ نہیں سنگھار میں بہار نہیں پھولوں میں باس نہیں مہندی میں رنگ نہیں میر متقی کچھ اس سے غافل نہ تھے مگر مبتلا کے بارے میں اُنکو بڑی مشکل یہ پیش آرہی تھی کہ اُنمیں اور مبتلا میں کئی سبب سے اختلاط اور وابستگی کا ہونا ممکن نہ تھا اول تو رشتہ کہ میر متقی مبتلا کے چچا باپ کی جگہ۔ دوسرے عمروں کی بڑائی چھٹائی کہاں میر متقی پچاس پچپن برس کے بڈھے اور کہاں مبتلا بیس برس کا پٹھا تیسرے مبتلا کے ہوش میں میر متقی کو دلی آتے ہوئے یہ تیسرا پھیرا تھا ایسی صورت میں اجنبیت تو ہونی ہی چاہیے چوتھے وضع میں عادات میں خیالات میں ایک کو دوسرے سے مطلق مناسبت نہیں پس حال یہ تھا کہ میر متقی مردانے میں ہیں تو مبتلا زنان خانے میں اِدھر میر متقی نے زنان خانے میں قدم رکھا اُدھر مبتلا

آہٹ پاتے ہی جھٹ باہر نکل آیا رات دن میں صرف دو بار چچا بھتیجے بضرورت کھانیکے لیئے دسترخوان
پر جمع ہوتے تھے وہ بھی کسطرح کہ مبتلا نے چچا کے سامنے جانیکے لیئے ٹوپی اور کپڑے اور جوتی
سب چیزیں سادہ بھلے مانسوں کے استعمال کی الگ کر رکھی تھیں۔ کھانے کیلیئے طلبی آئی اور
اُس نے جلدی جلدی رگڑ رگڑ کر مُنہ دھویا مونچھوں کو جن پر سارے سارے دن مالش رہتی تھی
بل نکالکر سیدھا کیا پٹیوں کو اُبھارا بالوں کی سج دھج کو بگاڑا۔ کھانیکے نہیں چچا کے سامنے
جانیکے کپڑے پہنے اور گریسکین بنکر جھکے ہوئے نیچی نظر مودب دسترخوان پر جا بیٹھے پھر
میر متقی کا کھانا کوئی انگریزی ڈنر تو ہوتا ہی نہ تھا کہ کھانا میز پر آیا اور جتنے کھانیوالے تھے
اپنی اپنی کرسیوں پر چڑھنے لگے دنیا بھر کی بکواس شروع ہوئی اور یہ بھی نہیں کہ کھانیکے
ضمن میں باتیں کرتے جاتے ہوں بلکہ یوں کہو کہ باتوں کے ضمن میں کھانا بھی کھاتے جاتے
ہیں میر متقی مولوی آدمی دُور سے کھانا آتا ہوا دیکھ کسی شغل میں ہوں چھوڑ چھاڑ پہنچوں
تک ہاتھ دھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہکر اکڑوں ہو بیٹھے کھانا کھایا مگر اُس کو بھی عبادت
سمجھکر خیال یہ کہ آداب الطعام میں سے کوئی ادب متروک نہ ہو پس ان کے دسترخوان پر
بات چیت کا کیا موقع۔ میر متقی مستعجل کہ کم کھاؤں مبتلا منتظر کہ اُٹھ جاؤں الغرض ایسا
کوئی موقع نہیں پڑتا تھا کہ چچا بھتیجے میں جی کھولکر باتیں ہوں مگر میر متقی بلا کے تاڑنے
والے تھے اُنہوں نے اتنی ہی دیر کی صحبت میں مبتلا کی حرکات و سکنات سے اُسکی
نشست و برخاست سے اُس کی طرز عادات سے اتنا جان لیا اور ایسا پہچان لیا کہ مبتلا
کے لنگوٹیے یار اور اُس کے بھیدی اور رازدار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے مبتلا اگرچہ
چچا کے سامنے اپنے آپ کو بہت ضبط کیئے رہتا تھا مگر اسی دن کے لیئے کہتے ہیں کہ
آدمی بُری لت نہ ڈالے اور عادۃ کو بگڑنے نہ دے۔ مبتلا کو خبر تک نہیں ہوتی تھی۔

اور بے خیالی میں اُدبدا کر چچا کے سامنے اُس سے کوئی نہ کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی تھی کہ ہر روز اُن کی نظروں میں اُس کی قلعی کھلتی رہتی تھی مثلاً بیٹھے بٹھائے خود بالوں پر ہاتھ جا پڑا اور عادت کے مطابق لگا وہیں پٹیاں جمانے پھر جو کچھ ہوش آیا چچا کو کن انکھیوں سے دیکھ کھجانے کے حیلے سے بالوں کو بگاڑ سیدھا ہو بیٹھا یا کھانے کھاتے ایک نئے انگرکھے کی چولی کے شکن نکال لگاتن کر سینے کو دیکھنے اتنے میں چچا پر نظر جا پڑی اور جلدی سے پھر جھک کر ہو بیٹھا ایک مرتبہ تو اس نے کیا غضب کیا کہ خدا جانے کس خیال میں مستغرق تھا کہ آپ ہی آپ لگا گنگنانے مگر میرمتقی نے اس کو ایسے طور پر ٹال دیا کہ گویا سنا ہی نہیں۔ مبتلا اپنے دل کو یوں سمجھا لیا کرتا تھا کہ چچا نے دھیان نہیں کیا یا اگر کیا تو آدمی سے ایسی لغو حرکتیں ہوا ہی کرتی ہیں اتنی ہی بات سے اُن کا ذہن اِس طرف کیوں منتقل ہونے لگا کہ پٹیاں جمانا یا اکڑنا یا گانا میری عادت ہے لیکن یہ اُس کی غلطی تھی میرمتقی کی آنکھ کبھی کسی چیز پر اُچٹتی ہوئی پڑتی ہی نہ تھی وہ جس چیز کو ایک نظر دیکھ لیتے اُس کی تہ تک پہنچ جاتے اور اس کے لِمّ[1] کو دریافت کرتے میرمتقی نے مبتلا کی حرکات سے آخر یہ استنباط کیا کہ اُس میں دو عیب بہت بڑے ہیں اوّل یہ کہ مذہب سے اُس کو مطلق سروکار نہیں یہ جانتا ہی نہیں کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور آدمی اُس کے بندے ہیں اُس کو خبر ہی نہیں کہ آدمی کو کھانے اور سو رہنے کے سوا دنیا میں کچھ اَور بھی کرنا ہے۔ دوسرے حُسن پرستی کہ اُس کے نزدیک۔ دولت۔ شرافت حسب نسب۔ علم۔ ہنر۔ سلیقہ۔ اخلاق۔ دینداری غرض دنیا کے سارے کمالات ہیچ ہیں صرف ایک حُسن صورت قابلِ قدر ہے اور بس میرمتقی کا ایک قاعدہ اَور بھی تھا کہ بڑے دھیمے آدمی تھے جب کسی خاص شخص کو نصیحت کرنا منظور ہوتا مدتوں اُس کے حالات کی تفتیش میں لگے رہتے اور جب معلوم کر چکتے

[1] علت اور سبب ۱۲

جس قدر معلوم کرنے کی ضرورت تھی تو ہفتوں غور کرتے کہ کس پیرائے سے اور کیسے وقت اُس کو نصیحت کروں کہ مؤثر ہو اور یہی سبب تھا کہ ان کی نصیحت کبھی خالی گئی ہی نہیں مثلاً اگر ایک شخص تارک الصلوٰۃ ہوا اور انہوں نے اُس کو نماز کے لیے نصیحت کی تو پھر سفر یا مرض یا دنیا کی کوئی کیسی ہی ضرورت کیوں نہو اُس نے مدّۃ العمر نماز کو قضا نہیں ہونے دیا یا اگر کوئی شخص منہیاتِ شرعی میں سے کسی کا مرتکب ہے، اور انہوں نے وعظ کہا تو پھر توبہ ہی کرا کے چھوڑا۔ غرض میر متقی نے ایک دن موقع پا کر جوں مبتلا کھانا کھا کر جانا چاہتا تھا اُس کو روکا اور کہا ذرا ٹھیرو مجکو تم سے کچھ کہنا ہے مبتلا سمجھا کہ آج نماز گلے پڑی بیٹھ گیا تو میر متقی نے فرمایا (وعظ) اگرچہ مجکو تمہارے حالات بالتفصیل معلوم نہیں مگر جس قدر معلوم ہیں اُن سے میرا خیال یہ ہے کہ تمہاری تعلیم جیسی درستی کے ساتھ ہونی چاہیئے تھی نہیں ہوئی تمہاری تعلیم کا عمدہ حصّہ وہ ہے جو مدرسے میں ہوا۔ مدرسے کی تعلیم اس اعتبار سے کہ جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں دنیا میں بکار آمد ہیں بلاشُبہہ مفید ہے مگر افسوس بڑے افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ مذہب کی طرف بھُول کر بھی کوئی توجہ نہیں کرتا مذہب کو سلسلۂ درس سے اس طرح نکال کر پھینک دیا ہے جیسے دُودھ میں سے مکھی جس سے لوگوں پر ثابت ہوتا ہے کہ مذہب ایک فضول اور لایعنی چیز ہے اور دنیا میں اس کی مطلق ضرورت نہیں پس مدرسوں کی تعلیم کا نتیجہ کیا ہے کہ نوجوان لڑکے فارغ التحصیل فضیلت کے خطاب اور لیاقت کی سندیں لے کر مدرسوں سے نکلتے ہیں اُن کو تمام ملکوں کی نئی پُرانی تاریخیں خوب مستحضر ہوتی ہیں جغرافئے میں شاید ان کی معلومات اس درجے کی ہو کہ سمندر کی مچھلی ہیں یا پہاڑی کوّے یا افریقے کے ریچھ یا آسٹریلیا کے لنگور یا امریکا کے بن مانس یا تبت کے دُنبے یا تاتار کے مینڈھے یا عرب کے بدّو یا یورپ کے فرنگی یا ہندوستان

کے پھل تو وہ انگریزی شاید ایسی عمدہ لکھ سکتے ہوں گے کہ گویا اُن کی مادری زبان ہے
ریاضی میں وہ شاید وقت کے بطلیموس ہوں علمِ ہیئات میں وہ اپنے زمانے کے فیثاغورس
فلسفے میں افلاطون غرض اُن میں علوم دنیا کی ایسی جامعیت ہوگی کہ شاید اُن کا نظیر نہ ہو
مگر وہ نہ مذہب کے معتقد نہ خدا کے بندے نہ رسول کی اُمت نہ بادشاہ کی رعیت نہ باپ کے
بیٹے نہ بھائی کے بھائی نہ دوست کے دوست نہ قوم کے ساتھی نہ برادری کے شریک
نہ وضع کے پابند نہ رسم کے مقلد۔ ذرا نظرِ انصاف سے اس بات کو دیکھو کہ فی الحقیقت مدرسے
کی تعلیم میں ایسے خیالات پیدا کرنیکا رجحان ہے یا نہیں۔ ہے اور ضرور ہے اور اس کا سبب
ظاہر ہے کہ مختلف مذاہب کے نوجوان لڑکے ایک جگہ جمع رہتے ہیں اپنے اپنے عقائد
سے سب کے سب بے خبر عمروں کے تقاضے یہ کہ جہاں اور ہنسی کی باتیں کرتے ہیں اُن میں
ایک مذہب کا استخفاف بھی سہی اگرچہ اپنا ہی مذہب کیوں نہو مدرسے کے حاکم یا مدرس
کچھ مذہب کی پروا کرتے ہی نہیں طالب العلموں کیلئے تو سب کیونکہ اِن کا فرض خدمت
نہیں اپنے لیئے بھی بعض یا اکثر اس لیئے کہ خود کسی مذہب کے قائل نہیں وظیفہ یا
انعام یا دوسرے موجباتِ ترغیب مذہب پر کسی کا انحصار نہیں۔ علوم جو پڑھائے جاتے
ہیں اکثر جدید زمانۂ حال کے ایجاد کوئی مسئلہ نہیں جس میں متقدمین کی غلطی ..... جس
میں سابقین کی خطا ظاہر نہ کی جائے اور ایک بڑی خرابی آکر یہ پڑی ہے کہ بہت سی باتیں
ہیں تو علوم دنیا سے متعلق مگر لوگوں کی غفلت یا بے مبالاتی سے داخلِ مذہب ہو گئی ہیں اب
جو انکی غلطی ثابت ہوتی ہے تو طالب العلموں کو جو مذہب سے ہیں کورے معلوم ہوتا ہے کہ انکے
باپ دادا جو مذہباً ایسی لغو اور بیہودہ باتوں کو تسلیم کرتے چلے آئے نرے احمق تھے
اور انکا مذہب ہی سراسر ہیچ اور پوچ ہے ایک خرابی اور ہے کہ علوم جدیدہ جن کا مدرس ہیں

بڑا زور شور ہو سب ہیں از قسم بدیہیات مشاہدت پر مبنی اور تجربیات پر متفرع۔ ایسے علوم پڑھتے پڑھتے طالب العلموں کو اس بات کی عادت پڑ جاتی ہو کہ وہ ہر چیز کا ثبوت ایسا ہی ڈھونڈنے لگتے ہیں جیسا اقلیدس کے دعووں کا اور مذہبی باتوں کیلئے ایسا ثبوت نہ ہوا ہے اور نہ ہونا ممکن ہو۔ حضرت موسےٰ سے بھی یہود ایسی ہی بیجا فرمائشیں کرتے تھے لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً ہم تو جب تک خدا کو کھلے خزانے نہ دیکھ لیں تجھ پر ایمان لانے والے ہیں نہیں لیکن مذہب کے لیئے ایسے ثبوت کا نہ بہم پہنچ سکنا ضعفِ مذہب کی وجہ سے نہیں ہو بلکہ انسان کی ضعفِ خلقت کے سبب۔ کیا اگر موسیٰؑ خدا کا دیدار یہود کو نہ دکھا سکے تو اس سے لازم آگیا کہ خدا نہیں ہو۔ نہیں خدا تو ہو مگر وہ آدمی کی آنکھ میں آنے کی چیز نہیں ہو۔ مدرس کی ساری تعلیم بلکہ سچ پوچھو تو عملداری کا خلاصہ ہے آزادی بلاشبہہ آزادی ہر ایک فردِ بشر کا ایک ضروری حق ہو۔ مگر آزادی کی بھی کوئی حد ہونی ضرور ہے آدمی کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہو اور آدمی فی حدِ ذاتہٖ اس طرح کا مخلوق ہو کہ آزادیِ مطلق تو اُس کو حاصل ہونی ممکن نہیں اور مناسب بھی نہیں کیا آزاد ہو سکتا ہو وہ بندۂ ناچیز جس کا ہونا اور نہ ہونا اُس کے اختیار میں نہیں غیروں کا محتاج دوسروں کا دست نگر جینے میں کھانے میں پینے میں مرنے میں جینے میں چند منٹ کے لیئے ہوا نہ ملے تو ہلاک۔ ایک وقت خاص تک غذا نہ پہنچے تو فنا تڑاقے کی دھوپ کا تحمل نہیں کڑاکے کی سردی کی برداشت نہیں۔ حالت تو اس قدر خستہ و خراب اور اُس پر آزادی کا پر سرخاب وہی مثل ہو جھونپڑے کا رہنا اور محلوں کے خواب۔ **شعر**

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پابہ گِل ✦ کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہے آزاد کا

ہیں اس میں لڑکوں کا زیادہ قصور نہیں پاتا سارا قصور اُن کی تعلیم و تربیت کا ہے گھڑی
جو تمہاری جیب میں ہو اس میں فولاد کی ایک کمانی گُنڈلی کے طور پر تہہ کی ہوئی موجود
ہے کنجی کے زور سے کمانی کی تہوں کو خوب کس دیتے ہیں اسی کو کوکنا کہتے ہیں۔
کُوکنے سے کمانی میں ایک قوت پیدا ہوتی ہو۔ کمانی چاہتی ہو کہ کھلے اور اپنی اصلی حالت
پر عُود کرآئے اگر کوئی چیز مانع نہ ہو تو کمانی سٹر سے دم کے دم میں ڈھیلی پڑ جائے اور وہ قوت
جو اُس میں پیدا کی گئی تھی اکارت ہو۔ اس کے روکنے کے لیئے گھڑی میں ایک پُرزا لگایا جاتا
ہے جسکا نام ہے رگیولیٹر اور جس کی وجہ سے کمانی بتدریج انضباط کے ساتھ کھلتی جاتی ہو
اور اُس قوت سے وقت کی شناخت کا عمدہ کام لیا جاتا ہو۔ یہی حال ہو انسان کا کہ اُس میں
بھی ایک حالت کے مناسب خدا کی دی ہوئی چند قوتیں ہیں اگر ان قوتوں کا کوئی روکنے
والا رگیولیٹر نہ ہو تو یہ تمام قوتیں بے کار ہیں بلکہ بجائے مفید ہونیکے اُلٹی مضر۔ انسان
کا رگیولیٹر ہے مذہب جو اس کو اندازۂ مناسب اور حدِ اعتدال سے گھٹنے بڑھنے گرنے
اُبھرنے نہیں دیتا۔ مدرسوں کی تعلیم کوک ہے اور رگیولیٹر ندارد۔ پس اس کا ضروری
نتیجہ ہے کہ آزادی کا خیال دماغ میں سماتے ہی لوگ ہر طرح کے قیود سے نکلنے کی خواہش
کرنے لگتے ہیں یہانتک کہ قیدِ عبودیت سے بھی۔ سرسے مدرسے کی تعلیم کے اصول ہی
غلط ہیں کہ صرف دنیاوی علوم کے پڑھا دینے سے آدمی دنیا کے کام کا ہو جاتا ہے
اِس سے تو یہ بات نکلتی ہو کہ دنیا اور دین دو چیزیں ہیں جداگانہ ایک کو دوسرے سے
کچھ تعلق نہیں ہم نہیں جانتے کہ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں دین سے کیا مراد رکھتے
ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک بلکہ تمام اہلِ ادیان کے نزدیک دین کے معنے ہیں انسان
کی اصلاح اور اُس کے دو حصّے ہیں اصلاحِ معاش و اصلاحِ معاد پس دین اور دنیا میں

اگر ایک طرح کی منطقی مغایرت ہے جیسے عموماً کُل اور جزو میں ہوا کرتی ہے اُس کو تباین یا تناقض یا تنافر یا بے تعلقی سے تعبیر کرنا مغالطہ دہی ہے۔ کتنا بڑھا ہو جب انسان میں دین نہیں تو اُس کو خوفِ خدا نہیں اور خوفِ خدا نہیں تو اُس میں راستی نہیں دیانت نہیں غیرت نہیں حمیت نہیں مروت نہیں محبت نہیں خلاصہ یہ کہ انسانیت نہیں اس پر بھی اگر وہ آدمی دنیا کے کام کا ہے تو اس دنیا کو خیر باد ہے اور اُس کام کو سلام۔ ایک بات تعلیم کے متعلق اور بھی سوچنے کی ہے کہ انسان کو دوسرے حیوانات سے ایک وجہ امتیاز یہ بھی ہے کہ حیوانات کو جتنی عقل دی گئی ہے فطری ہے تجربے یا امتدادِ عمر سے اس میں ترقی نہیں ہوتی مثلاً بیا گھونسلا بناتا ہے کیسا عمدہ کہ انسان اس کی اگر پوری پوری نقل کرنا چاہے تو نہیں بن پڑتی مگر جیسا گھونسلا ایک بڈھا بیا بناتا ہے جو اپنی عمر میں شاید بیسیوں گھونسلے بنا چکا ہو گا بجنسہ ویسا ہی گھونسلا پہلی بار ایک جوان بیا بنائیگا برخلاف انسان کے کہ اُس کی عقل تجربے اور عمر کے ساتھ کمال حاصل کرتی جاتی ہے اس مضمون کو سعدی نے کیا قَلّ وَدَلّ طور پر ادا کیا ہے ۔

مرغک از بیضہ برون آید و روزی طلبد	آدمی زادہ ندارد خبر و عقل و تمیز
آں بناگاہ کسے گشت و بجیزے نرسید	ویں بہ تمکین و فضیلت بگذشت از ہمہ چیز

اس لیے انسان کی تعلیم و تربیت کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز اُس کی عمر کا ایک مناسب وقت دیکھ کر سکھاتے ہیں مثلاً غیر ملک کی بولی ضرور ہے کہ بچپن میں سکھائی جائے ورنہ بڑے ہو کر زبان مشکل سے ٹوٹتی ہے چھوٹے لڑکے کو اگر منطق کے پیچیدہ مباحث سمجھانا چاہو تو سعیِ لاحاصل ہے اسی طرح دین کی تعلیم کے لیے بھی ایک وقت مناسب ہونا چاہیے اور وہ نہیں ہے مگر سِنِّ طفولیت کیونکہ آدمی کی عمر جس قدر بڑی ہوتی جاتی ہے اسی قدر فطرت سے دُور اور اُسی قدر اُس کا دل لوثِ دنیا سے آلودہ اور زنگِ اغراض

سے تیرہ ہوتا چلا جاتا ہے پھر شاید ایک وقت ایسا آئے کہ اس کے دل میں صبغت اللہ یعنی دین کا رنگ اٹھانے کی قابلیت باقی نہ رہے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا[1] اسی حالت کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ اور کچھ بات نہیں ان کے دلوں پر ان کی بدکرداریاں جم گئی ہیں۔ دنیا میں اور بھی ہزاروں لاکھوں اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کو دین کی طرف مطلق توجہ نہیں مگر بے توجہی دو طور کی ہے ایک وہ جس کا سبب کاہلی اور غفلت اور مساہلت ہو دوسری وہ جو دین کے استخفاف سے پیدا ہو یہی بے توجہی ہے جو نہایت خطرناک اور نہایت مذموم ہے اور یہی بے توجہی ہے جس کو مدارس کی تعلیم پھیلاتی چلی جا رہی ہے لیکن دین و مذہب لوگوں کی تسلیم اور قدردانی کا محتاج نہیں۔ ہمالیہ پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائے تو سرک جائے گنگا پورب کو بہتے بہتے پچھم کو بہنے لگے تو بہنے لگے مگر خدا کی باتیں نہ کبھی ٹلی ہیں اور نہ کبھی کسی کے ٹالے ٹلیں گی۔ دین تم سے چاہتا کیا ہے صرف اتنی بات کہ خدا نے تم کو آدمی بنایا ہے آدمی بنکر رہو تم کو آنکھیں دی ہیں اور دیکھتے ہو کان دیئے ہیں اور سنتے ہو زبان دی ہے اور بولتے ہو غرض ہر قوت سے وہ کام لیتے ہو جو اس کے کرنے کا ہے۔ قوتوں میں سب سے قوی اور سب سے عمدہ عقل ہے اس نے تمہارا ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کے کرنے کا کام اس سے نہیں لیتے روئے زمین پر خدا کی جتنی مخلوق ہے سب میں اعلےٰ اور افضل اور اشرف انسان ہے اور اس کی برتری اسی سے ظاہر ہے کہ دوسری مخلوقات پر حکمرانی اور ان میں مالکانہ تصرف کرتا ہے۔ دیکھو انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں اس کے بسائے ہوئے شہر اس کے

---

[1] ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بدیوں سے ۱۲

لگائے ہوئے باغ ۔ نہریں ۔ سڑکیں ۔ پل ۔ ریل ۔ تار ۔ دُخانی یا دبانی جہاز ۔ انواع و اقسام کی
کلیں ۔ زندگی کے ساز و سامان ۔ مگر یہ برتری جو انسان کو استحقاقاً حاصل ہے ۔ کیوں ہے
اُس کی جسمانی قوتیں تو حیوانات کی قوتوں سے بہت ضعیف ہیں مثلاً اُس کی نظر سے
گدھ کی نظر کہیں تیز ہے ۔ اُس کے شامے سے شکاری کتوں کا شامہ کہیں قوی ہے ۔ وہ
اگر ذائقے سے چیزوں کا صرف مزہ پہچانتا ہے تو بعض جانور مزے کے سوا خاصیت
طبّی کی شناخت بھی کر لیتے ہیں ۔ توانائی کے لحاظ سے تو ہاتھی اور شیر وغیرہ کے سامنے
وہ ایک مورِ ضعیف سے بھی زیادہ کم زور ہے ۔ پھر انسان کی بڑائی کس چیز میں ہے عقل
میں ۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ عقل کا کام کیا ہے یہ سمجھنا کہ عقل ہمکو صرف اتنے واسطے
دی گئی ہے کہ کھانا پینا کپڑا مکان ساز و سامان بہم پہنچانے میں مدد کرے عقل کو ذلیل
اور بے قدر کرنا ہے یہ تو عقل کے نہایت مبتذل کام ہیں جانور جن کے جُثّے ہمارے
جُثّوں سے بہت بڑے اُن کی بھوک پیاس ہماری بھوک پیاس سے کہیں زیادہ ہے
ہماری جیسی عقل نہیں رکھتے اور ہم سے زیادہ آسودگی کے ساتھ زندگانی کرتے ہیں
ساٹھ ستر برس کی زندگی اور معدودے چند ضرورتوں کیلئے ایسی عقل جو ماضی اور مستقبل کے
قلابے ملائے اور زمین سے آسمان تک پاؤں پھیلائے کسی بڑے اور عمدہ کام کے
لئے دی گئی ہے اور وہ نہیں ہے مگر یہ کہ مخلوق سے خالق اور فانی سے باقی اور دنیا سے آخرت
کو پہچان کر اُس گھر کے لئے تیاری کریں جہاں ہماری روح کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے ۔
لیکن فرض کرو کہ ہم ان خیالات کو اپنے ذہن میں نہ آنے دیں اور آنکھیں بند کر لیں
دنیا و مافیہا سے جس کا ایک ایک ذرہ ہستیِ صانع اور ایک ایک واقعہ وجودِ مسبب پر دلالت
کر رہا ہے تو اس سے واقعات کا بطلان تو نہیں ہو سکتا خدا ہے اور ہمیشہ کو رہے گا ہم

اُس کے بندے ہیں اور کسی طرح اُس کے فرمان سے باہر نہیں ہو سکتے ہم کو مرنا ہے اور جو کچھ دنیا میں کیا ہے اس کی جواب دہی کرنی ہے عمل اچھے ہیں تو تسلّی ہے اور امن ہے اور عافیت ہے اور سکون ہے اور قرار ہے یعنی یہ کہ بیڑا پار ہے بُرے ہیں تو حسرت ہے اور افسوس ہے اور ندامت ہے، اور پھٹکار ہے اور دھتکار ہے یعنی یہ کہ دُکھ کی مار ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اصل میں تو ہوتی ہے غفلت اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ اختلاف مذاہب بے توجہی کا باعث ہو جاتا ہے۔ آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا میں سیکڑوں ہزاروں مذہب ہیں ہر ایک صرف اپنے آپ کو برسرِ حق سمجھتا ہے اور باقی سب کو گمراہ اور کافر اور مردود اور ملعون اور جہنمی تو یہ دیکھ کر خواہ نخواہ اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ پہلے ان ہزاروں مذاہب کے معتقدات سے واقفیت حاصل کروں پھر ان کے سوال و جواب سنوں پھر اُن میں محاکمہ کروں اس کے لئے میں کیا میری تو دس نسلوں کی عمریں بھی کفایت نہیں کر سکتیں اس سے بہتر ہے کہ مذہب کی پہیلی کو جس کا اتا پتا کچھ نہیں سوچو ہی مت لیکن یہ بھی ایک وسوسۂ شیطانی ہے اور انسان کے لا مذہب ہونے کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جتنے مذہب ہیں جہاں تک مذہب کو دنیا سے تعلق ہے سب کا مقصود اصلی ہے آدمی کی اصلاح۔ اور اختلاف اگر ہے تو ملکوں کی آب و ہوا لوگوں کی طبائع اور عادات اور ضرورتوں کے اختلاف کی وجہ سے اور فروع میں ہے نہ اصول میں جزئیات میں ہے نہ کلیات میں پس تم جیسے نوجوان دیندار کیلئے اس سے بہتر صلاح کی بات نہیں کہ جو جس شان میں ہے اُسی شان میں رہ کر پابندی مذہب کو نہ چھوڑے اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نیکی کا خیال دل میں راسخ ہو جائیگا خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا اور حق کی تلاش میں اس کو مزہ ملیگا آدمی اگر اتنا کرے اور اس سے زیادہ کر ہی کیا سکتا ہے تو ضرور خدا کی رحمت اسکی دستگیری کریگی وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا

فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا لوگ مذہب کی طرف سے جو اس قدر غافل اور بگڑے بن رہے
ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خدا نے بندوں کی آزمائش کے لیئے دنیا کا انتظام ایسے
طور پر رکھا ہے کہ دنیاوی حالات کے اعتبار سے نیک و بد اور پابند مذہب اور لا مذہب
اور مومن و کافر اور موحد و مشرک کسی کا کچھ امتیاز نہیں۔ خداوند تعالےٰ کی عام رحمتوں
سے سب کے سب بلا تخصیص یکساں طور پر متمتع ہوتے ہیں۔ وقت پر پانی سب کے واسطے
برستا ہے۔ ہوا کا ذخیرہ سب کے لیئے موجود ہے۔ رزق ہر ایک کی خاطر مہیا ہے صحت و مرض
تمول و افلاس توالد و تناسل حیات و ممات غرض زندگانی کی بھلی بری تمام کیفیتیں
جیسی مسلمانوں میں ویسی عیسائیوں میں ویسی یہود میں کوئی قوم بلکہ کوئی گروہ بلکہ کوئی
فرقہ بلکہ کوئی تنفس اس بات کا دعوےٰ نہیں کر سکتا کہ مذہب کی وجہ سے مجھ کو دنیا میں یہ
خصوصیت حاصل ہے اور کہیں ایسی ایک ادنےٰ سی خصوصیت بھی پائی جائے تو تمام روے
زمین سے اختلافِ مذاہب کے معدوم کر دینے کو کافی ہے۔ یہ بے خصوصیتی ان لوگوں کے
حق میں سم قاتل ہے جن کی طبیعتیں لا مذہبی کی طرف مائل ہیں۔ غور کرینگے تو ان لوگوں
میں عادت ہوتی نہیں دنیا میں ہیں اور دنیا ہی کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس جو کچھ
ہے یہی دنیا ہے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ لیکن ذرا عقل کو کام میں لائیں تو معلوم
ہو اور اندر سے دل آپ ہی آپ گواہی دینے لگے کہ نہیں ایک جہاں اور بھی ہے یہ دنیا
خواب ہے اور وہ جہاں اس کی تعبیر یہ مجاز ہے وہ حقیقت یہ نمونہ ہے وہ اصل جس طرح عقل
دنیا سب کی یکساں نہیں اسی طرح عقل دین کے مدارج بھی متفاوت ہیں۔ بعض لوگ
وہ ہیں جو صرف موجودات دنیا سے خدا کو اور خدا سے اس کی عظمت کو اس کی عظمت سے
اس کی معبودیت کو مانتے پہچانتے ہیں۔ اور بعض موجودات سے نہیں بلکہ تغیرات سے

اور بعض تغیرات سے بھی نہیں بلکہ حادثات عامہ سے اور بعض حادثات عامہ سے بھی متنبہ
نہیں ہوتے تا وقتے کہ خود اُن پر کوئی آفت نازل نہ ہو اور بعض حلول مصیبت پر بھی کہنے
کے محتاج گو یا بیل ہیں کہ آر بھی گھپوؤ اور ساتھ منہ سے بھی ٹشکاری دو تب اُن کو خبر ہو
کہ چلنا چاہیئے۔ اے میرے پیارے بھتیجے اے مرحوم کے یادگار اے مغفور کی نشانی
مجھ کو بھائی کے مرنے کا اتنا رنج نہیں ہوا جتنا تمہارے دین کی تباہی کا۔ بھائی اگرچہ
تو عمر طبعی کو پہنچکر مرے اور ایکدن مرنا ضرور تھا میں نے اپنی موت کے لیئے دعا
تو نہیں مانگی اس واسطے کہ موت کے لئے دعا مانگنا منع ہے مگر سات برس عرب میں رہا
کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں نے اس سرزمین میں اپنے دفن ہونے کی تمنا نہ کی ہو
مگر خدا کی مبارک مرضی یوں تھی کہ میں یہاں پھر آؤں اور بھائی کا مرنا سنوں جب سے میں نے
بھائی کا مرنا سنا ہر روز بلکہ دن میں کئی کئی بار (دعا نہیں) دل میں تمنا کرتا ہوں کہ الٰہی
اگر عرب کی مٹی سے میرا خمیر نہیں ہے تو مجھ کو باایمان دنیا سے اٹھا کر اس شخص کے پہلو
میں جگہ دے جو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا یعنی میرے بڑے بھائی اور تمہارے
والد مرحوم۔ میں نہیں جانتا کہ یہ تمنا بھی پوری ہو یا نہ ہو مگر بھائی کے مرنے کے بعد
اب زندگی بے مزہ ہے اور اس ملک میں رہنا اس سے زیادہ بے مزہ۔ یہ مت سمجھو کہ آدمیوں
کے باہمی تعلقات اس زندگی تک کے تعلقات ہیں نہیں نہیں۔ یہ تعلقات روحی تعلقات
ہیں اور چونکہ روحوں کو فنا نہیں ان کے تعلقات کو بھی انقطاع نہیں یقین جانو کہ
تمہاری اس طرز زندگی سے بھائی کی روح کو ایذا ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن کو اس زندگی
میں بھی تمہاری تکلیف کی برداشت نہ تھی۔ اور اس طرزِ زندگی کے ہاتھوں تم پر جو سخت
بلا نازل ہونیوالی ہے۔ میں اُس کو عقل سے جانتا ہوں اور تمہارے باپ اُس کو آنکھوں سے

دیکھ رہے ہیں۔ باپ سے ہوسکتا ہے کہ بیٹے کو کنویں میں گرتا ہوا دیکھے اور پروا نہ کرے
باپ سے ممکن ہے کہ بیٹا جلتی ہوئی آگ میں کود ے اور وہ کھڑا تماشا دیکھے۔ مرحوم نے
لوگوں کی نظروں میں سلامت روی نیک وضعی اور ملنساہٹ سے جو ایک وقار پیدا کیا تھا
تم بھی اپنے دل میں انصاف کرو کہ تم نے اس کو بڑھایا یا گھٹایا۔ روشن کیا یا مٹایا۔
ایسے چاہنے والے ایسے شفیق ایسے مہربان ایسے دل سوز باپ کے احسانات کا یہی معاوضہ
تھا اُن کے سلوک ایسی پاداش کے قابل تھے جو باتیں میں تم سے کہہ رہا ہوں تمکو شاید
پہلی بار اُن کے سننے کا اتفاق ہوا ہوگا مگر میری ساری عمر انہی غوروں و فکروں
میں گزری ہے اس کو میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ شروع سے مجھ کو اچھے لوگوں کی
صحبت رہی۔ ہندوستان سے لیکر عرب تک ہزار ہا علما اور شیوخ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر
ملا اور جس سے جتنا فیضان قسمت کا تھا حاصل ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔ تم دیکھتے ہو کہ میں
دین کے کاموں میں بھی جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے اور افسوس ہے کہ قدر واجب کے مقابلے میں
کچھ بھی نہیں ہوسکتا لگا لپٹا رہتا ہوں اس پر بھی جب خدا کی عظمت اور اس کے جلال
پر نظر کرتا ہوں تو مجھ کو اپنی نجات کی طرف سے بالکل مایوسی ہوتی ہے اور تنہائی میں خصوصاً
رات کے وقت جب دنیا کی بے ثباتی قیامت کے حساب اور اپنی بے بضاعتی کے افکار
ہجوم کرتے ہیں تو مجھ کو اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ تمکو اُس کا اندازہ سمجھانا مشکل ہے
صرف اس کی رحمت بے انتہا کی توقع اس وقت دست گیری کرتی ہے جس سے دل کو
تسلی ہوتی ہے یہ زحمت جو مجھ کو دین کے کاموں میں اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہو اگر اسکو
زحمت سے تعبیر کرنا درست ہو تو اتنی مدد کرتی ہے کہ امیدواری رحمت کی ڈھارس بندھاتی
ہے۔ اگر خدا عقل میں راستی دے تو دنیا کی سب باتوں سے دین کی تعلیم نکلتی ہے۔ دنیا

میں جس کو جس پر کسی طرح کی حکومت ہے جیسے شوہر کو بی بی پر یا باپ کو اولاد پر یا بادشاہ کو رعایا پر اگرچہ دنیا کی ساری حکومتیں عارضی اور ضعیف ہیں اس پر بھی کوئی حاکم کسی محکوم کی کسی نافرمانی سے درگزر نہیں کرتا کیا غفلتیں ہیں کیا بیفکریاں ہیں کیا مغالطے ہیں کیا بے مناسبتی ہے کہ بندہ بے حقیقت وناچیز نافرمانی کیسی اس قادر ذوالجلال کے اوامر کا استخفاف کرے گویا اس کا مدمقابل ہے اور پھر درگزر کی توقع۔ کیا ہیکڑی ہے مغفرت کی امید۔ کیا بے حیائی ہے۔ تم کو جہاں اکثر باتوں میں مغالطہ واقع ہوا ہے دوستوں کے بارے میں بھی تمہاری رائے غلطی سے محفوظ نہیں رہی۔ یہ لوگ جو تمہارے آگے پیچھے پڑے پھرتے ہیں اور ہر وقت تم کو گھیرے رہتے ہیں جہانتک میں نے خیال کیا ہے ایک کو بھی تمہارا خیرخواہ نہیں پاتا ان کے کچھ مطلب ہیں بیہودہ اغراض ہیں فاسد۔ تم کو دیکھ پایا عقل کے کوتاہ گانٹھ کے پورے آپ بنے شکاری اور تمکو گردانا ٹٹی اور لگے تمہاری آڑمیں ٹکتے چلانے۔ غرض مندانہ رابطے عموماً اور خاصکر جبکہ اغراض خسیس ہوں نہایت بے ثبات ہوتے ہیں اور سریع الانقطاع مجھ کو توقع یہ ہے کہ تمنے خود اس کا تجربہ کرلیا ہوگا ورنہ میرا اس وقت کا کہنا چاہو لکھ رکھو کہ تمہارے اتنے دوست ہیں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ دو برس تک بھی صحبت یوں ہی چلی جائے تو جاننا کہ بہت چلی خیال کو اور وسعت دو تو یہی حال ہے دنیا کے تمام جسمانی تعلقات کا غیروں کی کیا شکایت دوسروں کا کیا گلہ اپنے ہی اعضا وجوارح اور اپنی ہی قوتیں کب تک کی ساتھی ہیں۔ دیکھو مجھ جیسے بوڑھوں کو ایک بصارت سے معذور ہے تو دوسرا ثقل سمع سے مجبور کسی کی بھوک تھکی ہوئی ہے اور کسی کے ہاضمے میں فتور۔ پیری وصد عیب زندہ در گور دنیا کی یہی بے ثباتی دیکھ کر جن کی عقلیں سلیم ہیں فانی لذتوں کے گرویدہ اور عارضی شغلوں

کے فریفتہ نہیں ہوتے جس قدر میں نے تم سے کہا اگرچہ ضرورت سے بہت کم کہا مگر مجھ کو تمہاری طینت کی پاکیزگی سے امید ہے کہ انشاء اللہ رائگاں نہ جائیگا اور خدا نے چاہا تو میں دعا بھی کرونگا کہ تمہارے دل میں سوچنے اور غور کرنیکا شوق پیدا ہو مگر قاعدہ ہے کہ دنیا میں کوئی مبتذل سے مبتذل فائدہ بھی بے طلب نہیں ملتا سچ ہے کہ جبتک بچہ روتا نہیں ماں بھی دودھ نہیں دیتی پس دین کے عمدہ اور دائمی فائدے بدرجۂ اولی طلب پر موقوف اور پے روی پر منحصر ہونے چاہئیں اور وہ تمہارے کرنیکا کام ہے۔ دین کے کام ہیں تو دل سے متعلق اور کوئی شخص دوسرے کے خیالات یعنی دلی حالات پر مطلع ہو نہیں سکتا مگر خیالات کی اصلاح سے ارادے کی اور ارادے سے افعال کی طرز تمدن کی وضع کی گفتگو کی نشست و برخاست کی حرکات و سکنات کی سبھی چیزوں کی اصلاح ہوتی ہے یعنی انسان کا ظاہر حال اُس کے دل کا ترجمان ہوتا ہے۔ پس تم کہو یا نہ کہو خود بخود منکشف ہوتا رہے گا کہ جس راستے پر میں نے تم کو لگا دیا ہے تم نے اس میں چلنا شروع کیا یا نہیں :-

چودھویں فصل مبتلا پر میر متقی کے وعظ کا کہاں تک اثر ہوا

مبتلا کو جب چچا نے پکڑ کر نصیحت سننے کے لئے بٹھایا تھا تو خواہ مخواہ اس کی طبیعت میں از خود ایک ضد سی آگئی تھی تاہم تھوڑی دیر ادب کیوجہ سے دم نہ مار سکا اور پھر تو میر متقی کی باتوں پر ایسا ریجھا کہ آنکھیں اور منہ دونو کھلے کے کھلے رہ گئے اور جب تک میر متقی نے بات کو ختم نہیں کیا مبتلا کو کوئی دیکھتا تو کیا معلوم ہوتا کہ بس حیرت کا ایک پتلا ہے چچا کے پاس سے چلے جانے کے بعد بھی کئی دن تک وہ مبہوت سا رہا اس کا دل تو مان گیا

تھا کہ چچا نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا مگر جس بات کی آن پڑ گئی تھی اُس کو بدلتے ہوئے اُس کا جی ہچکچاتا تھا۔ آوارگی اُس کی طبیعت میں یہانتک سما رہی تھی کہ ترک وضع کرتے ہوئے اس کو عار آتی تھی وہ سوچتا تھا کہ چچا کے کہنے پر چلوں تو دوست آشنا کھانا پہننا سیر تماشا تفریح تمامی مشاغل سب کو یک دم سے چھوڑ دوں یعنی ترک دنیا کر دوں تو پھر جیوں کیونکر اور فرض کیا کہ جبراً قہراً میں نے ترک دنیا کیا بھی تو لوگ مجھکو کیا کہیں گے آخر پرہیزگار ہوں تو پورا پورا بنوں جیسے چچا۔ زربفت کی ٹوپی خلاف ثقات تو اب میں پہننے سے رہا ناچار شملہ۔ ڈوپٹا۔ عمامہ باندھنا پڑیگا اور اس کی زد میں بابوں کی جیسی گت بنے گی ظاہر۔ تو ضرور ہوا کہ سب سے پہلے سر منڈاؤں منڈے سر پہ یہ خشخاشی ڈاڑھی اور چڑھی ہوئی مونچھیں کیا بھلی لگیں گی تو لازم آیا کہ ڈاڑھی چھوڑوں اور مونچھوں کو سیدھا کروں پھر ایسی مقطع صورت پر گلے میں کرتہ نہ ہو تو خیر نیچی چولی کا انگرکھا اور ٹانگوں میں ایک برکا گھٹنا اس وضع سے کیا مُنہ لیکر بازار میں نکلونگا۔ ساری عمر کبھی مسجد میں جانیکا اتفاق نہیں ہوا اب جو ایکدم سے جا کھڑا ہوں تو جتنے نمازی ہیں سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھ کو گھور ینگے غرض جن کو چھوڑتا ہوں اور جن میں جا کر ملتا ہوں سبھی کا انگشت نما ہونا پڑیگا۔ مبتلا اسی پس و پیش میں تھا کہ میر متقی ایک دن اس کو وضو کرا کپڑے بدلوا اپنے ساتھ جمعے کی نماز میں لے گئے اور اس کے بعد سے جبتک رہے جب نماز کو جاتے مبتلا کو گھر سے ساتھ لیکر نکلتے۔ غرض مبتلا کی وہ جھجک تو جاتی رہی اور اس کی وضع میں بھی رفتہ رفتہ اصلاح آتی چلی۔ اگر میر متقی کا دو تین مہینے بھی اور رہنا ہو جاتا تو مبتلا کے درست ہو جانے میں کوئی کسر نہ تھی ابھی میر متقی نے کیا ہی کیا تھا مبتلا کو صرف ایک وعظ سنایا صرف اتنی غرض سے کہ اس کی غفلت کو تازیانہ ہو۔ دیندار بھلا مانس بنتے ہوئے ؤ

چھپتا تھا اس کی شرمندگی مٹا دی۔ اگر زیادہ رہنے کا اتفاق ہوتا خدا جانے کتنے وعظ
اور کہتے اور کیا کیا اس کو سکھاتے سمجھاتے وہ تو اچھی طرح جانتے تھے کہ برسوں کے
جمے ہوئے زنگ ہیں یہ کیا ایک رگڑے سے چھوٹنے والے ہیں حسن پرستی کا وہ بڑا سخت
عیب بھی جو گویا مبتلا کی گھٹی میں داخل تھا میر متقی موقع پاکر اس کا علاج کرتے پر کرتے
مگر مبتلا کو تو اپنے اعمال کی شامت بھگتنی تھی:۔

پندرھویں فصل میر متقی کا دفعتاً بے وقت رامپور روانہ ہونا اور مبتلا کو سید حاضر اور عارف کے سپرد کر جانا

میر متقی نے مبتلا کی اصلاح پر توجہ شروع کی تھی کہ اتنے میں چپکے چپکے اس گمنام عرضی کی
تحقیقات ہونے لگی جو ناظر کی شرارت سے میر متقی کی شکایت میں گورنر کے پاس پہنچی تھی
اور تو کچھ حال نہ کھلا مگر خلاف عادت پولیس کے لوگ وقت بے وقت کوئی وعظ سننے کے
بہانے سے کوئی نماز کے حیلے سے آمد و رفت کرنے لگے۔ ان میں جو زیادہ ہوشیار تھے
چھٹتے دے دے کر ٹیڑھے ٹیڑھے مسئلے پوچھتے تھے۔ مثلاً یہ کہ کیوں حضرت ہندوستان
آپ کے نزدیک دار الحرب ہے یا نہیں۔ انگریزوں سے اور ہندو سے سود لینا روا ہے یا
نہیں۔ انگریز اگر کابل پر چڑھائی کریں اور ایک پلٹن کو امیر کے مقابلے میں لڑنے کا
حکم دیں اور ایک مسلمان اس پلٹن میں پہلے سے نوکر ہو تو اس کو کیا کرنا چاہئے مہدی
جنہوں نے مصر میں خروج کیا ہے مہدی موعود ہیں یا نہیں اور ان کو مدد دینا ازروئے
شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے۔ انگریزی دواؤں کا استعمال درست ہے یا نہیں کچہری
سے برابر سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں اس سود کا دینا گناہ ہے یا نہیں۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا

اور لباس اور طرزِ تمدن میں اُن کے ساتھ تشبہ کیا حکم رکھتا ہے میر متقی جہاں دیدہ آدمی
تھے اِن باتوں کو دیکھ کر اُن کے کان کھڑے ہوئے اور سمجھے کہ ضرور دال میں کچھ
کالا ہے، کوتوال شہر سے معرفت اور دور کی صاحب سلامت تو تھی ہی ایک دن جمعے
کی نماز کو جاتے ہوئے راہ میں کوتوال سے آمنا سامنا ہو گیا میر صاحب نے کہا مجھ کو
آپ سے کچھ کہنا ہے وقتِ فرصت معلوم ہو تو میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کوتوال نے کہا
آج بعد نماز مغرب میں خود آپکی خدمت میں حاضر ہونگا۔ غرض کوتوال کے تشریف لانے پر تخلیہ ہوا
تو میر صاحب نے فرمایا کیوں کوتوال صاحب ماجرا کیا ہے کہ چند روز سے پلس کے لوگ
میری نگرانی کرنے لگے ہیں میں دیکھتا ہوں کہ جتنی دیر میں باہر رہتا ہوں پولیس کا ایک نہ
ایک آدمی ضرور موجود ہوتا ہے مسئلے پوچھتے ہیں تو بیجا، باتیں کرتے ہیں تو اُکھڑی ہوئی
میں نے دھوپ میں ڈاڑھی سفید نہیں کی یہ لوگ مجھسے چھپاتے ہیں اور میں سب
سمجھتا ہوں مجھسے پردہ کرتے ہیں اور میں اُن کے تیور سے پہچانتا ہوں۔ آپ کو معلوم
ہے کہ میں یہاں کا رہنے والا نہیں سات برس بعد سفرِ حجاز سے واپس آیا رامپور جانا چاہتا
تھا میں نے کہا کہ لاؤ لگتے ہاتھ بھائی سے ملتا جاؤں یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ بھائی کا انتقال
ہو چکا ہے اُنکے معاملات خانہ داری کو دیکھا سب ابتر ناچار ٹھیرنا پڑا۔ اکثر معاملات
خدا کے فضل سے درست ہو گئے ہیں بعض باتیں باقی ہیں۔ اگر میرے حال سے تعرض
نہ بھی کیا جائے تاہم تین چار مہینے سے زیادہ مجھ کو ٹھیرنا منظور نہیں اور ٹھیر سکتا بھی
نہیں لیکن اس نظربندی کی حالت میں تو میں ایک دن نہیں رہ سکتا بے اطمینانی
کی وجہ سے وہ مطلب بھی فوت ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں ٹھیرا ہوں میری سمجھ میں نہیں
آتا کہ میں نے سرکار کا ایسا کونسا قصور کیا ہے۔ درس میں نہیں دیتا کہ میرے

ساتھ طالب العلموں کا ہجوم ہو صاحب سلسلہ میں نہیں کہ مریدوں کا گروہ میرے پاس جمع رہے خطا یا قصور اگر ہو تو یہی کہ جو کوئی اللہ کا بندہ پاس آبیٹھتا ہے تو نصیحت کی دو چار باتیں اُس سے کہہ دیتا ہوں اور یہ کام ایسا ہو کہ دنیا کی حکومت کیسی ہی قاہرہ کیوں نہ ہو مجھکو اس سے باز نہیں رکھ سکتی نصیحت تو لوگوں کو میں نے کی ہو اور کرتا ہوں اور آیندہ بھی جہاں رہوں گا کرونگا۔ ضرور کرونگا اگر یہ بغاوت ہے تو میں پکار کے کہتا ہوں کہ میں باغی۔ سرکار کو اختیار ہو مجھے قید کرے مگر انشاء اللہ وہاں بھی قیدیوں کو نصیحت کرتا رہونگا۔ سرکار شاہنشاہ زبردست اور میں اُس کی ایک ادنےٰ رعیت میرے واسطے ایسی کارروائی کی کیا ضرورت ہے اگر کچھ اشتباہ پیدا ہوا ہو مجھ کو علی رؤس الاشہاد طلب کرے میں جواب دہی کو اور اگر قصور ثابت ہو تو سزا کو حاضر ہوں۔ مگر ابناے جنس کی نظر میں ناحق نکو بنا نا مشتبہ ٹھیرانا شیوہٗ انصاف سے بہت بعید ہے۔ کوتوال یہ سب باتیں چپ بیٹھا ہوا سنتا رہا اور آخر بولا تو یہ بولا کہ میں ارادتمندانہ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جب حضرت کا ارادہ تین چار مہینے بعد خود رامپور روانہ ہونیکا ہو اگر ابھی قصد فرمائیے تو مناسب ہے۔ یہاں کا اگر کوئی کام مجھ کو سپرد کر جائیے انشاء اللہ اُس کا سرانجام خاطر خواہ میرے ذمے۔ میرمتقی نے سمجھا کہ اب ٹھیرنا مصلحت نہیں اور زیادہ کاوش کرنے سے بھی کچھ حاصل نہیں فوراً سفر رامپور کا ارادہ کر دیا غیر تیم باپ کے مرنے پر تو کیا روئی تھی جیسا کہ چچا کے جانے کا اُس نے ماتم کیا۔ مبتلا کے خیالات میں بھی تھوڑے ہی دنوں میں اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ اُس کو بھی یکایک چچا کے چلے جانیکا رنج ہوا میرمتقی نے ہر ایک کو اس کی جگہ تسلی دی۔ چلتے چلتے مبتلا سے اتنا کہہ گئے کہ سید حاضر کے خیالات بہت راستے پر آگئے ہیں اگر تم ان سے مشورہ لوگے تو امید ہے

کہ نیک صلاح کے دینے میں دریغ نہیں کرینگے یا میاں عارف جن کو تم میرے پاس اکثر دیکھتے تھے تمہارے مدرسے ہی کے طالب العلم ہیں بڑے اچھے دل کا لڑکا ہے ہے تو تمہارا ہمعمر مگر استعداد اور معلومات کے اعتبار سے پورا مولوی ہے بڑی خوبی اُس میں یہ ہے کہ اُس کے خیالات حکیمانہ اور شگفتہ ہیں میں نے اس سے بھی بتاکید کہدیا ہے اور وہ خود ہفتے میں ایک دوبار تمہارے پاس آیا کرینگے تم بھی اُن سے ربط بڑھا لینا اُن سے تمکو سب طرح کی مدد ملیگی

سولھویں فصل میر متقی کے چلے جانیکے بعد مبتلا کس رنگ میں رہا

مبتلا کی تو اس وقت بعینہ ایسی مثال ہو گئی کہ ایک مریض مرض مہلک میں گرفتار ایک طبیبِ حاذق نے اُس کا علاج شروع کیا ارادہ تھا کہ منضج ہوں منضجوں کے بعد مسہل مسہلوں کے بعد تبرید پھر معجونات کا استعمال کرایا جائے۔ ابھی منضج بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ طبیب صاحب تشریف لے گئے سید حاضر اگرچہ اس کا پھوپھی زاد بھائی تھا مگر رشتہ داری کے جھگڑوں کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ اُنس نہ تھا رہ گئے میاں عارف مولوی تھے حکیم تھے شگفتہ خیال تھے سب کچھ تھے مگر مبتلا کے چچا تو نہ تھے مبتلا کو انکا کیا لحاظ اور انکو مبتلا کا کیا درد پھر بھی بیچارے نے خدا اُنکو جزائے خیر دے میر متقی کے کہنے پر اتنا تو کیا کہ ہر کے ہر جمعے کے جمعے مبتلا کے پاس آتے اور گھنٹے دو گھنٹے بیٹھکر چلے جاتے اسی طرح مبتلا بدھ کے بدھ اور اتوار کے اتوار عارف کے گھر جاتا اور یوں ایک دن بیچ دونوں کی ملاقات کا سلسلہ بندھ گیا اس سے اتنا تو ہوا کہ مبتلا کے پرانے یار دوستوں کو اس پر احاطہ[1] کرنیکا موقع نہ ملا اور جس دھرّے پر چچا نے اس کو لگا دیا تھا اس پر تھوڑا چلا سُست چلا بدبر چلا مگر چلا۔ دینداری میں اگر سچ پوچھو تو مبتلا نے ترقی

[1] شارع عام ۱۲

نہیں کی مگر اُس کا اتنا سنبھلا رہنا بھی غنیمت ہوا کہ پھر اُس نے آوارگی نہیں کی وہ نماز بھی پڑھ لیتا تھا مگر گنڈے وار آپ ہی کی بات تھی اگر اہتمام نہیں کرتا تھا تو پہلے کی طرح اُن پر ہنستا بھی نہ تھا اُس کی ظاہری وضع میں بھی اگلی سی سخافت باقی نہ تھی جب سے باپ مرے اُس نے گھر میں سونا بالکل چھوڑ دیا تھا چچا کے آنے سے وہ پھر گھر میں سونے لگا تو اُن کے چلے جانے کے بعد وہی معمول رکھا غرض مبتلا دیندار نہیں تو ایک خانہ دار بھلا آدمی بن گیا تھا جیسے اکثر لوگ ہوتے ہیں مگر حسن پرستی کی لَت کہ ہر روز دو ایک بار اُسکو اُبھرتی رہتی تھی

سترھویں فصل حسنِ صورت پر مبتلا اور عارف کا مباحثہ

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ عارف کے آنے کا وقت تھا اور مبتلا بیٹھا ہوا اُن ہی کی راہ دیکھ رہا تھا بیٹھے بیٹھے اُسی حسن پرستی کے خیال میں ایسا محو ہوا کہ عارف سر پر آ کھڑے ہوئے اور اُس نے عادت کے مطابق نہ تو اُن کا استقبال کیا اور نہ کھڑے ہو کر اُنکو تعظیم دی جب عارف نے جھک کر السلام علیکم کہا تب سٹ پٹا کر کھڑا ہونے لگا مگر عارف بیٹھ چکے تھے انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اپنی برابر بٹھا لیا اور پوچھا کہ خیر ہے آج کس خیال میں مستغرق تھے مبتلا نے ٹالنا چاہا عارف نے اصرار کیا کہ نہیں کوئی بات تو ضرور ہے جس کو تم اس قدر غور کے ساتھ سوچ رہے تھے مبتلا۔ غور کے بارے میں تو چچا نے مجھ پر بڑی سخت تاکید کی ہے۔ عارف بلاشبہ اُن کا فرمانا درست ہے۔ غور کے معنی کیا ہیں عقل سے کام لینا اور انسان نے اگر عقل ہی سے کام نہ لیا تو اُس میں اور دوسرے حیوانات میں کوئی ما بہ الامتیاز نہیں مگر پوچھنے سے میری غرض یہ تھی کہ اگر وہ بات مجھ پر ظاہر ہو تو جہانتک مجھ سے ممکن ہو تمہاری مدد کروں۔ تمہارے چچا نے جنکو میں اپنے والد کی جگہ سمجھتا ہوں تمسے غور کرنیکو کہا

اور مجھ سے تمہاری مدد کرنیکو پس اگر تم اُن کے کہنے کے مطابق غور کرتے ہو تو اُن ہی کے ارشاد کے موافق مجھ سے مدد بھی لو۔ مبتلا۔ جس بات کو میں سوچ رہا تھا اکثر سوچا کرتا ہوں مگر ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا تاہم اتنا تو جانتا ہوں کہ آپ سے اُس میں کچھ مدد ملنے کی توقع نہیں۔ عارف۔ جبتک تم اُس بات کو مجھ سے بیان نہ کرلو اور میں جواب دے دوں کہ میں کچھ نہیں کرسکتا اُس وقت تک تم کو میری مدد سے ناامید ہونیکا کوئی محل نہیں۔ مبتلا۔ اچھا تو آپ مدد کرنیکا وعدہ کرتے ہیں۔ عارف۔ اجی تم سے کیا وعدہ کرونگا میں تو وعدہ کرچکا ہوں جناب میر متقی صاحب سے۔ مبتلا۔ اُس خاص بات کا اس وقت تک کچھ مذکور نہ تھا۔ عارف۔ مجھ سے جناب میر صاحب نے کسی بات کا مذکور نہیں کیا عام طور پر تمہاری مدد کرنیکو فرمایا اور میں نے اُس کو تسلیم کیا اس سے بڑھکر اور وعدہ کیا ہوگا۔ مبتلا۔ آپ کو میرے خانہ داری کے حالات معلوم ہیں۔ عارف۔ جس قدر حالات جناب میر صاحب کو معلوم تھے مجھکو بھی معلوم ہیں۔ مبتلا۔ بھلا چچا باوا نے آپ سے میری خانہ داری کے بارے میں کبھی کچھ کہا تھا۔ عارف۔ اکثر اس بات کا سخت افسوس کیا کرتے تھے کہ بی بی کے ساتھ تمہارا معاملہ درست نہیں۔ مبتلا۔ نادرستیِ معاملہ سے اُن کی کیا مراد تھی۔ عارف۔ مراد یہ تھی کہ تم کو بی بی کے ساتھ اُنس نہیں محبت نہیں۔ مبتلا۔ بھلا اِسکا کچھ سبب بھی انہوں نے بیان کیا تھا۔ عارف۔ ہاں یہ فرماتے تھے کہ تمہارے مزاج میں آوارگی ہے حُسن پرستی کے مزے پڑے ہوئے ہیں دل میں یہ خبط سما رہا ہے کہ میں حسین ہوں بی بی نظروں میں بھرتی نہیں۔ مبتلا۔ کیا چچا باوا اِس بارے میں بھی کچھ کرنے کو تھے۔ عارف۔ بیشک فرماتے تھے کہ مطالب کو تو میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا ہے اب موقع کی تاک میں ہوں۔ مبتلا۔ شاید اُن کا ارادہ تھا کہ اسپر بھی کوئی وعظ کہیں مگر بھلا ہوا کہ اسکی نوبت نہ آئی

ورنہ چار و ناچار مجھ کو مخالفت کرنی پڑتی۔ عارف۔ کچھ تم نے پہلے وعظ کی مخالفت کی ہو گی کہ اس کی کرتے۔ مبتلا۔ پہلے وعظ میں چچا باوا نے کسی بات میں واقعات کی مخالفت نہیں کی اس سے میں نے اُن کی مخالفت نہیں کی مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خوبصورتی کے بارے میں وہ کہتے تو کیا کہتے۔ عارف۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کہتے مگر اتنا انہوں نے ضرور کہا تھا کہ جس قدر اُس کو حسن کے ساتھ فریفتگی ہے انشاء اللہ اسی قدر نفرت کرنے لگے تو سہی۔ مبتلا۔ (چونک کر) میں اور حسن سے نفرت تو یوں کہیے کہ میرے سر سے دماغ کو اور دماغ سے عقل کو اور عقل سے سلامت کو سب کو سلب کر لینے کے فکر میں تھے۔ بھلا آپ چچا باوا کے اس ارادے کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں۔ عارف۔ میں تو جناب میر صاحب کی شان کو اس سے بہت ارفع سمجھتا ہوں کہ غلط بات اُن کے منہ سے نکلے یا اُن کے کلام میں مبالغہ ہو۔ اُن کو خدا نے علم کی دینداری کی خلوص کی۔ خیر خواہی خلائق کی۔ گویائی کی بہت سی قوتیں دی ہیں۔ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ انہوں نے چھٹانک بھر کو کہا تو من بھر کر دکھاتے مگر افسوس ہے کہ یکایک اُن کا چلنا ٹھہر گیا۔ مبتلا۔ آپ بھی تو اُن کے شاگرد رشید ہیں حسن سے نفرت نہیں تو خیر اتنا ہی کیجیے کہ کسی طرح میری یہ شورش تو فرو ہو کہ مجھے اس تصور میں نہ رات کو نیند ہے نہ دن کو قرار ہے۔ یہ کیا بلا میرے سر پر سوار ہے۔ عارف۔ کبھی تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ حسن کیا چیز ہے اور لوگوں کو اس قدر فریفتگی حسن کے ساتھ کیوں ہے۔ مبتلا۔ یہ تو کوئی غور کرنے کی بات نہیں ہے۔ مرد۔ عورت۔ بوڑھا۔ جوان۔ شہری۔ دیہاتی۔ خواندہ۔ ناخواندہ ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ خوبصورتی اس کو کہتے ہیں تفصیل پوچھیے تو تمام شاعروں نے معشوقوں کے سراپا لکھے ہیں آپ کی نظر سے بھی تو ضرور گزرے ہوں گے۔ رند لکھنوی کا سراپا مرقع خوبی میرے نزدیک سب سے بہتر ہے۔

ل یعنی مبتلا کو ۱۲

اس سراپا میں کئی باتیں خاص ہیں! اول تو سر سے لے کر ناخنِ پا تک کسی عضو کو نہیں چھوڑا
دوسرے امردوں کا سراپا الگ ہے اور عورتوں کا الگ تیسرے اعضا کی ساخت کے علاوہ
اُن کی حرکات کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ چوتھے حسنِ خلقی اور حسنِ مصنوعی کا تفرقہ بڑے
عمدہ طور پر دکھایا ہے۔ غرض جو کچھ شعرا کے سراپاؤں میں ہے وہی حسن ہے! اور یہ جو آپنے
پوچھا کہ لوگوں کو اس قدر فریفتگی حسن کے ساتھ کیوں ہے تو یہ میرے نزدیک انسان کی
طبیعت کا خاصہ ہے۔ اور اس کیواسطے سوائے اس کے کہ آدمی کی طبیعت ہی خلقۃً حسن
کی طرف راغب واقع ہوئی ہے اور کوئی وجہ درکار نہیں۔ آپ کا یہ سوال بجنسہ اُسی طور کا ہے
جیسے کوئی پوچھے کہ کہربا گھاس کو اور مقناطیس لوہے کو کیوں کھینچتا ہے آگ کیوں جلاتی ہے۔
عارف شعرا نے جو خیالات سراپاؤں میں ظاہر کئے ہیں آپ کی سمجھ میں آتا ہے انکا ماخذ کیا
ہے۔ مبتلا میرے نزدیک ان تمام خیالات کا ماخذ وہی طبیعتِ انسانی ہے جو حکم کرتی ہے کہ اس
عضو کو اس وضع اور اس ساخت اور اس انداز کا ہونا چاہئیے۔ عارف۔ ہاں۔ لیکن اگر یہ خیالات
طبعی ہوتے تو ضرور تھا کہ سب آدمیوں کے ایک ہی طرح کے ہوں کیوں کہ آدمی آدمی
انسانیت میں سب یکساں ہیں تو اس کے یہی معنی ہیں کہ طبیعت انسانی سب میں یکساں ہے
اور طبیعت یکساں ہوئی تو چاہئیے کہ سب کے تقاضے یکساں ہوں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں جو ایک
کے نزدیک مطبوع ہے دوسرے کے نزدیک مکروہ مثلاً بڑی خوب صورتی رنگ کی ہے۔ کہنے
بھی ہیں ایک رنگ ہزار ڈھنگ لیکن رنگ کے بارے میں مذاق اس قدر مختلف ہیں کہ گورا
سُرخ وسفید۔ گندم گوں۔ ملیح۔ چمپئی۔ وغیرہ کتنی قسم کے رنگ ہیں جن کے پیچھے ہمارے
ملک کے لوگ سر دھنتے ہیں۔ لیکن فرض کرو کہ ان رنگوں میں سے کسی رنگ کا آدمی
افریقہ میں جا نکلے تو وہاں اس کی کیسی قدر ہو گی جیسی کہ ہمارے یہاں جذامی کی

یا مبروص کی۔ افریقہ کے باشندے بھی آدمی ہیں اُن کی طبیعتوں میں بھی ایسے ہی جوش
اور ایسے ہی ولولے پائے جاتے ہیں عشق و محبت اُن میں بھی ہے اُن میں بھی حسین ہیں
مگر اُن کے سراپا تمہارے سراپے سے بالکل مختلف۔ خاص خاص اعضا کی نسبت بھی
مذاقوں کے اختلاف کا یہی حال ہے۔ ہم پسند کرتے ہیں بالوں کی سیاہی جس کو ہمارے
شعرا تشبیہ دیتے ہیں شب دیجور سے کالی گھٹا سے مار سیاہ سے عاشق کی تیرہ بختی
سے ظلمات سے۔ اور اہلِ یورپ چاہتے ہیں بھورے بال سونے کے ہم رنگ اور سونا
بھی ہندوستان کا نہیں کیلیفورنیا کا پیلی۔ ہم ڈھونڈتے ہیں آنکھ موتی جو جسکی پُتلی
سیاہ ہو۔ صاحب لوگ نیلی کرنجی۔ چینیوں کی نسبت مشہور ہے کہ کمانیاں چڑھا چڑھا آخر
ناک کو بٹھا چھوڑا کیونکہ اُن کے نزدیک ناک کی اُٹھان سے چہرہ ناہموار ہوتا تھا
عورتوں کے پاؤں کو ایسا شکنجے میں کَسا کہ کھڑے ہونے سے انکار کر ثقل ہی ٹھکانے
پر نہیں رہتا ناچار گر گر پڑتی ہیں۔ ہمارے ہاں دانتوں کا وصف ہے صفائی اور چمک۔
چینیوں میں تیرگی اور سیاہی۔ افریقہ میں عورتیں دانتوں کو سوہن کر کے آرے کا
ہم شکل بناتی ہیں۔ انگریزنیں ساری دنیا کی عورتوں پر ہنستی ہیں کسی کے گہنے پر کسی کے
لباس پر کسی کے بالوں کی بندش پر کسی کے بناؤ سنگار پر اور خاصکر چینیوں پر اور ان کا
کہنا یہ ہے کہ انسان کی اصلی خوبصورتی اُس کی قدرتی بناوٹ میں ہے مگر جس وقت اپنی
بہنوں پر جو دوسرے ملکوں کی رہنے والیاں ہیں ہنستی ہیں اُن کو اپنی کمر یاد نہیں رہتی
مختلف ملکوں کی تاریخیں اور جغرافیے پڑھو تو معلوم ہو کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات
کس قدر مختلف ہیں۔ قومی اختلافات سے اُتر کر شخصی اختلافات پر آؤ تو ہر جگہ وہی معاملہ
ہے کہ ع لیلی را بچشم مجنوں باید دید۔ غرض جہاں تک غور کیا جاتا ہے حسن کا کوئی مفہوم متعین

نہیں ٹھیرتا پس مفہوم حسن کو انسان کا طبعی خیال سمجھنا غلط ہی بلکہ وہ ایک شخصی خیال ہی۔ مبتلا۔
یہ تو ایک لفظی بحث ہی حسن کی نسبت میرا خیال طبعی ہو تو اور شخصی ہو تو نتیجہ واحد ہی کہ مجھ سے
بدون حسن کے صبر نہیں ہو سکتا۔ عارف۔ واہ واہ لفظی بحث کی بھی خوب کہی اجی حضرت یہ تو علم
اخلاق کا ایک بڑا ضروری مسئلہ ہی جتنی باتیں طبعی ہیں یعنی تقاضائے طبیعت انسانی سے
سرزد ہوتی ہیں کسی کے روکے رُک نہیں سکتیں ان کی تبدیل میں کوشش کرنا محض لا حاصل ہے
اور مطلق بے سود۔ مگر جن کو میں نے شخصی سے تعبیر کیا ہے ضرورتیں ہیں ادّعائی حاجتیں
ہیں تکلفی جن کو آدمی عموماً نہیں بلکہ افراد خاص اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ اگرچہ اُن
ادّعائی ضرورتوں کا تقاضا کبھی طبعی ضرورتوں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے مگر پھر بھی
چونکہ تقاضائے طبیعت نہیں ہی اُس کی شورش کو فرد اُس کی تیزی کو مدھم کرنا ممکن ہے،
مثلاً مطلق کھانا پینا تقاضائے طبیعت انسانی ہی اور کسی تدبیر سے یہ خواہش دفع نہیں
ہو سکتی مگر خاص قسم یا خاص ذائقے یا خاص کیفیت کے کھانیکا التزام تقاضائے طبیعت انسانی
سے خارج ہی۔ جو لوگ شراب یا افیون یا مدک یا چنڈو یا گانجے یا چرس یا تاڑی یا حقے
یا کسی قسم کے نشے کی عادت ڈال لیتے ہیں اُس کی طلب میں ایسے بے قرار ہو جاتے
ہیں جیسے بھوبھل میں مچھلی تاہم یہ ایک ضرورت ہے جس کو اُن کی طبیعت شخصی تقاضا
کرتی ہے نہ طبیعت انسانی۔ اسی طرح خداوند تعالےٰ کی حکمت کاملہ نے نوع انسان کے باقی
رہنے کے لیئے ایک قاعدہ ٹھیرا دیا ہی کہ دو طرح کے آدمی بنائے مرد اور عورت اور دونو
کے لیئے عمر کا ایک وقت مقرر کر دیا کہ جب اُس حد پر پہنچیں تو دونوں از خود ایک دوسرے
کی طرف رغبت پیدا ہو بس یہاں تک اور صرف یہیں تک تو تقاضائے طبیعت انسانی
ہے جیسے مطلق غذا اور اس سے بڑھکر کہ جس کی طرف رغبت کرتا ہے پورا یا ادھورا

رند کے سراپا کا مصداق ہوا زقبیل نشہ ہو۔ اور جہاں انسان کے اور ہزار ہا لغویات ہیں۔ کہ شاید دس ہزار آدمیوں میں ایک بھی اُن سے محفوظ نہیں ایک طرح کی لغویت حسن پرستی بھی ہے بھلا کوئی مجھکو اتنا تو سمجھا دے کہ طبیعت انسانی جس رغبت کا تقاضا کرتی ہو اُس سے اور رند کے یا کسی دوسرے شاعر کے سراپا سے کیا مناسبت۔ مبتلا۔ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ اُسی رغبت میں جس کا طبعی ہونا آپ تسلیم کرتے ہیں سراپا کو ایسا مدخل ہو جیسا غذا میں مسالے کو۔ عارف۔ بالکل غلط مسالہ جز وغذا ہوتا ہو۔ داخل غذا اور خود غذا۔ مبتلا۔ حسن کی نسبت آپ کی رائے تمام دنیا کی رائے کے خلاف ہے۔ اور اگرچہ بادی النظر میں آپ کی دلیل لاجواب معلوم ہوتی ہو مگر چونکہ فی الواقع ایک عالم فریفتۂ حسن ہو اور ازانجملہ میں بھی ہوں گو آپ کو قائل نہ کرسکوں تاہم دل ہو کہ حسن کے تصور سے پگھلا جاتا ہو۔ عارف۔ اگر دنیا عبارت ہے اُن لوگوں سے جن کو تمہاری طرح حسن پرستی کا خبط ہے تو بلا شبہہ تمہارا کہنا درست ہے مگر زیادہ نہیں تو اپنی ہی معرفت کے مثلاً دس گھر معین کرو اور دیکھو کہ اُن میں کتنے آدمی ہیں پھر اُن میں اپنے جیسے عاشق مزاج منتخب کرو تب تم کو معلوم ہو کہ جنونِ عشق عالمگیر ہے یا نہیں۔ اور ایک بات میں تم سے اور بھی کہتا ہوں کہ یہ تمام خرمستیاں پیٹ بھرے کی ہیں۔ ایک۔ اور دوسرے یہ روگ اکثر شہریوں ہی کو ہوتے دیکھا اور تم نے اپنے دل کا جو حال بیان کیا اس کو میں مانتا ہوں لیکن بُرا مت ماننا مدرسے کے تمام طالب العلموں میں تم سب سے زیادہ معروف و مشہور تھے مگر کس بات میں مدرسے کے چند آوارہ اور بدوضع نوجوان لڑکے تمہاری محبت کا دم بھرتے تھے اور اُنہوں نے گفتار سے کردار سے یہ بات تم پر ثابت کر دی تھی کہ تم بھی حسین ہو۔ آدمی فربہ شود از راہِ گوش۔ سنتے سنتے وہ خیال تمہارے ذہن میں

راسخ ہوگیا جب خود جوان ہوئے اس خیال کا پیرایہ بدل گیا۔ **شعر**

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر	بارے ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

مبتلا۔ آپ مولوی ہوکر داب مناظرہ کا لحاظ نہیں رکھتے آپ کا دعوےٰ یہ ہے کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات طبعی نہیں بلکہ شخصی ہیں اور اس دعوے کے اثبات میں آپ میری خاص حالت سے استدلال کرتے ہیں دعوےٰ عام ہے اور دلیل خاص۔ دنیا میں ہزارہا آدمی حسن پرست ہیں تو کیا سب کی حسن پرستی کا یہی سبب ہوسکتا ہے کہ میری طرح وہ بھی حسین ہیں۔ عارف۔ تم نے اچھی طرح خیال نہیں کیا جیسا میرا دعوےٰ عام ہے ویسی ہی میری دلیل بھی عام ہے اور تمہارا تذکرہ تمثیلاً تھا نہ استدلالاً میری دلیل یہ ہے کہ حسن کی نسبت مختلف ملک کے باشندوں اور مختلف قوموں اور مختلف شخصوں کے مذاق مختلف ہیں اور اگر طبعی ہوتے تو مختلف نہ ہوتے۔ مبتلا۔ آپ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اقتضاءات طبیعت انسانی تمام دنیا میں یکساں ہیں مگر میرے سمجھنے میں تو یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی میں دیکھتا ہوں کہ روے زمین کے مختلف قطعات میں مختلف طور کی آب ہوا اور مختلف طور کی پیداوار ہے اور آب ہوا اور پیداوار کے اختلاف سے باشندوں کے طبائع کا مختلف ہونا ضرور ہے چنانچہ بعض ملکوں کے لوگ آرام طلب ہوتے ہیں اور بعض کے جفاکش بعض کے غصیلے زود رنج بعض کے متحمل بردبار بعض کے بہادر دلیر بعض کے بزدل ڈرپوک بعض کے سیدھے سادے بعض کے مفسد چالاک اور باایں ہمہ اختلافات یہ سب خصائص طبعی سمجھے جاتے ہیں اسی طرح حسن کی نسبت لوگوں کے مذاق مختلف ہوں مذاقِ حسن پھر بھی طبعی ہی کہا جائیگا۔ عارف۔ جن خصائص کے خیال پر تم مذاقِ حسن کے اختلاف کو قیاس مع الفارق کرتے ہو وہ خصائص طبعی اور کیمیائی

ہیں آب وہوا اور غذا کی حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست خون پر اثر کرتی ہے گرم ملکوں کے لوگوں کے مسامات کشادہ خون گرم اور رقیق اور اُس کی گردش تیز اور سرد ملکوں میں اس کے بالکل خلاف اور یہی وجہ ہے کہ گرم ملکوں کے لوگ آرام طلب غصیلے اور تیز دل اور ذہین ہوتے ہیں لیکن آب وہوا اور غذا کو اس طرح کا مدخل مذاق حسن میں ہو نہیں سکتا اور اگر ہے تو اس کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے ہاں اگر یہ کہو کہ بعض گرم ملکوں کے لوگوں میں توالد تناسل کی رغبت جلد پیدا ہوتی ہے یا وہ لوگ اس رغبت پر زیادہ حریص ہوتے ہیں تو میں اس کو مانتا ہوں کیونکہ مطلقاً اس رغبت کا طبعی ہونا مجھکو تسلیم ہے رہی عجلت اور حرص دونوں حرارت کے آثار کیمیائی ہیں مگر پھر پھر کر وہی بات آئی کہ اس رغبت طبعی کو شاعروں کے سراپا سے کہ وہی حسن ہے کیا تعلق ـ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کے کسی عضو کو بے سبب بے غرض بے مطلب کیوں اچھا یا بُرا کہہ سکتا ہے ـ مثلاً تمہاری ناک سے اگر کسی کی کوئی غرض متعلق ہو سکتی ہے تو وہ تم ہی ہو کہ تم اس سے سونگھتے یا سانس لیتے ہو اگر تمہاری ناک تمہارے کام اچھی طرح دیتی ہے تو وہ اچھی ہے مگر تمہارے لیئے ـ میرا کونسا مطلب تمہاری ناک سے اٹکا ہے کہ میں اسکو اچھا یا بُرا سمجھوں اور یہی حال ہے تمام سراپا کا جس کے پیچھے رندوں نے جز و کے جز و سیاہ کیئے ہیں ـ غرض تم کو دو باتیں ثابت کرنی چاہیئیں اول یہ کہ مذاق حسن تقاضائے طبیعت انسانی ہے ـ دوسرے یہ کہ توالد تناسل کی رغبت طبعی میں اسکو مدخل ہے ـ مبتلا ابھی تو میں اسی بات کو سوچ رہا ہوں کہ لوگوں میں مذاق حسن مختلف کیوں ہیں ـ عارف میں نے اِن باتوں کو برسوں سوچا ہے آخر اس بات سے دل کو تسلی ہو گئی کہ حسن صورت فی نفسہ کوئی چیز نہیں پھر یہ خیال پیدا ہوا تو کہاں سے پیدا ہوا ـ پہلے ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا

کہ شاید حسن کا ماخذ علمِ قیافہ ہو یعنی انسان کی روح اور جسم میں ایک تعلق ہے ایسا کہ اعضا کی ساخت اور وضع سے اُس کے دلی خیالات اور اخلاق پر استدلال کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے تجربے سے اس تعلق کو دریافت کر کے جمع کیا تو علمِ قیافہ مدوّن ہو گیا۔ جو لوگ علم قیافہ کے بڑے ماہر ہوتے ہیں آدمی کے اعضا کی بناوٹ سے اُس کے خصائص طبیعت کو پہچان جاتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اعضا کی جو وضع محاسنِ اخلاق پر دلالت کرتی ہو اُس کو اچھا سمجھنے لگے ہوں لیکن جن لوگوں کے حُسن کا بڑا چرچا ہے اُن کو دیکھا تو من حیث الاخلاق سب سے بدتر پایا۔ معلوم ہوا کہ علمِ قیافہ تو حسن کا ماخذ نہیں ہو سکتا۔ آخر غور کرتے کرتے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جس طرح اب لوگوں میں اعلےٰ اور ادنےٰ اور شریف اور وضیع اور خواص اور عوام کا تفرقہ ہے ایسا ہی ابتدائے دنیا میں سب لوگ تو یکساں حالت میں نہیں رہے ہونگے۔ جسمانی قوت یا اعوان و انصار کی کثرت یا کسی دوسری وجہ سے بعض لوگ ضرور اکابرِ قوم سمجھے جاتے ہونگے اور قاعدہ یہ ہے کہ جسکو انسان اپنے سے بہتر اور برتر سمجھتا ہے اُس کی سبھی باتیں اُس کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ یوں سب سے پہلے حسن کا خیال پیدا ہوا ہو تو عجب نہیں اور پھر تو مثل دوسرے خیالات کے یہ خیال بھی اَباً عن جَدٍ متوارث ہوتا چلا آیا۔ اور یہی سبب ہے ملکوں میں مذاقِ حسن کے مختلف ہونیکا کہ ہر ملک میں جو شخص سب سے بہتر اور برتر تھا لوگوں نے اس ہی کو نمونۂ حسن قرار دے لیا۔ تم نے نپولین شاہِ فرانس کی تصویر تو دیکھی ہوگی اس کی ڈاڑھی تھی چُگّی اور ڈاڑھی کی خوبصورتی ہی بھری ہوئی گول مگر نپولین کے دیکھا دیکھی سارے فرانس نے اپنی ڈاڑھیاں چُگّی کر لیں اور اسی کو شعارِ خوبصورتی ٹھیرالیا اور چُگّی ڈاڑھی کا نام رکھا امپیریل بیرڈ یعنی شاہانہ ڈاڑھی۔ ہم لوگوں میں جو انگریزی وضع کھانے میں پہننے میں لباس میں نشست

وجہ خاست میں طرزِ تمدن میں ہر چیز میں وبا کی طرح پھیلتی چلی جا رہی ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انگریز ہیں وقت کے حاکم ان کی تمام ادائیں خوشنما لگتی ہیں۔ اور ہم لوگوں کے مذاق ہیں کہ یوماً فیوماً انگریزی طور کے ہوتے چلے جاتے ہیں تغیرِ خلقت تو اختیاری بات نہیں مگر رفتہ رفتہ مہندی اور وسمے کے عوض ہمارے یہاں کے بڈھے انڈے کی زردی کا خضاب تو ضرور کرنے لگیں گے حسن کی نسبت شخصی مذاقوں کی تاویل چنداں مشکل نہیں ایک شخص میں تمام محاسنِ صورت کا جمع ہونا تو کمیاب ہے اکثر یونہی ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے حسینوں میں بھی دو چار نقص ضرور ہوتے ہیں اب یہ پسند کرنیوالے کی تجویز پر منحصر رہا کہ چاہے جس پہلو کو ترجیح دے۔ بعضے رنگ پر مرتے ہیں اور بعضے نقشے کی نزاکت پر نظر کرتے ہیں بعضے حسن و ادا کے خریدار ہیں اور بعضے دامِ زلف کے گرفتار۔ مبتلا۔ حسن اگر صرف خصائصِ انسانی سے ہوتا تو جو ماخذ آپ نے بیان کیا بلاشبہہ قابلِ تسلیم تھا۔ مگر جمادات نباتات حیوانات غرض تمام موجودات میں کوئی چیز حسن سے خالی نہیں والدِ مرحوم زندہ تھے کہ ایک مقدمے کی پیلے روی کے لیئے انھوں نے ناظر بھائی کو گرمیوں کے دنوں میں نینی تال بھیجا اور مجھکو اُن کے ساتھ کیا یوں تو پہاڑ دھندلا دھندلا کئی منزل سے نظر آتا تھا مگر تین چار کوس کے فاصلے سے تو ہم اُس کو اچھی خاصی طرح سموچا دیکھنے لگے وہ صبح کا وقت اور پہاڑ کی چوٹیوں پر سفید براق برف گویا سنگھار میز پر بڑا قدِ آدم آئینہ لگا ہی کہ آفتاب سوتا اُٹھ کر پہلے شبنم سے منہ دھوئے اور پھر اپنا چہرہ اُس آئینے میں دیکھے اور جب چوٹیوں کے گرد اگرد شفق کی سرخی اور دامان کوہ کی سبزی پر آنکھ پڑتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نازنین گلابی دوپٹا اوڑھے اور ہری پشواز پہنے غرور سے کھڑا ہوا

اُس پاس کی چیزوں کی سیر دیکھ رہا ہو۔ شروع میں تھوڑی دیر تک تو اس کا شعور تھا کہ واقع میں پہاڑ ہو اور ہماری قوت متخیلہ نے اُس کو نازنین اور شفق و سبزے کو اُس کا لباس رنگین بنالیا ہو مگر آفتاب کی کرن نکلتے ہی اوپر برف کے کنارے اور نیچے ندی نالے سارے جگمگا اٹھے جیسے عین مین سچا گوٹا آب تو جو خیال تھا وہ حقیقت الحال ہوگیا۔ قوتِ نامیہ کا ہر طرف یہ زور شور کہ ایک چپا بھر جگہ سبزہ خودرو سے خالی نہیں۔ شاعر تو سبزے کو خوابیدہ باندھتے ہیں مگر وہاں کا سبزہ بیدار ہوا کے جھکولوں سے ہر وقت متموج بلا تصنع اُس وقت تو یہی خیال ہوآتا تھا کہ ہوا کے گدگدانے سے پہاڑ کے پیٹ میں ہنسی کے مارے بل پڑ پڑ جاتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے پگڑی سنبھالکر درختوں کو دیکھو تو ایسا شبہہ ہو کہ آسمان کی چھت بہت پرانی ہو چلی تھی شاید اُس کی آڑ واڑیں ہیں۔ رنگ برنگ کے جانور پھدک پھدک کر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر اُس طرح اڑتے پھرتے تھے کہ گویا جگہ جگہ پھلجھڑیاں کھیلی جا رہی ہیں غرض ہر چیز پر ایک قدرتی جوبن تھا کہ جی بے اختیار لوٹا چلا جاتا تھا۔ ایسے کسی موقع پر آپ کے جانیکا اتفاق ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ حسن ایک کیفیت خداداد ہے ہر جگہ ہے اور ہر چیز میں ہے۔ اسی نینی تال کے رستے میں ایک ندی ملی تھی اُس میں پتھر کی ہزاروں بٹیاں تھیں اُن میں بھی جو سڈول[1] تھی نہایت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ دنیا کی تمام صنعتیں تمام دست کاریاں کس غرض سے ہیں صرف اتنی بات کیلئے کہ چیزوں میں حسن پیدا ہو کسی انگریزی شاپ (دکان) میں میرے ساتھ چلئے تو میں آپ کو دکھا دوں کہ صرف مکان کی آراستگی کیلئے کیسا کیسا اسباب انگریزوں کی ولایت سے بنکر چلا آرہا ہے زندگی کے تمام ساز و سامان میں کون سی چیز ہے جس میں خوبی نہیں اور یوں آدمی

[1] خوش وضع ۱۲

آنکھوں پر ٹھیکری دھر لے اور بداہت کا انکار کرے تو اس کا علاج نہیں حسن کو
تقاضائے طبیعت ماننا آسان ہو یا ایک عالم کو مجنون اور مبتلائے خبط۔ عارف بات
کو بہت طول ہوتا جاتا ہے اور حجت اور تقریر سے کبھی کسی بات کا تصفیہ ہوا نہیں اور
مدت العمر کے جمے ہوئے خیال کا دفعتاً دل سے نکلنا بھی مشکل میں تم کو اتنی نصیحت کرتا ہوں
کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اُس کو مختلف اوقات میں تم خود سوچا اور میں نے بھی یہی کیا تھا
کہ مدتوں خود غور کرتا رہا یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آخرِ کار تم میری رائے کے ساتھ اتفاق
کرو گے یا نہ کرو گے مگر اس کا تو مجھ کو پورا یقین ہو کہ انشاء اللہ تمہاری یہ شورش تو ضرور
فرو ہو جائیگی۔ جس طرح تم دوسری چیزوں کا استحسان کرتے ہو یعنی مثلاً مینی تال کی
سیر سے تمہاری طبیعت کو ایک طرح کی تفریح ہوئی اگر اُسی طرح کی تفریح تمکو خوبصورت
آدمی کے دیکھنے سے ہو تو اس میں میرے نزدیک کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ
اس استحسان کو تم تقاضائے طبیعت بھی سمجھو تو چنداں مضائقہ نہیں مگر دل میں انصاف
کرو کہ اس استحسان کو اُس استحسان کے ساتھ کیا مناسبت۔ اور فرض کرو کہ استحسان
مردم یعنی حسن پرستی جیسا تم کہتے ہو تقاضائے طبیعت انسانی ہی سہی تو طبیعتِ انسانی
کے اَور بہت سے تقاضے ہیں مگر چار و ناچار اُن کو روکنا اور ضبط کرنا پڑتا ہے
سب میں زیادہ شدید تقاضا غذا کا ہے تاہم بعض اوقات طبیب حکم دیتا ہو کہ فاقہ
کرو اور فاقہ کرتے ہیں یا غریب آدمی کو ایک وقت کھانا میسر نہیں آتا اور وہ انتڑیوں
کو مسوس کر رہ جاتا ہو۔ اسی طرح تقاضائے حسن پرستی مطلق العنان تو رہ نہیں
سکتا حسن کمیاب اور اُس کے خواہاں بہت معشوقوں کے غمزہ و ادا سے شہید
ہونے کا انتظار بھی نہ کریں آپس ہی میں رقابت کی وجہ سے لڑ مریں اور مشکل یہ ہے

کہ کمیابی ٹھیری شرطِ حسن کیونکہ اگر حسین کثرت سے ہوں تو حسن بے قدر ہو جائے کوئی اُس کی طرف رغبت بھی نہ کرے۔ پس حُسن پرستی فی نفسہا ایسی خواہش ہے کہ ہزار خواہشوں میں ایک کی کامیابی کی بھی توقع نہیں۔ تو کیوں آدمی ایسی لت اپنے پیچھے لگائے کہ اُس سے سوائے رنج کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے۔ موقع پر آئی ہوئی بات کہنی ہی پڑتی ہے تمکو معلوم ہے کہ واقعی اور ادّعائی ضرورتوں کی شناخت کیا ہے قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس قدر زیادہ سہولت سے میسّر آسکتی ہو بس جان لو کہ ہم کو اُسی قدر زیادہ اُس کی حاجت ہے۔ مثلاً ہوا اور پانی اور غلّہ سب ضرورت ہی کی چیزیں ہیں۔ غلّے سے زیادہ پانی اور پانی سے زیادہ ہوا۔ مگر ہوا سب سے زیادہ سہل الحصول ہے پانی اُس سے کم اور غلّہ اُس سے بھی کم اسی طرح لوہا اور چاندی اور سونا اور موتی اور جواہرات۔ سب سے زیادہ بکار آمد لوہا ہے اور اسی کی زیادہ افراط ہے۔ پس حُسن اگر حقیقت میں ہمکو درکار ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کی افراط بھی ہوتی اور افراط ہوتی تو پھر حسن کہاں۔ حسن تو اُسی وقت تک حسن ہے کہ اُس کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہوں۔ مبتلا۔ آپ کا یہ فرمانا بالکل ٹھیک ہے کہ حسن کمیاب ہے اور جو ہے اُس پر دست رس کا ہونا مشکل اور میں اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ آپ تشریف لائے۔ مگر دنیا کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی مشکلیں پیش آتی ہیں اور یہ تو وہ لذتیں ہیں کہ دنیا کے سارے مزے اس کے آگے ہیچ ہیں بلکہ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ جب تک لذتِ حسن کا شمول نہ ہو دنیا کی کسی چیز میں کوئی مزہ ہی نہیں تو ایسے عمدہ مطلب کے حصول میں اگر جان تک کی بھی جوکھوں ہو تو کیا مضائقہ۔ اتنا خدا کا شکر ہے کہ دوسروں کو محال ہے اور مجھ کو آسان۔ عارف۔ کیوں تم میں خصوصیت کیا ہے کیا تم کہیں کے حاکم ہو یا تمہارے یہاں کچھ دولت پھٹ

پڑی ہو۔ مبتلا پس آپ کے نزدیک تو دنیا میں حکومت اور دولت دو ہی چیزیں ہیں
اچھی حضرت میں حسن کی دولت رکھتا ہوں۔ اب چند روز ہوئے چچا باوا کے لحاظ سے
میں نے آنا جانا چھوڑ دیا ورنہ شہر میں ایسا کون نازنین ہو جو مجھ کو پیار نہیں کرتا ذرا
میرا رُخ دیکھیں تو گلے کی ہار ہو جائیں مجھ کو حسن کی کیا کمی آج چاہوں تو ایک ریوڑ
پال لوں۔ عارف۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط میں تو سمجھا تھا
کہ تم کچھ عقل رکھتے ہو اب معلوم ہوا کہ عقل اور حیا اور غیرت اور عزت اور آبرو
اور مذہب کسی حیثیت سے تم کو بہرہ نہیں اور تمہاری حالت بڑی خطرناک حالت ہے
تم تو جناب میر متقی صاحب کے پاس برسوں رہو تب کہیں جا کر آدمی بنو تو بنو۔
تمہاری عقل کا تو یہ حال ہے کہ ابھی تک خوبصورتی کا خبط تمہارے سر سے نہیں
نکلا تم بات بات میں اس طرح منہ بھر بھر کر اپنے تئیں حسین اور خوب صورت کہتے
ہو کہ گویا حسن صوت بڑا جوہر ہی مرد ہو کر تم کو عورتوں کے ہنر پر ناز کرتے ہوئے
شرم نہیں آتی خوبصورتی کے خیال سے کچھ تم ہی اپنے دل میں خوش ہوتے
ہو گے۔ مگر غیرت مندوں کی نظر میں تو اس گورے چمڑے نے تمہارے سارے خاندان
کی عزت کو ڈبو دیا اور تم کو دنیا اور دین دونوں کے کام سے کھو دیا اور خیر جوان ہوئے
پیچھے وہ کمبخت خوبصورتی گئی گزری ہوئی تھی تو بچپن کے اس خیال کو جانے دیا
ہوتا نہیں۔ وہ خبط ہو کہ بدستور تازہ ہی منہ پر ڈاڑھی نکل آئی چہرہ پکا کیمخت ہو گیا وہ
رنگ و روغن وہ نرمی و نزاکت کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر خدا جانے وہ تمہاری خوبصورتی
کس حیثیت سے عبارت ہے کہ اسی میں فرق نہ آیا شہر کے نازنینوں کا حال تو معلوم
نہیں مگر مدرسے میں جو تمہارے چاہنے والے تھے وہ تو تمہارے رہنے ہی

ایک ایک کرکے تم سے بے رُخی کرنے لگے تھے اور کیا تمکو اس کا امتیاز نہوا ہوگا اور جب تمہاری وہ لڑکپن کی کیفیت بدل گئی کہ خیر وہ ایک طرح کی خوبصورتی تھی بھی تب بھی مردِ خدا تم کو تنبہ نہ ہوا کہ کیا ایسی بے ثبات اور ناپائے دار چیز کے درپے ہونا جو آج ہے اور کل نہیں۔ یہ کیفیت جو تم میں اب ہے، اگرچہ اس کو خوبصورتی سمجھنا تمہارا ہی ادّعا ہے مگر بُری یا بھلی جیسی ہے اسی کاش اس کو قیام ہو۔ جس نے تمکو بچپن میں دیکھا ہے اب ہے چار برس بعد پہچاننے کا بھی تو نہیں کہ یہ وہی مبتلا ہے یا دوسرا شخص ہے۔ میرے نزدیک تو خوبصورتی کا دعوے اب بھی تمکو زیب نہیں دیتا۔ مگر ایک وقت آنیوالا ہے اُس کو آیا ہوا سمجھو جبکہ تم خود پکار اُٹھو گے۔ دُریغا کہ عہدِ جوانی برفت۔ جوانی مگو زندگانی برفت"، ذرا خیالات کو اونچا کرو نظر کو تھوڑا آگے بڑھاؤ۔ یہ خواہشیں جن کا تم اس قدر اہتمام کر رہے ہو خدا نے گدھے۔ کتے۔ بندر۔ سور۔ ذلیل سے ذلیل جانوروں کو بھی دی ہیں بلکہ جانوروں میں یہ قوتیں آدمی سے بہت زیادہ ہیں۔ کیا آدمی کے لیئے شرم کی بات نہیں کہ جانوروں کی ریس کرنے پر حریص ہو۔ تم کو اس بات پر بڑا گھمنڈ ہے کہ نازنینانِ شہر یعنی بازاری عورتیں تمکو پیار کرتی ہیں یہ جھوٹی رکابیاں یہ چچوڑی ہوئی ہڈیاں یہ کھائی ہوئی قلفیاں کسی بھلے مانس کی غیرت تقاضا کرسکتی ہے کہ ان کو مُنہ لگائے یا پاس بٹھائے نِری خوبصورتی کو اگر ہو بھی لے کر کیا آگ لگاتی ہے جبکہ اُن میں شرم و حیا نہیں مہر و وفا نہیں عفّت و عصمت نہیں غیرت و حمیت نہیں۔ مبتلا۔ میں نے تو ان لوگوں کا تذکرہ آپ سے صرف اس غرض سے کیا تھا کہ میں حسن کی خواہش کروں تو غالباً میرے لیئے اس کا بہم پہنچنا کچھ دشوار نہ ہوگا۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو اپنی طرف بھی مائل پاتا ہوں مجھے دوسرا ذریعۂ تقرّب

درکار نہیں جس دن چچا باوا تشریف لائے میں نے ان لوگوں سے ملنا جلنا قطعاً موقوف کردیا اور آئندہ بھی میرا ارادہ ان لوگوں سے ملنے کا ہرگز نہیں چچا باوا کے آنے کا تو مجھ کو ایک حیلہ ہاتھ لگ گیا ورنہ میں نے تھوڑے ہی دنوں کے اختلاط میں ان لوگوں کو خوب آزمالیا بک گیا برباد ہو گیا چچا باوا نہ آئے ہوتے تو فاقوں پر نوبت پہنچ چکی تھی۔ مگر حقیقت میں عجب لے مروّت قوم ہے چند روزے کے بندے اور دام کے غلام۔ اس میں شک نہیں کہ مجھ کو پیار بھی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ لے بھی مرتے ہیں۔ عارف۔ الحمد للہ میرا جی یہ سنکر بہت خوش ہوا کہ تم کو اس نالائق گروہ سے تو نفرت ہوئی اور میں تو بھائی اس کو جناب پیر صاحب کا تصرف سمجھتا ہوں مبتلا۔ خیر جو کچھ ہو مگر حسن پرستی کی گسک میرے دل میں باقی ہے وہ نہیں نکلتی۔ عارف۔ اب بہت دیر باتیں ہوئیں آدمی کے دل کا حال ہر وقت یکساں نہیں رہتا انشاءاللہ پھر کسی دن موقع دیکھ کر گفتگو کرینگے اس اثنا میں تم بھی وقتاً فوقتاً سوچنا اور غور کرنا اگر خدا کو منظور ہے تو خود تمہارے ہی دل سے کوئی نہ کوئی بات ایسی پیدا ہوگی کہ اس سے تمہاری تسکین ہو جائیگی اتنی بات تمہارے کان میں اور ڈالے دیتا ہوں کہ دنیا کے تمام معاملات کا مدار خیالات پر ہے **شعر** بر خیالے صلح شان وجنگ شان۔ بر خیالے نام شان وننگ شان۔ ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ ایک غرض کے پیچھے دیوانہ بن رہا ہے اور اسی جیسے ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں کہ اس غرض سے مطلق سروکار نہیں رکھتے۔ زندگی کے دن پورے کرنیکو گنتی کی چند چیزیں درکار ہیں اور انکے بہم پہنچانے کیلئے کچھ زیادہ زحمت اٹھانیکی ضرورت نہیں صائب نے کیا خوب کہا ہے **شعر**۔ حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب جہاں۔ آنچہ من درکار دارم بیشتر درکار نیست۔

اور جب دوسرے لوگ ہمارے ہی ابنائے جنس ایک چیز کے بغیر مدتوں خوش وخرم
رہ سکتے ہیں تو اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حقیقت میں وہ چیز داخل ضروریاتِ زندگی
بلکہ داخلِ تفریحات بھی نہیں ہے اُن لوگوں نے ایک طرح پر خیال کیا اور اس چیز پر
غالب آئے اور ہم نے دوسری طرح پر سوچا اور مغلوب ہو گئے یوں تو سوچنے اور غور
کرنے کو ہزاروں باتیں ہیں مگر تمہاری حالت کے واسطے موت کا تصور کرنا بالخاصہ
مفید ہے۔ اگر دن رات میں تھوڑی دیر کے لیے بھی آدمی اپنے تئیں مرتا ہوا
فرض کر لیا کرے اور یہ تو یقینی ہے کہ ایک نہ ایک دن سچ مچ اُس کو مرنا ہوگا تو دنیا
کی بہت سی ترغیبات سے محفوظ رہ سکتا ہے اور چونکہ دینداری کے خیالات ابھی
تمہاری طبیعت میں راسخ نہیں ہوئے ہو جباتِ ترغیب کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ سارا
کیا کرایا دم کے دم میں اکارت ہو جائے گا۔

اٹھارھویں فصل مبتلا کا ایک عورت کے دام محبت میں مبتلا ہونا

عارف تو یہ کہکر اُس وقت رخصت ہو گیا۔ مبتلا کے شیاطین برابر اُس کی گھات میں لگے
ہوئے تھے میر متقی کا جانا سنتے ہی سب نے چاروں طرف سے یورش شروع کی۔ مبتلا۔
تو ایک مدت سے ادھار پر عیاشی کر ہی رہا تھا سیکڑوں روپے اُن لوگوں کے اُس
پر چڑھے ہوئے تھے پہلے کے ملے ہوئے خدا جانے میر متقی کے رہتے بھی اُنہوں نے
کیونکر صبر کیا ہوگا۔ میر متقی کا اگر جانا نہ ہوتا تو آخر ایک نہ ایک دن اُس قرض کا جھگڑا
اُن کے روبرو پیش ہوتا پر ہوتا اور اُن کے روبرو پیش ہوتا تو وہ عمدہ طور پر فیصلہ
بھی کر دیتے آپ اُدلے پو سانے کیسے سوائے ڈیوڑھے کی قسط بندی پر تو قرضے کا چکوتا

ہوا اور اُن لوگوں کے پاس آکر بیٹھنے بات کرنے سے مبتلا کی طبیعت جو میر متقی اور عارف کے
سمجھانے سے کسی قدر سنبھل چلی تھی پھر بگڑی۔ سامان تو ایسا بندھا تھا کہ مبتلا پھر بدستور
سابق آوارہ مزاج ہو جائے۔ مگر اُدھر تو نصیحت کے خیالات تھے تازہ اور ادھر
ادائے قرض کی وجہ سے مبتلا کو اُن لوگوں سے ہوئی ایک طرح کی ناخوشی اور تو کسی
کے پاؤں نہ جمے مگر اب سے کوئی تین چار برس پہلے کا مذکور ہے مبتلا کے والد اُن دنوں
زندہ تھے اسی محلے میں مبتلا کے گھر سے ذرا فاصلے پر ایک عورت کرایہ کے مکان میں
آکر رہی وہ تھی تو لکھنؤ کی کوئی خانگی پر اُس نے اپنے تئیں بیگم مشہور کیا باوجودیکہ تھوڑے
ہی دنوں کی آئی ہوئی تھی مگر سارے محلے میں اُس کی خوبصورتی اور لیاقت کا غل مچ گیا
عیاش مزاجوں میں جو جس ڈھب کا تھا اپنے شوق کی چیز میں بیگم کا مداح تھا۔ شاعر
کہتے تھے فی البدیہہ شعر کہتی ہے۔ ستار بجانیوالوں میں چرچا تھا کہ بول خوب بجاتی ہے
تاش گنجفہ چوسر شطرنج کھیلنے والے ان تمام کھیلوں میں اُس کے کمال کے قائل تھے
ضلع جگت پھبتی حاضر جوابی پہیلی مکری نسبت میں سب مانتے تھے کہ اپنا جواب
نہیں رکھتی۔ اس کی خوبصورتی میں لوگ کچھ کلام کرتے تھے مگر اُس کے جامہ
زیب ہونے پر سب کو اتفاق تھا۔ مبتلا تو خود ایسی خبروں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا اس
کو بیگم کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا ہوگا لیکن باپ کے رہتے محلے کے محلے میں بے لحاظی
نہیں کر سکتا تھا نہ جا سکا۔ باپ کے مرے پیچھے جب مبتلا کھل کھیلا تو جہاں اُس نے
اور نالائقیاں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بیگم سے ملا۔ شاعری اور ستار اور شطرنج
اور کیا اور کیا یہ تو سب مبالغے تھے مگر اس میں شک نہیں کہ عورت تھی بڑی گویا اُس
کی زبان کہے دیتی تھی کہ خواصی یا مصاحبت یا کسی دوسرے طور پر اس نے بادشاہی محلات

میں ضرور تربیت پائی ہو یا کیا عجب ہے کہ جیسا وہ کہتی تھی خود بیگم رہی ہو۔ لسانی کے علاوہ
اُس کا سلیقۂ مجلس بھی بہت ہی دل کش تھا وہ نہایت جلد آدمی کے دل کو ٹٹول لیتی
اور ہر ایک کے ساتھ اُس ہی کے مذاق کی باتیں کرتی یہ عمل تھا جس کے ذریعے سے
وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتی تھی ورنہ صورت شکل کے اعتبار سے وہ کچھ چنداں
قدر کی چیز نہ تھی۔ مبتلا کے ساتھ آنکھیں دوچار ہوتے ہی وہ پہچان گئی کہ یہ کوئی نیا
مردوا بنا ہے اُس لئے مبتلا کو دور سے کھڑے ہو کر ایسے انداز کے ساتھ سلام کیا جیسے
کوئی ہندو آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہو۔ اور گاؤ تکیہ جس سے لگی ہوئی بیٹھی تھی چھوڑ اپنی
جگہ مبتلا کو بٹھایا اور آپ مؤدب سامنے ہو بیٹھی۔ مبتلا نے چاہا کہ اُس کو اپنی برابر بٹھائے
مگر وہ ایاز قدر خود بشناس کہکر پہلو پر نہ آئی۔ مبتلا تو تمہید کلام ہی سوچتا رہا کہ اتنے
میں وہ آپ ہی بولی ایک مدت سے دلی کی تعریفیں سُن سُن کر جی پھڑکتا تھا اور
دل میں ارمان تھا کہ اگر پر ہوتے تو اُڑ کر جاتی اور ایک نظر دلی کو دیکھ آتی بارے
سان نہ گمان خود بخود ایسا اتفاق پیش آیا کہ خدا نے دلی میں لا بٹھایا اور جیسا سُنا تھا
اُس سے ہزار حصے بڑھکر پایا چشم بد دور لکھنؤ میں دولت کی افراط ہو اور لوگ بھی وہاں
کے بڑے زندہ دل ہیں حسن کی جو قدر و منزلت آج ہمارے لکھنؤ میں ہو کسی دوسرے
شہر میں کم ہوگی اور یہی سبب ہے کہ ملکوں ملکوں سے حسن کھنچ کر سب لکھنؤ میں سمٹ
آیا ہے اور میرا رہنا بھی ایسی ہی جگہ ہوا ہو کہ اس کو حسن کا اکھاڑا کہنا چاہیے مگر اپنا شہر
ہو تو ہونے دو بات تو سچی ہی کہی جائیگی ماشاء اللہ آپ کی صورت کا آدمی بھی میری نظر
سے تو نہیں گذرا۔ مبتلا۔ یہ تو سب تمہاری مہربانی ہو چونکہ تم نظر محبت سے دیکھتی ہو تمکو میری
صورت بھی بھلی معلوم ہوتی ہو ہم مردوں کی صورت اگر اچھی ہوئی بھی تو کیا بے مصرف صورتیں

تو تم لوگوں کی ہیں کہ ایک عالم تمہاری اِن صورتوں ہی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ میں نے بھی تمہاری صفت و ثنا بہت کچھ سُنی تھی اور تمہارے دیکھنے کیلئے دل بے قرار تھا مگر موقع نہیں بن پڑتا تھا۔ اب جو تمکو دیکھا تو معلوم ہوا حقیقت میں لکھنؤ کی خراش تراش اور وضع داری کو دلّی والے نہیں پا سکتے۔ مگر یہ تو کہو کہ گھر تمہارا ٹھیرا لکھنؤ یہاں دلّی میں تمہارے قیام کا کیا بھروسا۔ بیگم۔ ہم لوگوں کا کمبخت اس طرح کا بُرا پیشہ ہے کہ قرآن کا جامہ پہن لیں تب بھی تو کوئی اعتبار نہیں کرتا آپ کو یقین آئے یا نہ آئے میں ایک عزت دار خاندان کی بیٹی ہوں خدا جانے یہ بھی کرم میں کیا لکھا تھا کہ ایسے بُرے احوال سے پردیس میں پڑی ہوں میرا حال اس قطعے کا مصداق ہے **قطعہ**

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو	ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار	اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

میں جس وقت لکھنؤ سے نکلی دل میں یہ ٹھان کر نکلی کہ اب اس شہر کو پیٹھ دکھائی ہے جیتے جی مُنہ نہیں دکھاؤنگی۔ جس حالت میں آپ مجھ کو دیکھتے ہیں جس قدر مجھے اس سے نفرت ہے بس خدا ہی کو خوب معلوم ہے۔ مگر موت اپنے بس کی نہیں ”شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن“۔ آج اگر کوئی بھلا آدمی خدا اُس کے دل میں رحم ڈالے اور میری دست گیری کرے تو مجھ کو چرخہ کاتنا منظور چکی پیسنی قبول میں اُس کی کفش برداری کو حاضر ہوں مگر ہاں نہ مان میں تیرا مہمان زبردستی کس کے سر ہو جاؤں آپ سے آپ کس کے ساتھ لگ لوں۔ ہر چند مبتلا کی آوارگی اُن دنوں بڑے زوروں پر تھی مگر اُس کے دل میں کسی عورت کے ساتھ تعلق لازمی پیدا کرنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا یہ بیگم کی سحر بیانی تھی کہ ابھی اُس کی تقریر پوری نہیں ہونے پائی کہ مبتلا نے

اُس کو گھر میں ڈال لینے کا پہلے پہل کچھ یوں ہی سا ارادہ کیا بیگم میں قو باتوں کی کمی تھی
ایک تو اُس کی صورت کچھ بہت عمدہ نہ تھی بنانے سنوارنے سے وہ اتنی بھی لنظروں
میں جنچتی تھی دوسرے گانا ناچنا جس کی ان دنوں مبتلا کو چاٹ لگی ہوئی تھی اُس کو
مطلق نہیں آتا تھا تاہم اُس نے اپنی لسّانی سے مبتلا کو پہلی ہی ملاقات میں اتنا تو
گرویدہ کر لیا کہ شام کا گیا گیا ڈیڑھ پہر رات کی توپ اُس کو وہیں بیٹھے بیٹھے چل گئی اس
اثنا میں بیگم نے خوب مزے مزے کی گلوریاں اپنے ہاتھ سے بنا بنا کر مبتلا کو کھلائیں دو
دور چاے اور کافی کے چلے۔ مبتلا اگر ایک جلسے میں مدعو نہ ہوتا تو اس سے رات کا رہ
پڑنا بھی کچھ تعجب نہ تھا بارے مکان پر سے آدمی آیا کہ صاحب جلسہ خود آپ کو لینے
آتے ہیں ناچار اُٹھنا پڑا اور جلسے کی سن کر بیگم کو بھی اصرار کرنیکا کوئی موقع نہ تھا مگر چلتے
چلتے بیگم نے اتنا عہد تو لے ہی لیا۔ کہ جلسے کے سوا اپنے یہاں ہو یا کسی دوست
کے یہاں بلاناغہ ہر روز ملاقات ہوا کریگی اور میر متقی کے آنے تک ایسا ہی ہوتا رہا
اور اتنے دن میں بیگم نے مبتلا کے دل میں بخوبی اپنی جگہ کر لی۔ میر متقی کی لاحول سے
جہاں اور شیطان بھاگ کھڑے ہوئے تھے اُن میں ایک بیگم صاحب بھی تھیں۔
میر متقی کے رہتے بھی بیگم نے بہتیرے ڈھب لگائے کہ مبتلا زیادہ نہیں تو کبھی کبھا
کھڑے کھڑے صورت دکھا جایا کرے مگر مبتلا خود ان دنوں ہتے سے اکھڑا ہوا تھا آنا
جانا تو درکنار زبانی سلام و پیام تک کا بھی تو وہ روادار نہ ہوا۔ مبتلا بے چارے کے حال پر
خیال کر کے کس قدر افسوس آتا ہے۔ **شعر** قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند + دو چار
ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا + قریب تھا کہ بیگم اس کو صبر کر کے بیٹھ رہے اتنے میں تو میر متقی کو سنا
کہ تشریف لے گئے بیگم تو اس خبر کو سنتے ہی مارے خوشی کے اُچھل پڑی اور اُسی وقت سے لگی مبتلا

انتظار میں بار بار مُڑ مُڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے ایک دن گزرا دو دن گزرے تین دن گزرے مبتلا کا پتہ نہیں سمجھی کہ چچا نے ضرور بھتیجے کو کچھ پٹی پڑھائی آخر جب اپنے اہلِ برادری کو سُنا کہ حساب کتاب کے لیئے آنے لگے تو اس نے بھی کسی کے ہاتھ ایک رقعہ بھیجا (رقعہ) جانِ من۔ یا ہاں شور اشوری دیا یا یں بے نمکی۔ اِس قدر بے مروّتی ایسی بے وفائی۔ کچھ قصور کوئی خطا۔ دل کے ایسے بودے اور ارادے کے اتنے کچے تھے تو اتنا ربط بڑھانا ایسا گہرا اختلاط کرنا کیا ضرور تھا۔ از برائے خدا چند لمحے کے لیئے تشریف لاؤ اور اپنی حقیقت مجھکو سُناؤ میں خدانخواستہ کوئی بلا نہیں کہ جھپٹ جاؤنگی آپ کو نی بچے نہیں کہ پُھسلا لونگی اور اگر آپ کو آنا منظور نہیں تو مجھ سے ہاں پہنچنا کچھ دور نہیں شعر

تم جانو غیر سے جو تمہیں راہ و رسم ہو	ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

مبتلا یہ رقعہ پڑھکر غوطہ میں تھا کہ عارف اُس کے سر پر آکھڑے ہوئے تھے عارف کے چلے جانے کے بعد مبتلا نے رقعے کو پھر کئی بار پڑھا وہ اُس وقت جانے میں ہچکچاتا تھا مگر پھر اُس نے سوچا کہ اگر میں نہ گیا تو بیگم خود چلی آئیگی اس سے تو میرا ہی جانا بہتر ہی۔ غرض دل کو خوب مضبوط کر کے بیگم کے گھر گیا مگر افسوس ہی کہ کچھ ایسی گھڑی کا گیا کہ بس اُسی کے گھر کا ہو رہا۔ بیگم نے جو کئی مہینے کے بعد مبتلا کو دیکھا تو نہایت تپاک سے ملی بس اس کا وہ تپاک ایک جادو تھا کہ مبتلا کی تو کیا حقیقت تھی اُس کے چچا یا وا میر متقی صاحب بھی ہوتے تو پھسلتے نہیں تو لڑکھڑا ضرور جاتے دیر تک آپس میں گلے شکوے ہوتے رہے آخر مبتلا نے شروع سے آخر تک میر متقی کا آنا اور اُمور خانہ داری کی اصلاح اور اُن کی نصیحت اور ناظر کی فضیحت اور میر صاحب کا تشریف لے جانا اور عارف سے معرفت کرانا اور عارف کا سمجھانا اور اربابِ نشاط کا حساب کتاب ذرا ذرا بیان کیا

بیگم نے بہت ہی توجہ سے مبتلا کے قصّے کو سنا اور کہا کہ اتنے دن برابر جو آپ کا آنا نہ ہوا اس سے مجھے بڑی آزردگی ہوئی تھی اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آپ سے اخیر دو دو باتیں کر کے ضرور اس محلّے سے اُٹھ جاؤں گی مگر اب جو آپ سے ساری حقیقت معلوم ہوئی میرا جی بہت خوش ہوا اور اگر میں جانتی ہوتی تو ضرور میر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتی سبحان اللہ اچھوں کی اچھی ہی باتیں ہوتی ہیں انہوں نے باپ سے بڑھ کر آپ کے ساتھ سلوک کیا اُن کے فرمانے پر چلو تو دنیا اور دین دونوں میں سُرخ رو ہو میں تو خود آپ سے کہنے والی تھی کہ ان بیسواؤں سے ملنا اور یوں پیسے کو برباد کرنا اور یہ ہرجائی پن اچھا نہیں۔ مبتلا۔ مشکل یہ آ کر پڑی ہے کہ بی بی کی طرف تو مجھ کو رغبت نہیں پھر اب کسی طرح زندگی بسر بھی کروں یا نہ کروں۔ بیگم۔ بیاہتا بی بی سے اگر مرضی نہیں ملتی تو ایک اپنی مرضی کی بی بی کر لو خدا نخواستہ تم کچھ غریب نہیں ہو کہ دو بیبیوں کا خرچ نہ چلا سکو گے مردوں پر تو خدا نے تنگی نہیں کی ایک ایک کو چار چار نکاح کا حکم ہے۔ مبتلا۔ تم مجھ سے نکاح پڑھانے پر راضی ہو۔ بیگم۔ میں تو خود تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس حالت میں رہنا پسند نہیں کرتی ہیں تو کوئی دن جاتا ہے کہ کسی نہ کسی کا دامن پکڑ کے بیٹھ رہونگی اور اگر تم میری دست گیری کرو تو زہے قسمت مگر تم کو بہتیری مجھ سے بہتر ملیں گی نکاح کرو تو ایسی کے ساتھ کرو کہ پھر بی بی کی تمنا باقی نہ رہے بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ نکاح مت پڑھاؤ چندے کسی کو آزماؤ۔ مبتلا۔ میں تو فکر کرتے کرتے تھک گیا اور سوچتے سوچتے میرا سر دُکھنے لگا۔ چچا باوا اور میاں عارف کی تو مرضی یہ ہے کہ میں ساری عمر رنج و غم میں گھُل گھُل کر مر جاؤں۔ بیگم۔ نوج دور پار نصیب دشمناں رنج کرے تمہاری بلا اور غم اُٹھائے تمہاری پاپوش دنیا میں بار بار جنم لینا نہیں اور جوانی

کی عمر بھی چلتی چھائوں ہے۔ جب اپنا ہی جی خوش نہ رہا تو دنیا کو لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہے۔ مبتلا۔ دل پر تو قابو نہیں چلتا اس بی بی سے ممکن نہیں کہ مجھ کو اُنس ہو چار و ناچار دوسری بی بی تو کرنی پڑے ہی گی۔ اچھا تو آج کے آٹھویں دن بیگم۔ بلکہ پندرھویں دن مگر ایک شرط سے کہ ہست و نیست جو کچھ کہنا ہو تم خود آکر مجھ سے کہنا ایسا نہ ہو کہ پہلے کی طرح بیٹھ رہو۔ مبتلا۔ نہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو میں ضرور خود آؤں گا بلکہ ہو سکا تو بیچ میں بھی ایک دو پھیرے کر دونگا۔ بیگم۔ قسم کھاؤ۔ مبتلا۔ تمہاری جان کی قسم۔ بیگم۔ میری جان تو تم ہو۔ مبتلا۔ اپنے سر کی قسم۔ یہ عہد و پیمان ہو کر مبتلا بیگم سے رخصت ہوا مگر سچ پوچھو تو آج ہی کا جلسہ جلسۂ نکاح تھا۔ بیگم ایک بلا کی عورت تھی اور اس کو بشرے سے دلی حالات کے معلوم کر لینے کا بڑا ملکہ تھا آج کی ملاقات میں اُس کو پورا الیقین ہو گیا کہ مبتلا پر اُس کا جادو چل چکا ہے اور اسی بھروسے پر اُس نے آپ مہلت دی ورنہ وہ ایسا ڈھنگ ڈالتی کہ بے نکاح پڑھائے مبتلا جانے کا نام نہ لیتا۔ بیگم کے پاس یہ آج کا جانا مبتلا کے حق میں غضب ہو گیا اس کو میر متقی نے ایک حالت پر پایا اور انہوں نے اور عارف نے اس کو ٹھیل ٹھیل کر کچھ دور سرکایا آج وہ پھر اپنی جگہ پر عود کر آیا۔

اُنیسویں فصل مبتلا اور عارف کا مباحثہ تعدد نکاح کے بارے میں

عارف نے اس خیال سے کہ اس کو اچھی طرح بطور خود غور کر لینے دو ایک ہفتے تک اُس کی خبر نہ لی پھر جو ملاقات ہوئی تو مبتلا کا تیور ہی بدلا ہوا تھا پوچھا کیوں صاحب تم نے کچھ سوچا غور کیا۔ مبتلا۔ جی ہاں دوسرے نکاح کی ٹھیرائی ہے۔ عارف۔ (چونک کر)

آئیں دوسرا نکاح۔ سچ کہو۔ مبتلا۔ کیا کروں میں بھی آدمی ہوں میرے سینے میں بھی دل اور دل میں خواہش ہے مجھ کو بھی موافق سے راحت اور ناموافق سے ایذا پہنچتی ہے میری زندگانی کا زمانہ بھی محدود ہے اور جوانی کا تو محدود نہیں بلکہ مختصر میں بھی اتنی بات سوچتا ہوں کہ دنیا سے ایک بار جاکر پھر آنا نہیں ان تمام باتوں پر نظر کرکے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آخر مجھ کو تو آسائش ملے۔ عارف۔ بیشک آسائش جائز کو کون منع کر سکتا ہے۔ اور تمہیں پر کیا موقوف ہے تمام آدمی کوشش کرتے ہیں اور سب کی کوششوں کا دینی ہو یا دنیاوی ماحصل ہے آسائش مگر غور طلب یہ بات ہے کہ جس کو تمنے آسائش سمجھا ہے وہ حقیقت میں بھی آسائش ہے یا نہیں۔ مبتلا۔ یہ تجویز کرنا میرا کام ہے۔ عارف بس یہ غلط ہے۔ ہم سب ہیں بیمار اور شارع ہے ہمارا طبیب اگر بیمار کو اختیار دیا جائے کہ اپنی آسائش کے لیئے آپ تجویز کرے تو بیمار یقیناً اپنے تئیں ہلاک کریگا۔ مبتلا آپ اطمینان رکھیے میں نے شرع ہی کے مطابق اپنی آسائش کی تجویز کی ہے کیا میں نے نہیں کہا کہ دوسرے نکاح کی ٹھیرائی ہے اگر بے نکاح کسی عورت کو گھر میں ڈال لیتے یا پانچویں نکاح پڑھالیے کا نام لیتا تب ہی آپ کے کان کھڑے کئے ہوتے۔ عارف۔ جوازِ تعددِ نکاح کی نسبت تمنے جس طرح پر اپنا اطمینان کرلیا ہو ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ۔ مبتلا۔ میں تو آپکے ادنیٰ شاگرد دل کی برابری بھی نہیں کر سکتا میرا کیا مقدور ہے کہ آپ کو سمجھاؤں بلکہ تعددِ نکاح کی سند کو قرآن کی وہی ایک مشہور آیۃ ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ۔ عارف۔ لیکن اسی کے آگے فرماتے ہیں۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً یعنی اگر تم کو یہ خوف ہو کہ متعدد بیبیوں میں برابری نہ کرسکوگے تو ایک ہی بی بی کرو اور اسی سورت اور اسی پارے میں آگے چل کر ولَنْ

تَسْتَطِیْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ یعنی تم بہتیرا چاہو مگر تم سے یہ ہو ہی نہ سکیگا کہ عورتوں میں برابری کر سکو پس سارے کے سارے بھی ایک طرف کو مت جُھک جاؤ کہ اس بےچاری کو اُدھر میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو اب اِن دونوں باتوں کو ملاؤ کہ برابری نہ کر سکو تو ایک کرو اور تمہارے کیئے برابری ہو ہی نہ سکے گی۔ ایک شخص نے حال میں حُرمتِ تعدّدِ نکاح پر ایک کتاب لکھی ہے اُس کے نزدیک اِن دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بس ایک بی بی کرو۔ مبتلا ایسی ہی ایسی تفسیریں کر کے تو لوگوں نے دین میں رخنے ڈالے ہیں پیغمبر صاحب اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور تمام بزرگانِ دین سب متعدد بیبیاں کرتے چلے آئے ہیں اُن کو بھی یہ دونوں آیتیں معلوم تھیں اور قرآن کو بھی سب سے بہتر سمجھتے تھے اور ان کا تدیّن بھی بہت زیادہ تھا مگر کسی نے تعدّدِ نکاح کی مُمانعت کا نتیجہ نہیں نکالا اور وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس برابری کی نسبت ارشاد ہے کہ تم سے ہو ہی نہیں سکے گی وہ پُوری پُوری برابری ہے یعنی عدلِ حقیقی کیونکہ مُطلق عدل سے قاعدے کے مطابق فردِ کامل مراد لینی ہوتی اور وہ نہیں ہے مگر عدلِ حقیقی اور اِسی لئے فرمایا ہے کہ تم سے عدلِ حقیقی تو نہو نہیں سکے گا تو ایسا بھی تو غضب مت کرو کہ ایک ہی طرف کے ہو رہو اور دوسری کو لٹکا رکھو کہ وہ بےچاری بیچ میں پڑی جھولا کرے اس سے معلوم ہوا کہ عدلِ حقیقی کے علاوہ کہ وہ اعلیٰ درجے کا عدل ہے اور انسان سے اس کا ہونا ممکن نہیں ایک ادنےٰ درجے کا عدلِ مجازی بھی ہے کہ انسان صرف ایک ہی کا نہ ہو رہے بلکہ دوسری کی بھی خبرگیری

کرتا رہے۔ چچا باوا کے رہتے میرے دل میں اس بات کا کھٹکا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مجھ کو ٹوکیں گے تو میں نے مولوی محمد فقیہ سے اس مسئلے کی خوب تحقیق کی تھی میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ پہلی آیت وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً میں عدل سے عدلِ مجازی مراد ہے کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ تم ادنے درجے کا عدل بھی نہ کر سکو گے اور بالکل ایک ہی کے ہو رہو گے تو ایسی صورت میں تم کو ایک ہی بی بی کرنی چاہیئے اور اگر تعدّد نکاح میں عدل حقیقی مشروط ہو تو فی الواقع جیسا آپ کہتے ہیں ممانعت ہی تعلیق بِالمحال اور اگرچہ اس آیت میں بھی مطلق عدل ہے اور چاہیئے کہ یہاں بھی عدل حقیقی مراد ہو مگر دوسری آیت مابعد وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا الخ قرینۂ صارف موجود ہے اور اگر خدا کو تعدّد نکاح کی ممانعت منظور ہوتی تو تعلیق بالمحال کا پیرایہ اختیار کرنا کیا ضرور تھا صاف صاف کہدینا تھا کہ بس ایک بی بی کرو نہ یہ کہ اگر عدل حقیقی نہ کر سکو تو ایک کرو کیونکہ یہ تو معلوم ہی تھا کہ عدلِ حقیقی مقدور بشر نہیں۔ اگر وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا سے ممانعت تعدّد نکاح مراد ہو تو معاذ اللہ اس آیت کی ایسی مثال ہوگی کہ پوچھیں ناک کہاں ہے اور جواب میں بائیں کان سے شروع کر کے گُدّی کی طرف سے داہنی جانب ہاتھ لا کر بتایا جائے کہ یہ ہے۔ عارف۔ اس میں شک نہیں کہ مولوی محمد فقیہ نے اس مسئلے کی اچھی تحقیقات کی اور تم نے جو کچھ سمجھا میرے نزدیک نہایت درست سمجھا مگر پیغمبر صاحب سے جو تم نے استشہاد کیا اُس کو میں نہیں مانتا یہ دونوں آیتیں عام مسلمانوں کے واسطے ہیں پیغمبر صاحب کے نکاح ان میں داخل نہیں پیغمبر صاحب کے لیے سورۂ احزاب میں ایک پورا رکوع موجود ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ الخ پیغمبر صاحب کے لئے چار بیبیوں کی قید نہ تھی اور اگرچہ آں حضرت

ازواجِ طاہرات میں اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے مگر خدا نے اُن پر اس کو بھی لازم نہیں کیا تھا چنانچہ اُسی رکوع میں یہ آیت ہے تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ یعنی اپنی بیبیوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے جُدا رکھو اور جس کو چاہو اپنے پاس جگہ دو اور جس کو چاہو ہٹا کر پھر بُلا لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اسی طرح پیغمبر صاحب کو بلا مہر بھی نکاح کر لینا جائز تھا اور یہ باتیں خصائصِ نبوی میں سے ہیں۔ اور کیا مصلحتیں پیغمبر صاحب کے ان ذاتی معاملات میں مضمر تھیں اس کی تفصیل ہو جس کے بیان کرنے کو بڑی فرصت چاہیے اسی طرح صحابہ وغیرہ سے بھی استشہاد کرنیکو میں درست نہیں سمجھتا۔ مبتلا۔ از برائے خدا کہیں جلدی سے فرما بھی چکو کہ تعددِ نکاح کے مؤید ہو یا مخالف۔ عارف۔ سخت مخالف۔ مبتلا۔ مذہبًا یا عقلًا۔ عارف۔ یہ تو تم نے عجیب لغو بات پوچھی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اور عقل دو چیزیں ہیں اور ممکن ہو کہ دونوں کی دو راہیں ہوں حالانکہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ مذہب مخالفِ عقل باطل۔ عقل مخالفِ مذہب گم راہ۔ مبتلا۔ جس چیز کے جواز کے لیے نص قرآنی موجود ہو اُس سے آپ کو مخالفت کرنیکا سبب۔ عارف۔ بات یہ ہو کہ شارع نے مردوں اور عورتوں کی معاشرت کے قاعدے ٹھیرا دیے ہیں نکاح اور مہر اور نفقہ اور طلاق اور خلع اور لعان اور ظہار اور رجعۃ اور رضاع وغیرہ جتنے معاملات ہیں سب کے واسطے احکام ہیں۔ اگر ان احکام کی پوری پوری تعمیل ہو تو کسی قوم اور کسی مذہب کے زن و شوہر میں اس سے بہتر معاشرت ہو نہیں سکتی مگر خرابی کیا آکر پڑی ہو کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے رسم اور مذہب دو چیزوں کو ملا کر اپنے طرزِ معاشرت کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنا لیا ہو۔ مثلًا پردے سے چلو

بلا شبہہ اسلام کا حکم ہی کہ بیبیاں پردہ کریں اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایک پردے سے ہزارہا مفسدوں کا انسداد ہوتا ہی مگر جس سختی کے ساتھ ہم لوگوں نے پردے کو لازم کرلیا ہی افراط ہی حدِ شرع سے متجاوز پردہ نہیں ہی مگر قید اور قید جس قدر سخت اُسی قدر ایذادہ نکاح ایک ایسا معاہدہ ہی کہ مرد اور عورت دونوں کی زندگانی کی کامیابی اور ناکامیابی راحت اور تکلیف خوشی اور ناخوشی اسی پر موقوف ہے۔ معاہدہ تو ایسا مہتم بالشان اور معاہدہ کرنے والے جن کو اس کا نباہ کرنا ہی اور جن پر اِس معاہدے کا اثر مترتب ہوگا اُس سے بے تعلق کیوں کہ اکثر تو معاہدۂ نکاح ایسی چھوٹی عمروں میں ہوجاتا ہے کہ فریقین میں سے کسی کو بھی اُس کے نتائج کے سمجھنے کی اہلیت نہیں ہوتی اور اگر شاذ و نادر ہوتی بھی ہی تو اظہارِ رائے کر کے بے شرم آور بے حیا آور بے غیرت اور منہ بولا کون کہلائے پس معاہدۂ نکاح تو کرتے ہیں مثلاً زید اور ہندہ اور ایجاب وقبول کرتے ہیں اُن کے ولی۔ کھلم کھلا پوری آزادی تو نکاح کے معاملے میں مرد عورت کسی کو بھی نہیں۔ رہ گئے دبے دبائے اشارے کنائے وہ بھی مردوں کیلئے بدنمائی ہی اور عورتوں کے لیے فضیحت اور رسوائی۔ سب سے بڑا ظلم جو ہم نے اپنی عورتوں پر کر رکھا ہے یہ ہی کہ بیوہ کو دوسرا نکاح نہیں کرنے دیتے ہزارہا اللہ کی بندیاں ہیں کہ اُنھوں نے شوہر کا مُنہ تک نہیں دیکھا اور نصیبوں پر ایسے پتھر پڑے کہ رانڈ ہوگئیں ہندوؤں کی طرح ستی ہوکر ایک بار کا جل مرنا ساری عمر کے جلاپے سے ہزار درجے بہتر تھا مگر حرام موت ستی کیونکر ہوں۔ دنیا میں ناک کٹتی ہی دوسرا نکاح کس طرح کریں غرض جیتی ہیں تو لطفِ حیات نہیں اور مرتی ہیں تو اپنے اختیار کی بات نہیں۔ تو اس کا مطلب کیا نکلا کہ شارع نے جو حقوق عورتوں کو دیئے تھے وہ تو پورے پورے ہم نے

اُن کو لینے نہ دیئے اور اپنے حقوق میں سے رتی بھر چھوڑنا نہیں چاہتے تو جو نسبت مرد اور عورت میں شارع کو رکھنی منظور تھی کیونکر باقی رہ سکتی ہے اور وہ نسبت کیا تھی اس کے لیئے میں تمہارے آگے قرآن کی دو آیتیں پڑھتا ہوں سورۂ بقرہ میں ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ یعنی جیسے عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں ویسی ہی راست معاملگی کے ساتھ اُن کے حقوق بھی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر برتری ہے۔ پھر سورۂ نسار میں ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا عورتوں سے راست معاملگی کے ساتھ برتاؤ کرو پس اگر وہ تم کو بھلی نہ لگیں تو عجب نہیں تم کو ایک چیز بھلی نہ لگے اور خدا اُس میں بہت سی بہتری کر دے۔ اب فرمایئے کہ تعدد نکاح جائز ہے یا ناجائز۔ مبتلا۔ میں تو مذہب کا کوئی بڑا محقق نہیں مگر اسی طرح جوروئیں اگر زبردستی ہمارے گلے مڑھی جائیں گی تو جو حالت آپ نے بیوہ عورتوں کی بیان کی اُس سے بدتر ہماری ہوگی۔ بیوہ عورت کو تو خیر صبر کرنے کیلیئے ایک بات بھی ہے کہ شوہر نہیں ہے نہ سہی یہ کیا مصیبت ہے کہ ایک عورت کو آنکھ بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا بات کرنیکی طرف طبیعت رغبت نہیں کرتی اور آپ کہتے ہیں کہ زبردستی اُس کے ساتھ عاشقی کرو اگر خدا کے یہاں ایسی ہی ہیکڑی ہے تو اُس کو اختیار ہے دوزخ میں ڈالے جہنم میں جھونکے بندگی و بے چارگی مگر میں تو آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ ایسی مجبورانہ عاشقی مجھ سے ہوئی ہے نہ ہوگی۔ عارف۔ بلاشبہہ تم مغلوب طبیعت ہو رہے ہو اور جب تک تمہاری یہ حالت رہے گی حقیقت میں تم سے خلاف طبیعت کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ مبتلا۔ اسی میں تو میں آپ سے مدد چاہتا تھا کہ طبیعت پر غالب آنے کی کوئی تدبیر بتایئے۔ عارف

جو تدبیر مجھ کو معلوم تھی اور معلوم کیا تھی وہی ایک تدبیر ہے میں نے تو اُس کے بتانے میں
دریغ نہیں کیا۔ پہر گھر تک تمہارے ساتھ اپنا مغز خالی کیا تم لاجواب ہوئے اور
چلتے چلتے تم سے کہتا گیا کہ تم اِن تمام باتوں کو فرصت سے سوچنا اور موجباتِ ترغیب کے
پاس نہ جانا۔ تم یوں سمجھو کہ حسن پرستی مرض ہی سوچنا دوا اور موجباتِ ترغیب سے دور
رہنا پرہیز۔ بھائی مرض جسمانی بھی اگر مزمن ہوتا ہی تو اس سے جلد صحت نہیں ہوتی
اور بعض صورتوں میں برسوں علاج اور ساری عمر کے لیئے پرہیز کرنا پڑتا ہی یہی حال
ہے امراض روحانی کا جن کا دوسرا نام ہی بُری لت۔ بدعادت۔ تمہارا علاج تمہارے
ہی ہاتھ میں ہی کرو تو تم اور نہ کرو تو تم۔ مبتلا۔ آپ تو تعددِ نکاح میں چند در چند طرح کے
خدشات پیدا کرتے ہیں اور بزرگانِ دین میں کوئی بھی اس سے خالی نہ تھا۔ عارف
جب ایک بات کی صراحت ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں تو ہم کو کسی بزرگ کے قول و
فعل پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک۔ اور دوسرے یہ معاملات ہیں شخصی جب تک
کسی کی طبیعت کیفیت حالت ضرورت کا کچا حال معلوم نہ ہو ہم بھلی یا بُری کوئی رائے ظاہر
ہی نہیں کر سکتے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہی کہ جو لوگ اپنے لیئے اس آزادی کو عمل
میں لاتے تھے وہ عورتوں کی آزادی میں بھی مضائقہ نہیں کرتے تھے ہماری طرح
اُن کا معاہدۂ نکاح مرنے بھرنے کا معاہدہ نہ تھا ذراسی ناموافقت ہوئی مرد نے
طلاق دے دی یا عورت نے خلع کر لیا۔ تھوڑے تھوڑے مہر ہوتے تھے اُن کو معاہدۂ
نکاح کا فسخ کر دینا ایک بات تھی نہ طلاق کا عیب نہ دوسرے نکاح کی عار تو اُن کی آزادی
حق بجانب ہم کیا اُن کی ریس کر سکتے ہیں کہ ہماری بیبیاں لونڈیوں سے بڑھکر بے اختیار
دائم الحبس ناک چوٹی گرفتار اور پھر تعددِ نکاح سے جو بے لطفیاں اور بدمزگیاں

خانہ داری میں پیدا ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں تو بزرگانِ دین کو بھی اس سے نجات نہ
تھی اُمہات المومنین یعنی پیغمبر صاحب کی ازواجِ طاہرات میں باوجودے کہ دنیا کے
عیش و آرام کسی کو میسر نہ تھے تاہم فقر و فاقے میں بھی باہم ویسے ہی محاسدات تھے
جیسے سوکنوں میں ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں سُنّی شیعہ کا تفرقہ جو تم دیکھتے ہو
کہ دونوں گروہوں کا خدا ایک رسول ایک قرآن ایک اور پھر آپس میں اس درجے کی
عداوت اگر سچ پوچھو تو متفرع ہے ان ہی محاسدات پر۔ حضرت پیغمبر صاحب کی سب سے
پہلی بی بی حضرت خدیجۃ الکبرےٰ جن کے بطنِ پاک سے حضرت فاطمۃ الزہرا پیدا ہوئیں۔
حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے پاس اُن کے پہلے شوہر کا بڑا سرمایہ تھا جس کو انہوں نے
تجارت میں لگا رکھا تھا اُن کو ضرورت تھی ایک دیانت دار اور ہوشیار کارندے کی
اُنہوں نے (بعثت سے بہت پہلے کا مذکور ہے) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت امانت
راست بازی کا حال سُنکر اُن کو اپنی تجارت کے کام میں لگایا اللہ نے حضرت کی نیک نیتی
سے تجارت میں بڑی برکت دی۔ حضرت خدیجہؓ نے حسنِ کارگزاری سے خوش ہو کر
اُن کے ساتھ نکاح پڑھا لیا اس نکاح کی وجہ سے جو لوگ نرے دنیا دار تھے البتہ حضرت
کی زیادہ وقعت کرنے لگے پھر جب حضرت کا زمانہ بعثت نزدیک آیا تو خوارقِ عادات
پیش آنے لگے کبھی آسمان پر فرشتوں کو دیکھتے کبھی درخت اُن کو سلام کرتے کبھی
غیب سے آواز آتی۔ اِن واقعات کو دیکھ کر ڈرے اور حضرت خدیجہ پر اس تمام حقیقت کو
ظاہر کیا حضرت خدیجہؓ تھیں بڑی باخدا بی بی۔ اور اُن کے گھر میں صحفِ انبیار اور توریت
کی تلاوت کا بڑا چرچا تھا اُنہوں نے سُنکر حضرت کی بڑی تسلی کی کہ تم خدا ترس آدمی ہو
بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر رحم اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو ایسا

تو نہیں ہو سکتا کہ خدا تم جیسے آدمی کو ضائع کرے اور حضرت کو اپنے بھائی کے پاس لے گئیں جو توراۃ کے بڑے عالم تھے پیغمبر آخر الزماں کی پیشین گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں موجود ہی تھیں اور لوگ دن گن رہے تھے اُنہوں نے جو حضرت کو دیکھا اور ان کی ساری حقیقت سُنی تو پہچان گئے اور صاف کہدیا کہ آپ پیغمبر ہونے والے ہیں۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں پیغمبر صاحب نے دوسرے نکاح کا قصد تک بھی تو نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد پیغمبر صاحب نے متعدد بیبیاں کیں جن میں سب سے زیادہ عزیز اور سربرآوردہ حضرت ابوبکر کی بیٹی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ تھیں۔ رشتے میں ماں اور عمر میں حضرت فاطمہؓ سے بھی چھوٹی۔ اس سے انکار کرنا بدیہت سے انکار کرنا اور واقعات کا جھٹلانا ہے کہ حضرت عائشہ کا تعزّز تمام ازواج طاہرات پر شاق تھا اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ پر بھی جو اپنے تئیں اپنی والدہ حضرت خدیجہ کی جگہ سمجھتی تھیں اور جن کو پیغمبر صاحب کا معاملہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے کانوں کا سنا اور آنکھوں کا دیکھا سب یاد تھا۔ یہ ہے فی الاصل سُنی اور شیعہ کی بنیاد۔ جنہوں نے یہ سمجھا کہ پیغمبر صاحب کو دنیا میں حضرت فاطمہؓ کے سوا کسی کے ساتھ کچھ اُنس نہ تھا وہ شیعہ ہو گئے باقی مھم یعنی تفضیلی اور نصیری اور کیا اور کیا خوارج ٹوٹ کر بیبیوں کی طرف داری کرنے لگے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ بی بی بی کی جگہ۔ اور بیٹی بیٹی کی جگہ۔ یہاں تک درست ہے۔ مگر آگے چل کر انکار کرنے لگتے ہیں۔ کہ خاندانِ نبوت میں کسی کو کسی سے کسی طرح کا ملال نہ تھا بس سنیوں کی یہ بات دل کو نہیں لگتی میں بھی سُنی ہوں۔ مگر میرے نزدیک پھوٹ اور نا اتفاقی بے شک تھی تاہم اس سے اِن بزرگوں کی مذہبی شان میں کچھ بھی فرق نہیں آتا یہ تقاضائے

بشریت ہے اور کیوں کسی کی دینداری میں بشریت سے بٹا لگنے لگا جب کہ پیغمبر صاحب نے اپنی شان میں فرمایا ہو اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ میں بھی تو تم جیسا بشر ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ غرض اس طولِ مقال سے یہ ہے کہ جو بے لطفیاں تعددِ نکاح کو لازم ہیں خاندانِ نبوت بھی اُن سے محفوظ نہیں تھا دوسرا کس گنتی میں ہے۔ مبتلا۔ اب بھی مجھ کو کون لطف حاصل ہے۔ عارف۔ تم آگ کے جلے ہوئے کو سینکتے ہو یعنی ایک بے لطفی کو دوسری بے لطفی سے دبانا چاہتے ہو مگر ممکن ہے کہ یہ دوسری بے لطفی آخر میں اِس پہلی بے لطفی سے زیادہ شاق ہو۔ مبتلا۔ اُس وقت جیسا موقع ہوگا دیکھا جائیگا میں ابھی سے فکرِ مستقبل کر کے اپنی زندگی کو کیوں تلخ کروں۔ عارف۔ تو اب حقیقت میں میری تمہاری ملاقات لاحاصل ہے مگر میں اتنا کہے دیتا ہوں کہ تم اپنے حق میں اچھا نہیں کرتے افسوس ہے کہ تم نے مجھ کو جناب میر متقی صاحب سے شرمندہ کیا یہ کہہ کر عارف بحالِ نارضامندی اُٹھ کر چلا گیا۔

بیسویں فصل مبتلا کا دوسرا نکاح اور اُس کی دوسری بی بی ہریالی کا ماما بن کر گھر میں داخل ہونا اور نکالا جانا اور پھر داخل ہونا

مبتلا کے سر پر اُن دنوں ایسا جن سوار تھا کہ اُس کی عقل ہی ٹھکانے نہ تھی۔ عارف سے پیچھا چھڑا وہ پھر بیگم کے گھٹنے سے جا لگا وہ تو پہلے ہی سے اس کے لیئے جال پھیلائے بیٹھی تھی جانا تھا کہ اس پر چھا گئی بیگم بالطّبع زیادہ تر اس بات کی طرف راغب تھی کہ مبتلا آشنائی کے طور پر اُس کو گھر میں ڈال لے مگر میر متقی اور عارف کی تعلیم کا مبتلا پر اتنا تو اثر ہوا کہ اُس نے بے نکاح بیگم کے ساتھ تعلّق رکھنے کو پسند نہ کیا پاس تھی مسجد

دو طالب العلموں کو بلا بھیجا نکاح پڑھا جانے لگا مہر میں ہوا اختلاف مبتلا نے چاہا مہر شرع
محمدی بیگم نے کہا جو غیرت بیگم کا مہر وہ میرا مہر جیسی نکاحی بی بی وہ ویسی نکاحی بی بی میں
دیر تک اس میں تکرار ہوتی رہی آخر مولوی صاحب جو نکاح پڑھانے آئے تھے بولے
جانے دو مہر مثل رکھو۔ مبتلا تو نیم راضی ہو چلا تھا مگر بیگم مہر مثل کے نام سے جھینپتی
تھی کیونکہ سارے خاندان میں کبھی کسی کا نکاح ہوا ہو تو مہر مثل ہو دادی اور پھوپھیاں
ساری عمر خرچیاں کماتی رہیں مہر مثل آئے تو کہاں سے آئے ناچار مہر شرع محمدی
ماننا پڑا اور بات یہ بنائی کہ وہ بھی کیا بی بی ہے جو میاں پر مہر کا دباؤ ڈال کر گھر کرے
ہم تو بڑا مہر مرد کے دل کو سمجھتے ہیں دل مٹھی میں آیا تو جانو سب کچھ بھر پایا۔ وہ کیا
غضب کے دو انچھر تھے کہ ادھر پڑھے گئے اور ادھر فکروں نے آگھیرا۔ بیگم نے
نکاح کے بعد پہلی بات جو کی وہ یہ تھی کہ یہ مکان جس میں میں رہتی ہوں تم کو معلوم
ہے کہ کرائے کا ہے اور جتنا ساز و سامان تم یہاں دیکھتے ہو یہانتک کہ میرے
ہاتھ کان کا گہنا اور گلے کے کپڑے کوئی چیز میری نہیں۔ میری سگی خالہ میرے
ساتھ ہیں یہ سب انکا مال ہے اُن کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ میں نکاح کروں اب جو میں
نے اُن کو ناراض کر کے کیا ہے تو ادھر کی دنیا اگر اُدھر ہو جائے خالہ بندی میرے
پاس ٹھیرنے والی نہیں اور مجھ کو اس وقت کہیں لے چلتے ہو تو میں طیار ہوں
اپنی آبرو کا پاس کر کے گہنا کپڑا تم بہتیرا پہناؤ گے اور میں پہنونگی مگر لے چلنا
ہے تو مجھ کو اپنے یہاں کے کپڑے پہنا کر لے چلو اور دو چار دن کیلئے یہاں ٹھیرنیکی
صلاح ہے تو جا کر خالہ سے اجازت لو میں ان کے سامنے نہیں جا سکتی۔ مبتلا نکاح
کیلئے تو بڑا مستعجل تھا مگر احمق نے پہلے سے اتنا بھی تو نہ سوچا کہ کہاں دوسری بی بی کو لیجا

رکھوں گا اور کیونکر اس نئے گھر کا انتظام ہوگا۔ اب جو دفعتہً اس کو معلوم ہوا کہ بیگم دوسری
سامان محض بنگ بینی و دو گوش اس کے سر پڑی تو بہت سٹ پٹایا اور جتنا اختلاط
وہ معمولی ملاقاتوں میں کر لیا کرتا تھا طبیعت کو اس کے لیئے بھی حاضر نہ پایا۔ یہ حقیقت
تھی اس خواہش کی جس کے پیچھے مبتلا اس قدر دیوانہ بن رہا تھا کہ دنیا اور دین کچھ
اس کو نہیں سوجھتا تھا اب ایک ذرا سا تردد پیش آگیا تو کہیں اس خواہش کا
پتا نہ تھا۔ میر متقی اور عارف اس کو یہی تو سمجھاتے تھے کہ کس فکر خسیس میں پڑے ہو
فکر کرنے کی باتیں دوسری ہیں عمدہ۔ اونچی اور ضروری اگر ان میں دل لگاؤ تو
اس فکر بیہودہ سے نجات پاؤ۔ بیگم پر اپنی درماندگی ظاہر کرتے ہوئے تو اس کو شرم
آئی آخر وہ یہ کہہ کر اٹھ آیا کہ ابھی تھوڑی دیر میں بندوبست کر کے تم کو لے چلتا ہوں
طیار رہو۔ ایک بات یہ بھی اکثر دیکھنے میں آئی کہ آوارہ اور عیاش مزاج لوگ دھوکا
دینے میں بڑے چالاک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خود ہمیشہ
تختۂ مشق مغالطات رہتے ہیں مبتلا کو بھی عین وقت پر غضب کی سوجھی تھی جب وقت
تک وہ بیگم کے پاس بیٹھا رہا کوئی بات اس کے ذہن میں نہ تھی اٹھ کر باہر آتا تھا کہ
اس نے اپنے دل میں کہا بیگم کو اپنے ہی مکان میں بلکہ زنان خانہ میں بلکہ غیرت بیگم
کے ساتھ رکھنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بات چھپنے والی تو ہی نہیں آخر کبھی نہ
کبھی کھلے گی ضرور پس جو کچھ ہونا ہے وہ برسوں کا ہوتا کل اور کل کا آج ہو چکے
یہ دل میں ٹھان وہ گھر کی طرف چلا آرہا تھا کہ راہ میں اس کو اپنے گھر کی دو عورتیں
ملیں۔ ماما۔ ماما کے ساتھ انا۔ انا کی گود میں مبتلا کی دودھ پیتی ہوئی دس گیارہ مہینے کی
ننھی بچی۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا مبتلا تو سمجھا کہ غیرت بیگم کو نکاح کی خبر ہوگئی اور سننے کے

ساتھ ہی شاید ناظر کے گھر چلی گئیں اور یہ عورتیں پیچھے سے جا رہی ہیں گھبرا کر پوچھا ماما
بولی ننھی بچّی کا جی دس بارہ دن سے ایسا ماندہ ہو رہا ہی کہ بُخار کسی وقت نہیں اُترتا
کل شام سے مطلق آنکھ نہیں کھولی۔ اب کے ایسی بھاری نظر ہوئی ہی کہ دو پہر سے
دودھ بھی مُنہ میں نہیں لیتیں بیتوکل شاہ صاحب کے پاس دم کرانے لیئے جاتے
ہیں۔ مبتلا سے اور ایک ڈاکٹر سے بہت ملاقات تھی مبتلا لڑکی کو ڈاکٹر کے پاس
لے گیا اُس نے دیکھ کر کہا بخار بڑے زور کا ہی مگر کچھ گھبرانے کی جگہ نہیں کُھچلیاں
پھول رہی ہیں مَیں مسوڑھا کھولے دیتا ہوں اور شیشی ایک بھیج دیتا عرق دونگا گھنٹے
گھنٹے بعد ایک ایک چمچہ پلانا پسینا آکر تپ اُتر جائیگی اور دودھ تو خدا نے چاہا لڑکی ابھی
پینے لگے گی مسوڑھے کی تکلیف کے مارے مُنہ نہیں چلا سکتی یہ کہکر نشتر نکال مسوڑھا
کھول دیا انا نے پیٹھ موڑ کر دودھ لگایا تو غٹ غٹ پینے کی آواز آنے لگی سب لوگ
خوشی خوشی گھر واپس آئے جب مردانے میں پہنچے تو مبتلا نے لڑکی کو آپ لے لیا
یہ تو خیر لڑکی تھی۔ اِس سے بڑا الٹا کا معصوم ساڑھے تین برس کا ہوا اِس بلا کی باتیں
جیسے بنگالے کی مینا اور ایسی پیاری صورت کہ کوئی راہ چلتا بھی دیکھتا تو گود میں اُٹھا
لیتا مبتلا نے کبھی بھول کر بھی آنکھ اُٹھا کر اُس کی طرف کو نہ دیکھا بلکہ وہ بچہ جب اس
کو دیکھتا ابا ابا کہکر دوڑتا اور یہ ظالم دور سے اُس کو جھڑک دیتا خلافِ عادت بیٹی کو
گود میں لیئے ہوئے جو گھر میں گھسا غیرت بیگم تو دیکھتے ہی ریجھ گئی۔ اور بیٹی کو
لینے کے لیئے دوڑی اور لگی پوچھنے کہیں لئے تو اس کو دم کروانے کیلیئے
بھیجا تھا کیا تم اس کو اُلٹا پھروا لائے۔ مبتلا تم کو خبر بھی ہی اس کی کُھچلیاں نکل رہی
ہیں اور کُھچلیوں کا تو معمول ہی کہ بچے کو کچلا کر کے بڑی مشکل سے نکلتی ہیں میں اسکو

ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اُس نے نشتر سے اس کا مسوڑھا کھول دیا ہے اور بخار کیلئے عرق دینے کو کہا ہے شیشی بھیج دو ماما جا کر عرق لے آئے خدا نے چاہا آج ہی رات کو بخار بھی اُتر جائے گا اور کُچلی کو تو سمجھو نکل آئی غیرت بیگم۔ اے ہئے کیا مسوڑھے کو چیرا لگایا ہے۔ مبتلا۔ کچھ خوف کی بات نہیں انا سے پوچھو کہ لڑکی کو خبر تک بھی نہیں ہوئی اُسی وقت تو اُس نے خاصی طرح دودھ پیا۔ ڈاکٹر کہتا تھا کہ جب دانت نکلنے کو ہوتا ہے تو مسوڑھا پہلے سے مُردار پڑ جاتا ہے اس وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی کچھ خدا کو بہتری کرنی تھی کہ عین وقت پر تدبیر ہو گئی ورنہ آج رات گھر میں معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔ غیرت بیگم نے لڑکی کا مُنہ کھول کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں بخار بھی کسی قدر ہلکا ہو گیا تھا اور صورت بھی ہوشیار تھی پکارا بتول۔ بتول۔ تو ماں کی آواز پہچان کر آنکھیں کھول دیں اور دیکھ کر مسکرائی بھی ماں نے پیار کر کے انا کی گود میں دیا تو پھر دودھ پیا یہ دیکھ کر غیرت بیگم بولی کہ ننھے بچوں کی یہی تو بڑی مصیبت ہے کہ آپ تو مُنہ سے کچھ کہہ نہیں سکتے اوپر والوں کو کیونکر معلوم ہو کہ ان کو کس بات کی ایذا ہے۔ آنکھوں کا نہ کھولنا اور ڈر ڈر کر اُچھل اُچھل پڑنا اور ہتھیلیوں میں بساندی بساندی بو کا آنا ان باتوں کو دیکھ کر یہاں تو سب لوگ یہی کہتے تھے کہ نظر ہو گئی ہے۔ مبتلا۔ ڈاکٹر نے دیکھنے سے پہلے زبانی حال سُنکر کہہ دیا تھا کہ کوئی دانت نکل رہا ہو گا پھر جو منہ کھول کر دیکھا تو حقیقت میں دور سے کچلی صاف جھلک رہی تھی۔ غیرت بیگم۔ گھر میں کوئی بڑا بوڑھا ہو تو ان باتوں کا دھیان رکھے بچے ذرا ماندے پڑتے ہیں تو میرے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے لو اب مغرب کی اذان یا تو ہو چکی ہو گی یا ہو رہی ہو گی لڑکی کے جھگڑے میں کھانے کا بھی تو کچھ بندوبست نہیں ہوا گوشت کا تو اب وقت

نہیں رہا کہو تو خاگینہ پکوالوں۔ مبتلا۔ جو تمہارے جی میں آئے پکواؤ مگر خدا کیلئے کوئی سلیقہ مند عورت ضرور رکھو۔ غیرت بیگم۔ ماماؤں کا تو ہمارے شہر میں ایسا توڑا ہے کہ دوا کیلئے بھی میسر نہیں جو عورتیں اس کام کی ہیں مزے میں گھر بیٹھے گوٹے کناریاں بنتی یا سلائی کا سیتی ہیں نوکری پرائی تابع داری کرے اُن کی بلا اور جن سے یہ کام ہو نہیں سکتا انہوں نے سر پر ڈالا برقع اور جدھر کو منہ اٹھا چل کھڑی ہوئیں پھر چھپے گھڑی بھیک مانگی لدی پھندی گھر لوٹ آئیں۔ مبتلا۔ لیکن میرے نزدیک تم کو ماما کی نہیں بلکہ ایسی عورت کی ضرورت ہے جو بال بچّوں کی خبر گیری کرے وقت پر اُن کا ہاتھ مُنہ دھلائے کھانا کھلائے کپڑے پہنائے گھر کی چیز بست دھرے اُٹھائے۔ غرض داروغہ کی طرح گھر کے سارے انتظام کی نگرانی کر کے تمکو آسائش پہنچائے۔ غیرت بیگم۔ تم ہی کوئی اس طرح کی عورت ڈھونڈ کر نہیں لا دیتے۔ مبتلا۔ لادوں تو رکھو گی اور کیا تنخواہ دو گی۔ غیرت بیگم۔ ضرور رکھوں گی اور تنخواہ پانچ روپے اور کھانا کپڑا۔ مبتلا۔ خیر۔ اتنی ہی تنخواہ دینا مگر خاطر داری سے رکھنا۔ لکھنؤ کی ایک عورت ہے خدا جانے کس تباہی میں آکر یہاں چلی آئی ہے اگر پھٹا پرانا ایک جوڑا کپڑا دو تو میں پہنا کر ابھی اُس کو لے آؤں۔ غیرت بیگم نے جلدی سے گٹھڑی کھول ایک جوڑا کپڑا نکال میاں کے حوالے کیا۔ مبتلا کپڑے لے بیگم پاس پہنچا اور اس کو سمجھا دیا کہ اس طور پر میں نے تمہارے گھر لے چلنے کی راہ نکالی ہے۔ مجھے اپنی بی بی کا حال معلوم ہے وہ یہی نہیں کہ صورت کی اچھی نہیں بلکہ اُس میں عقل کی بھی کوتاہی ہے۔ صورت تو خیر۔ تم خود چل کر دیکھ لو گی مگر عقل کی کوتاہی اسی سے ظاہر ہے کہ اُس نے عورت کے لانے کی فرمائش کی بھی تو مجھ سے پس تم کو چند روز البتہ عزلتی کا تحمل کرنا پڑے گا

اس کے بعد مجھے کامل یقین ہو کہ تم گھر والی ہوگی اور وہ رہے گی تو تمہاری خدمت کرے گی
یا اپنے میکے چلی جائیگی۔ غرض غیرت بیگم کا اُتارن پہن معزز ماما یا داروغہ کا بھیس بنا
بیگم مبتلا کے گھر جا داخل ہوئی بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کی طرح دبی جھجکی سکڑی سمٹی
مبتلا کو تو اتنی جرأت نہ ہو سکی کہ خود لے جا کر غیرت بیگم سے ملا دیتا۔ دروازے کے اندر
کر اتنا پکار دیا لو صاحب یہ داروغہ جی آتی ہیں اور آپ مردانے میں جا بیٹھا۔ بیگم نے
اپنے تئیں سنبھالا بہت مگر وہ جس قدر اپنے تئیں چھپاتی تھی اسی قدر اُس کا چہرہ فا[ش]
ہوتا جاتا تھا۔ آئی تو نوکری کے نام سے اور عورتوں میں بیٹھی دلہنوں کی طرح گھونگٹ
نکال کر۔ رات کا تھا وقت غیرت بیگم نے کہا ذرا روشنی قریب لاؤ تو ان کی صورت
اچھی طرح نظر آئے جوں غیرت بیگم نے زبردستی اُس کا مُنہ کھولا دیکھتی کیا ہے کہ ایک
عورت ہے جوان ماتھے پر افشاں چُنی ہوئی پٹیاں جمی ہوئی اُلٹے بل کی چوٹی اور اس
میں چنپا کا موباف کانوں میں چنبیلی کی کلیاں آنکھوں میں دھواں دھار سرمہ مسّی کی
دھڑی اور دھڑی پر لاکھا ہاتھ پاؤں میں منہدی دور سے خوشبو پڑی مہک رہی ہے
غیرت بیگم دیکھنے کے ساتھ اس طرح ڈر کر پیچھے کو ہٹی کہ جیسے کوئی بچہ بجا سے
بھاگتا ہے اور لگی کہنے اوئی بیوی یہ ماما کس قسم کی یہ تو کوئی نامراد کنچنی ہے۔ پھر
تو ہمسائے تک کی عورتیں گھر میں آبھریں اور سب نے ملکر بیگم کا ایسا بُرا ہدڑا کیا
کہ کوئی دوپٹا اُتارے لیئے جاتا ہے کوئی پیچھے سے چوٹی گھسیٹ رہا ہو۔ اگر ذرا بھی
بیگم وہاں اور رہے تو لڑکیاں اُس کی بوٹیاں نوچ کر کھا جائیں مگر کسی رحم دل
بی بی نے اُس کا ہاتھ پکڑ باہر ڈیوڑھی میں لے جا کر چھوڑ دیا اور کہا بیوی بنو جدھر سے
آئی ہو اُدھر ہی کو چلی جاؤ تو گھر والی دل کی بڑی نیک ہے کوئی اور سری کی ہوتی تو

بے ناک چوٹی کاٹے نہ رہتی۔ مبتلا ڈیوڑھی کے بازو سے لگا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا کچھ ہنسی کچھ غصّہ بیگم کو دیکھتے ہی بولا واہ اچھی اپنی گت کرائی باوجود یکہ میں نے تم سے کہدیا تھا کہ میں تم کو نوکری کے حیلے سے لیئے چلتا ہوں پھر تم کو ایسا بن سنور کر آنا اور اتنا لمبا چوڑا پردہ لگانا کیا ضرور تھا سیدھے سبھاؤ چلی آئی ہوتیں نہ کسی کو شبہہ ہوتا اور نہ چراغ لے لے کر کوئی تمہارا منہ دیکھتا خراب ذرا کی ذرا یہیں ٹھیرو پھر میں تمہاری ٹہیں جماتا ہوں مگر دیکھو خبردار کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں کو میرے تمہارے لگاؤ کا شبہہ ہو۔ مبتلا نے گھر کے اندر پاؤں رکھتے ہی پوچھا لڑکی کا کیا حال ہے۔ انّا بولی اب تو اللہ کا فضل ہے دو بار عرق پلایا اس قدر پسینا آیا کہ شام سے تین کُرتے بدل چکی ہوں۔ مبتلا۔ بس انشاء اللہ اب بخار گیا۔ ہارسے الحمدللہ بچ گئیں (بیوی کی طرف مخاطب ہو کر) لاؤ صاحب کھانا طیار ہو تو منگواؤ دسترخوان بچھا عادت کے مطابق میاں بی بی کھانا کھانے بیٹھے تو مبتلا نے پوچھا کیوں صاحب وہ عورت آئی تھی۔ غیرت بیگم۔ واہ۔ چوری اور سرزوری آج کو بڑے ماموں جان زندہ ہوتے تو اُلٹے اُسترے سے مردار کا سر منڈوا کر بھی بس نہ کرتے اور تم کو تو اپنی لاج کا لحاظ پاس آج کیا برسوں سے نہیں بڑے ماموں جان کی زندگی تک چوری چھپے کرتے تھے وہ مرے تم کھُل کھیلے۔ مردانہ مکان تو مدتوں سے کنچنیوں کا چکلہ ہو رہا ہے ایک زنانہ مکان بچا تھا سو میں خوب جانتی ہوں کہ تم اس کی تاک میں لگے ہو مگر جب تک میں جیتی بیٹھی ہوں دیکھوں تو کون رستم کی جنی میری ڈیوڑھی کے اندر پاؤں رکھتی ہے اپنا اُس کا خون ایک کردوں تو سہی۔ مبتلا۔ بے وجہ بے سبب تم اس قدر کیوں گرم ہوتی ہو بھلا اتنا تو سمجھو اگر وہ کنچنی ہوتی اور فرض کرو کہ مجھے

اُس کو بلانا منظور ہوتا تو مردانہ ہوتے سانتے مجھکو اُس کے گھر میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک۔ اور دوسرے خدا عقل دے تو سمجھنے کے لیئے ایک موٹی بات یہ ہے کہ تمہارے مانگے کے کپڑے پہنکر کیوں آتی۔ غیرت بیگم۔ کپڑا اور گہنا تو بے شک اس کے پاس نہ تھا مگر سر سے پاؤں تک چوتھی کی دُلھن معلوم ہوتی تھی۔ مبتلا۔ تم کو چاہیئے تھا کہ مجھکو بلا کر پوچھتیں اگر میں تمہاری تشفی نہ کر سکتا تب بھی اُس بے چاری کا کیا قصور تھا مجھ پر جتنا چاہتیں خفا ہو لیتیں۔ بات یہ ہے کہ حقیقت میں وہ آج شاموں شام تک پہنچی تھی مگر میں اس کو ایک مدت سے جانتا ہوں ہمیشہ یہ مجھ سے کہا کرتی تھی کہ مجھکو اس پیشے سے سخت نفرت ہے اگر کہیں میری روٹی کا ٹھکانا لگ جائے تو میں تائب ہو جاؤں۔ جب تم نے نوکر رکھنے کا وعدہ کیا تو میں نے اُس کو زبان دی اور وہ ارادے کی ایسی پکّی اور سچّی تھی کہ فوراً میرے ساتھ ہو لی اور پھر کس طرح پر کہ گہنا اور پاتا اور کپڑا اور لتّا اور ساز و سامان یعنی بھرا بھرایا گھر سب کو لات مار کر جس طرح بیٹھی تھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے بے شک جھک مارا اور میرا بال بال خدا کا اور تمہارا گنہگار رہی مگر جس دن سے چچا باوا تشریف لائے تم میری کوئی ایک بات بتاؤ اور یوں اگر تمہارے مذہب میں تو یہ کچھ چیز نہیں اور ناحق بدگمان رہو تو تمہاری خوشی بھلا تم نے چند روز تو اس بے چاری غریب کو رکھکر دیکھا ہوتا جو شخص آٹھوں پہر آنکھوں کے سامنے رہے اُس کا حال آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور کھلے گا پر کھلے گا۔ نوکر سریش نہیں ہے کہ چمٹ جائے مرضی ہوئی رکھا مرضی نہوئی نہ رکھا مگر چونکہ میرا قدم درمیان میں ہے میں تم سے بات کہوں صاف یوں بے خطا بے قصور تو میں اس کو ادھر میں نہیں چھوڑ سکتا تم ہی بتاؤ کہ اب وہ جائے

تو کہاں جائے۔ غیرت بیگم ۔ ابھی کچھ ہاں نا کرنے نہیں پائی کہ مبتلا نے کہا جا ماما جا باہر ہریالی ایک عورت کھڑی ہے اُس کو بلا لا اور کام کاج میں اُس سے مدد لیا کر۔ غرض ہریالی نکالی جا کر پھر آ موجود ہوئی۔ رات گئی تھی زیادہ لوگ کھانا کھا پی کر اپنی اپنی جگہ سو سلا رہے ہریالی بھی تخت پر بے تکیے بے بچھونے ماماؤں میں سوئی صبح کو جو اٹھے تو پھر لوگوں نے ہریالی کو گھورنا شروع کیا مگر اب اُس کا سنگار ہو گیا تھا باسی اور تمام شب کی بدخوابی اور زحمت کی تکان سے اُس کا جوبن بھی نڈھال ہو رہا تھا لوگوں نے کچھ بہت اُس کا پیچھا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گھر میں ایک منتظم عورت کی سخت ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہریالی کے پاؤں جم جانے کا سبب ہوئی ہریالی نے جو صبح سویرے اُٹھ کر دیکھا تو تمام اسباب مولی گاجر کی طرح سارے گھر میں پھیلا پڑا ہے اُس لئے خود کھڑے ہو کر جہاں جہاں فرش تھا اُٹھوا کر ڈالا او سیل میں کوٹھڑیوں میں صحنچیوں میں دروں میں باورچی خانے میں یہاں تک ڈیوڑھی میں جھاڑو دلوائی ٹوکروں نہیں چھکڑوں کوڑا نکلا اور بہت سی گری پڑی چیزیں ملیں جن کو ڈھونڈ ڈھونڈ صبر کر کے بیٹھ رہے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ کھوئی گئیں بیٹی کی تہیں جمتے جمتے دریوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اصلی رنگت پہچان نہ پڑتی تھی جھڑوایا تو منوں گرد۔ دروازوں میں جو چلمنیں اور پردے بندھے تھے اُلٹے سیدھے کا تو کس کو امتیاز تھا کوئی دھڑ تک بندھا ہے تو کوئی آدھے در میں پڑا لٹک رہا ہے اور کسی کا لپیٹ ایک طرف کو جھک کر نکل پڑا ہے تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اس کو برابر کر دیں بلکہ کئی پردوں میں سے تو فاختاؤں اور جنگلی کبوتروں اور گلہریوں کے گھونسلے نکلے گھر میں تخت تو بہتیرے ہیں مگر بیٹھنے کے دالانوں میں نہیں پر بوریے بچھے ہیں بوریوں

پردریاں دریوں پر چاندنیاں لونڈیاں اور مامائیں ہیں کہ بے تکلف مٹی اور کیچڑ کے لتھڑے ننگے پاؤں چاندنیوں پر لیے پھرتی ہیں اور چاندنیوں کا مارے دھبوں اور چکتوں کے یہ حال ہو رہا ہے کہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا صبح سے کھڑے ہریالی کو دوپہر ہو گئی تب کہیں جاکر اتنا کام ہوا کہ گھر میں جھاڑو دی گئی دالانوں میں اس حساب سے تخت بچھوائے کہ بیچ میں فرش اور ادھر ادھر ماماؤں اور لونڈیوں کے چلنے پھرنے کی جگہ اب چاندنیوں اور تکیوں کے غلاف اور پلنگوں کی چادروں کی ڈھنڈیا پڑی۔ قاعدہ ہے کہ جب چیزوں کا انتظام نہیں ہوتا تو یہی شناخت ہے کہ چیزوں کی حفاظت بھی نہیں۔ اتنا بڑا گھر اور اس وقت دھوئی ہوئی تین چاندنیاں درکار تھیں وہ بھی نہیں ملتی تھیں۔ غیرت بیگم نے بہتیرے پتے بتائے ارے کمبختو ابھی ہفتے عشرے کا ذکر ہے دھوبن چاندنیوں کا گٹھڑ لائی وہ سب ڈھیر کا ڈھیر کیا ہو گیا لٹھے کی وہ کوری چاندنی جو بیچ کے دالان میں بچھی تھی اور پرسوں اترسوں اس پر سالن کی دیگچی مبارک قدم کے ہاتھ سے الٹ پڑی تھی اور میں نے صاف کرنے کے لیے اٹھوا دی تھی کہاں ہے جتنی کھڑی تھیں ایک ایک کا منہ دیکھتی تھی اور ایک ایک پر ٹالتی تھی آخر بڑی مشکل سے دو چاندنیاں اناج کی کوٹھڑی میں مچان پر پڑی ملیں جن میں چوہوں نے کاٹ کاٹ کر غبارے ڈال دیے تھے اور ایک میں کسی ماما نے سوکھے ٹکڑے باندھ کر کھونٹی میں لٹکا رکھے تھے اسی جستجو میں معلوم ہوا کہ کئی چاندنیاں باہر ماتیں کے پاس ہیں وہ اوڑھ کر سوتا ہے۔ دو یا تین چاندنیاں کسی کو مانگی دی تھیں وہ واپس نہیں آئیں آخر میلی چاندنیوں کا ایک ڈھیر غسل خانے میں پڑا ملا۔ غرض اس وقت تو ہریالی نے کسی طرح گن گن کر فرش کو پورا کیا۔ پلنگ سب کے سب جھولا ہو رہے تھے

اُن کو کسوا کر اُجلی چادریں بچھوا دیں تکیوں کے غلاف بدلے اُجلا دسترخوان نکلوا دیا اتنے میں معلوم ہوا کہ میاں (مبتلا) کھانے کیلئے آرہے ہیں ہریالی یہ سُن کر سامنے سے ٹل باورچی خانے کے آڑ میں ہو گئی مبتلا نے آکر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں گھر کی صورت بدلی ہوئی تھی سمجھا کہ یہ سب ہریالی کے تصرفات ہیں۔ دالان میں بیٹھ کر کھانا مانگا تو باورچی خانے سے دو لونڈیاں سالن کی دو دو رکابیاں لیکر چلیں پیچھے سے ایک ماما ہاتھ میں روٹیوں کی تھئی اُٹھا کر دوڑی۔ ہریالی سے نہ رہا گیا عین وقت پر ہو کیا سکتا تھا مگر خیر ان جاتیوں کو روک کر جلدی جلدی تھالی جوڑ پانی پینے کی صراحی سینی سلفچی خاصدان اُگال دان سب چیزیں منجوا ئیں سینی کے بیچ میں وٹی گرداگرد سالن کی رکابیاں جما اوپر سے خوان پوش ڈھک ایک لونڈی کے سر پر رکھوا سمجھا دیا کہ دیکھ خبردار آگے دیکھ کر آہستہ آہستہ چلیو کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ اور دوسری لونڈی کو سلفچی آفتابہ اُجلا دسترخوان دے کر اُس کے ساتھ کیا کہ پہلے تخت کے نیچے کھڑی رہ کر میاں بی بی دونوں کے ہاتھ دُھلا ئیو جب ہاتھ دھو چکیں سلفچی آفتابہ الگ رکھ کر دونوں کے بیچ میں اُجلا دسترخوان بچھا ئیو اور سینی احتیاط کے ساتھ اُتروا کر روٹیاں بیچ میں رکھیو۔ دو قسم کا سالن ہے دونوں کے سامنے دونوں قسم کا رکھ دیجیو۔ تھالی جوڑا اور پانی پینے کی صراحی پیچھے سے بھجواتی ہوں جب مانگیں تو خبردار آدھے کٹورے سے زیادہ بھر کر نہ دینا اور پانی جو پلانا تو جھک کر کٹورا آگے کر دینا کہ خود اپنے آنکھ سے دیکھ لیں اور تھالی مُنہ کے نیچے رکھنا کہ پانی کپڑوں پر گرنے نہ پائے۔ گھر میں چٹنی آچار مربا سبھی کچھ تھا مگر دسترخوان پر رکھنے کا دستور نہ تھا جس کسی کو کبھی کسی چیز کا خیال آگیا اور مُنہ پھوڑ کر مانگی تو مرتبان یا آچاری اُس کے پاس لے جا کر

روٹی پہ ایک پھانک رکھدی ہریالی نے چار قسم کی چار پیالیاں ایک کابی میں لگا ابھی کھانا شروع نہیں کرنے پائے تھے کہ پہنچا دیں۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کو گرم پانی کا آفتابہ اور ایک طشتری میں بیسن کھانے کو خاص دان میں بھیگی ہوئی صافی سے لپٹی ہوئی گلوریاں پہلے سے تخت پر رکھوا دیں۔ یہ تو ہریالی کے پہلے دن کے بلکہ پورا دن بھی نہیں دوپہر کے اور جلدی کے کام تھے۔ مہینے بھر کی محنت میں اس نے کپڑے کا کھانے کا سامان خانہ داری کا اندر باہر دونوں جگہ کے نوکروں کا بازار کے سودے سلف کا سب انتظام کر دیا۔ سلیقہ بھی عجب چیز ہے اندر باہر عورت مرد جتنے نوکر تھے آپ سے آپ سب ہریالی کا ادب کرنے لگے معصوم ایسا ہلا کہ دن رات میں ایک دم کیلئے گود سے نہیں اترتا تھا۔ بتول کی کیا بساط تھی کیسی ہی پھرتیلی ہو آوارہ سستی اور چپکی ہوئی غیرت بیگم کے دل میں اسکی طرف سے شک تو تھا مگر ہر چند تو وہ لگائی کوئی بات پکڑ پائی۔ مبتلا کے گھر میں آنے کے وقت مقرر تھے ہریالی ان وقتوں میں ادھر ادھر کسی نہ کسی بہانے سے ٹل جاتی تھی اور اگر جانا بضرورت سامنے چلی پھری بھی تو ایک دوسرے سے ایسے بے رخ بن جاتے تھے کہ تعلق کیسا گویا جان پہچان تک بھی نہیں مگر خدا جانے دونوں کو کیا ڈھب پڑا تھا کہ اتفاقی اچٹتی ہوئی ایک نگاہ ان کے حق میں خلوت کا حکم رکھتی تھی نہیں معلوم مبتلا آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا کہہ دیا کرتا تھا کہ ہریالی برابر سرگرمی اور دلسوزی کے ساتھ گھر کے انتظام میں مصروف رہتی تھی۔ سچ ہے غیرت بیگم کے ساتھ مبتلا کے دل کے نہ ملنے کا بڑا سبب تھا مبتلا کی حسن پرستی اور آوارگی۔ مگر اتنا قصور تو غیرت بیگم کا بھی ضرور تھا کہ اس نے مبتلا کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے ذرا بھی کوشش نہیں کی وہ سمجھی جیسا کہ گھر کی بیبیاں اکثر سمجھا کرتی ہیں

کہ جب ماں باپ نے میاں کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیا تو بس مجھے اپنی طرف سے کچھ کرنا نہیں اب
میاں کا کام ہے کہ کما کر لائے اور مجھے کھلائے پہنائے میری خاطر داری و مدارات
کرے لیکن اس کو اتنی بات اور سمجھنی چاہیے تھی کہ کھلانا پہنانا خاطر داری مدارات کرنا
سب چیزیں متفرع ہیں رغبت پر۔ رغبت کرنا میاں کا کام ہے اور دلانا بی بی کا رہی یہ بات کہ
بی بی کیونکر میاں کو رغبت دلائے اس کیلئے ایسا کوئی قاعدہ نہیں کہ ہر جگہ چل سکے
کیونکہ ہر ایک کا مزاج مختلف اور ہر شخص کی رغبت جدا لیکن بی بی اگر چاہے تو اسکو
اپنے میاں کی رغبت کا معلوم کر لینا کیا مشکل ہے مثلاً غیرت بیگم اتنا تو دیکھتی تھی کہ مبتلا
کیسی صفائی اور کس شان کے ساتھ رہتا ہے وہ ہر چیز میں حسن چاہتا تھا خیر حسن صورت
مبتلا کی پسند کے لائق تو اختیاری بات نہ تھی مگر جس قدر اختیاری تھی غیرت بیگم نے
اتنی ہی کر کے دکھائی ہوتی۔ گھر کی صفائی ستھرائی ساز و سامان کی درستی انتظام
کی خوبی یہ چیزیں بھی داخل حسن ہیں اور طبیعت میں سلیقہ ہو تو ہاتھ پاؤں کے اور غیرت بیگم
کی تو زبان کے ہلانے سے سب کچھ ہو سکتا تھا مگر اس نے ان چیزوں کی طرف
کبھی بھول کر بھی توجہ نہ کی مردانے مکان میں میاں کی بیٹھک تھی اسی کو دیکھ کر
متنبہ ہوئی ہوتی جس کا اپنا کیا حال تھا کہ میاں کو جو شروع شروع میں اپنی طرف سے
بے رخ پایا تو تین تین چار چار دن سر میں کنگھی ندارد لونڈیوں کے تقاضے سے
دسویں پندرھویں سر دھویا ہے تو بالوں میں تیل کی خبر نہیں پھوٹے پھوٹے روکھے
بال دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کڑک مرغی بیٹھی ہے آنکھوں میں سرمہ نہیں
ہاتھ پاؤں میں مہندی نہیں پھول نہیں عطر نہیں گوٹا نہیں کناری نہیں غرض
عورتوں کے سنگھار کی کوئی چیز نہیں مبتلا کو پہلے استکراہ تھا غیرت بیگم کی بے تدبیریں

نے اسکراہ کو نفرت اور نفرت کو ضد اور ضد کو چڑ بنا دیا۔ صورت شکل میں ہریالی کچھ غیرت بیگم سے زیادہ اچھی نہ تھی مگر چھٹانک بھر حسن ہوتا ہے تو غور پرداخت سے دیکھنے والوں کی نظر میں سیر بھر جنچنے لگتا ہے سو غور و پرداخت کے عوض غیرت بیگم تو یہ چاہتی تھی کہ اُبٹنے کی جگہ تھوڑی سی کیچ ملے تو اٹھا کر منہ کو مل لوں۔ میاں بی بی میں جب اختلاف مزاج اس درجے کا ہو تو اُن میں صحبت بر آر ہونے کی کیا امید نتیجہ یہ ہوا کہ چھاتی پر مونگ دلنے کے لیئے آخر ایک سوکن تو آموجود ہوئی۔ ہریالی کا انتظام دیکھ دیکھ کر غیرت بیگم کا پھوہڑ پن مبتلا کے دل میں اور بھی بیٹھتا چلا جاتا تھا۔

اکیسویں فصل غیرت بیگم پر اپنی سوکن ہریالی کا راز کا فاش ہونا اور اُس کا سوکن کو مارنا اور آخر کار سید حاضر کا بیچ بچاؤ اور فیصلہ کرنا

معلوم نہیں مبتلا کو کب تک ہریالی کا اس نمط پر رکھنا منظور تھا کہ ایک دن گھر میں باہر سے یہ اطلاع پہنچی کہ ایک بوڑھی عورت نوکری کی جستجو میں آئی ہے اگر حکم ہو اندر بھیج دیں۔ انتظام خانہ داری تو سب ہریالی کے ہاتھ میں تھا غیرت بیگم نے ہریالی سے پچھوایا ہریالی کسی کوٹھڑی میں خدا جانے کس کام میں مصروف تھی اُس نے وہیں سے کہا کیا مضائقہ غرض وہ عورت اندر آکر سیدھی غیرت بیگم کے پاس جا بیٹھی اور لگی کہنے کہ میں تو ہریالی بیگم پاس آئی ہوں جن کو تمہارے میاں نکاح پڑھوا کر نکال لائے ہیں۔ مدت سے میں ان کے یہاں اوپر کے کام پر نوکر تھی بیگم کو تو نکلے ہوئے تین مہینے ہونے آئے میں ان کی خالہ کے پاس رہی آج آٹھواں دن ہے کہ وہ بھی لکھنؤ سدھاریں میں نے کہا چلوں اگر بیگم پھر رکھ لیں تو میں اُن کے مزاج سے واقف ہوں وہ مجھ کو جانتی

پہچانتی ہیں ان جان جگہ تابع داری کرنی کیا ضرور کیا وہ اس گھر میں نہیں رہتیں
غیرت بیگم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ تم جن کے پاس آتی ہو وہ سامنے والی کوٹھڑی
میں ہیں وہ عورت اٹھ کر کوٹھڑی کی طرف چلی دروازے تک پہنچی تھی کہ اتنے میں
غیرت بیگم بے خود ہو کر بگولے کی طرح اٹھی اور وہ عورت ابھی ہریالی سے بات بھی نہیں
کرنے پائی تھی کہ اس نے پہنچ کر بے چاری بڑھیا کو اوندھے منہ ہریالی پر دھکیل دیا
اور کہا کہ تم نے دیکھا یہ ہریالی نہیں گھر والی ہے یہ بی بی ہے یہ میری سوکن ہے میں رانڈ
ہوں یہ سہاگن ہے میں لونڈی ہوں یہ بیگم ہے میں چڑیل ہوں یہ حور ہے یہ میاں کی
لاڈو ہے یہ میاں کی چہیتی ہے یہ میاں کے کلیجے کی ٹھنڈک ہے۔ یہ کہتی جاتی تھی اور اُس
کے ساتھ ہزارہا گالیاں اور سیکڑوں کوسنے اور دوہتڑ تھا کہ باری باری سے اس
شامت کی ماری بڑھیا اور ہریالی پر اور اپنے آپ پر بھی اس زور سے پڑ رہا تھا کہ
گویا مزدور سڑک کوٹ رہے ہیں گھر میں بہتیری لونڈیاں اور مامائیں تھیں مگر سیدانی کا جلال
دیکھ کر کسی کی ہمت نہ پڑ سکی کہ کوٹھڑی کی طرف رُخ کرے سب کی سب بدحواس ہو کر بھاگ
کھڑی ہوئیں ہمسایے کی عورتیں کوئی کھڑکیوں میں سے کوئی دیوار پر سے کھڑی
جھانکتی تھیں پر کسی سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ گھر کے اندر قدم رکھے مبتلا کو دکھلایا
تو وہ بھی اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے مردانے میں ٹٹروں ٹوں اکیلا فادار
اس کو اور تو کچھ نہ سوجھی گھوڑا تو دروازے پر بندھا ہوا تھا ہی منہ میں لگام دے
ننگی پیٹھ سوار ہو بگٹٹ سیدھا پہنچا کچہری میں سید ناظر کے پاس ناظر اُسی گھوڑے
پر چڑھ دھم سے آموجود ہوئے اور اتفاق سے سید حاضر بھی کسی ضرورت سے دو تین
دن کے آئے ہوئے تھے کچہری سے اُن کے پاس بھی آدمی دوڑا دیا کہ آپ بھی جلد آئیے

غرض سید حاضر اور مبتلا بھی آگے پیچھے پہنچ گئے غیرت بیگم سید ناظر کے آنے سے پہلے کھڑی اور پڑی اتنا پیٹی اتنا پیٹی کہ آخر اُس کو غش آگیا ناظر جس وقت پہنچا ہے تو وہ بالکل بیہوش پڑی تھی ناظر نے آتے کے ساتھ اُس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کیں۔ سید حاضر اور مبتلا دونوں آلئے ہیں اُس کے بہت دیر بعد غیرت بیگم کو ہوش آیا سب سے زیادہ چوٹ غیرت بیگم ہی کو لگی تھی کہ اُس نے پیٹ پیٹ کر اپنا سارا بدن چوڑی کی طرح نیلا کر لیا تھا۔ ہریالی کی بھی کُندی خوب ہوئی مگر اُس کو گجّی مار لگی تھی۔ بڑھیا ہریالی اور کوٹھری کی دیوار کے بیچ میں آکر بچ گئی مگر وہی مثل ہے کہ مرغی تو نکلے ہی کا گھاؤ بہت ہوتا ہے دو تین دو ہتڑ جو اُس پر جمتے ہوئے بیٹھ گئے وہ اتنے ہی میں سِسکیاں لینے لگی اگر ناظر نہ ہوتو کوتوالی والے کیا اس مقدمے کو بے چالان کئے رہیں توبہ۔ اور اگر حاضر نہ ہو تو ناظر اور مبتلا آپس میں کٹ مریں۔ پانچ چھے دن تو بیماروں کی دوا دارو ہوتی رہی باندھنے کے موقع پر آنبا ہلدی کا حلوا پکا پکا کر باندھا سینکنے کی جگہ پُرانے رُوڑا اور ریہ سے سینکا۔ پھٹکری کو دودھ میں جوش کر کے پلایا۔ اب کیا باقی رہ گیا تھا جس کے لیئے مبتلا کو ہریالی سے ملنے میں تامل ہوتا۔ حاضر ناظر بہن کی خدمتگذاری میں لگے تھے اور مبتلا کھلم کھلا ہریالی اور اُس کی بڑھیا کی۔ بارے جب سب کے ہوش و حواس درست ہوئے تو لگے اپنی اپنی جگہ صلاحیں کرنے۔ مبتلا اور ہریالی کی تو یہ مصلحت تھی کہ اب اسی گھر میں برابری کے داعیئے سے رہنا اور جلتوں کو خوب جلانا۔ اُدھر حاضر ناظر غیرت بیگم کے آپس ہی میں پھوٹ تھی ناظر کہتا تھا کہ ابھی لگتے ہاتھ پہلے تھانے میں اطلاع لکھوا کر ایک دم سے تین نالشیں تو فوجداری میں داغو۔ مداخلت بیجا کی ہریالی پر اور ضرر رسانی اور اپنے اور دونوں بچوں

کے نفقے کی مبتلا پر اور ایک دعویٰ مہر کا کاغذ کامل القیمت پر دیوانی میں دائر کرو غیرت بیگم معاملے مقدمے کو تو کچھ سمجھتی بوجھتی نہ تھی وہ اپنی اسی ایک بات پر اڑی ہوئی تھی کہ مجھ کو سید نگر پہنچا دو نہیں تو افیون کھاتی ہوں۔ سید حاضر تھا میر متقی صاحب کے خوشہ چینوں میں اور بات کے انجام کو سوچتا تھا اس کی یہ رائے تھی کہ نہ تھانے میں اطلاع لکھواؤ نہ سرکار دربار میں کسی طرح کی نالش فریاد کرو نہ سید نگر جاؤ نہ افیون کھاؤ صبر کر کے چپ چاپ گھر میں بیٹھی رہو سوکن کا آنا تمہاری تقدیر میں تھا سو ہوا اب تمہارے شور و فساد سے بہت ہو گا تو شاید اس گھر سے نکل جائے مگر تم اپنے میاں کو اس کے چھوڑ دینے پر مجبور نہیں کر سکتیں تم جو سید نگر چلے یا افیون کھانے کو کہتی ہو تو تمہاری نامراد سوکن کی عین مراد ہے ناظر بھائی نے جو تدبیر بتائی اس کا خلاصہ ہے لڑائی اور لڑائی کا ضروری نتیجہ ہے نقصان اور تردد اور فضیحت اور رسوائی۔ اب تو سوکن کے آنے سے تم کو صرف ایک خیالی تکلیف پہنچی ہے اور تم افیون کھانے کو موجود ہو لڑائی کی صورت میں بہت سی واقعی تکلیفیں ایسی پیش آئیں گی کہ شاید تمہارے ساتھ مجھ کو اور ناظر بھائی کو بھی افیون کھانی پڑے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوکن کے آنے پر تم اس قدر آپے سے باہر کیوں ہو گیا سوکن تم پر آج آئی ہے تمہارا تو بیاہ ہوا ہے پیچھے اور سوکنیں تمہارے بیاہ سے بہت پہلے کی آئی ہوئی موجود تھیں کیا تم کو معلوم نہیں تم ہی بتاؤ کہ مبتلا بھائی کس دن بے سوکن کے رہے سارا سید نگر جانتا ہے کہ میں نے تمہاری منگنی کے وقت بہتیرا غل مچایا مگر میری سنتا کون تھا میں تو تمہارے نصیبوں کو اسی دن رو چکا جس دن تمہاری بات ٹھہری۔ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے ورنہ میں تو حقیقت میں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا کہ مبتلا بھائی نے نکاح پڑھا لیا اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے آوارگی

سے توبہ کی وہ کوٹھوں کوٹھوں سربازار خدائی خوار بڑا پھرتا بہتر یا ایک کا ہو رہنا اور اس کو اپنا کر لینا بہتر تم کیسی مسلمان ہو کہ ایک شخص جب تک خلافِ شرع چلتا رہا تم نے ہوں تک نہ کی۔ اُس کا طریقہ شریعت پر آنا تھا کہ تمہارے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی ہم تو بھائی ایسے دین ایمان کے قائل نہیں۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مبتلا بھائی نے تمہارا بڑا لحاظ کیا کہ نکاح کو تم سے چھپایا اور تمہاری خاطر سے بی بی کو ماما بنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم پردہ فاش نہ کرتیں تو مبتلا بھائی اس عورت کے ساتھ اپنے معاملے کو اسی طرح دبا دبایا رہنے دیتے مگر تم نے بیٹھے بٹھائے سوتی ہوئی بھڑوں کو جگایا اُن کو حیلہ ہاتھ آیا اب اگر وہ اس عورت کی اور بڑھیا کی دلجوئی اور خبر گیری نہ کرتے تو سارا گھر کھچا کھچا پھرتا ہیں لئے تو جس وقت آکر بڑھیا کو دیکھا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرے تو ہوش اُڑ گئے تھے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف چہرے کی رنگت متغیر میں تو سمجھا خدا جانے کہاں بے موقع صدمہ پہنچا کہ اس کا سانس پیٹ میں نہیں سماتا پوچھو میاں ناظر سے اخباروں میں کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی گورے نے ایک قلی کو تھپڑ کھینچ مارا یا ٹھکرا دیا اور قلی فوراً مر گیا۔ غیرت بیگم تم نے یہ بڑی سخت بے جا حرکت کی اور اگر تم اس طرح دست درازی کروگی تو یقین جانو تم اپنی تو اپنی ایک نہ ایک دن سارے خاندان کی ناک کٹوا دوگی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے چند بدنصیب بندے یعنی لونڈیاں جو تمہارے اختیار میں ہیں تم حق ناحق اپنا غصہ اُن پر نکالتی رہتی ہو یہ بے چاریاں تمہارا کچھ کر نہیں سکتیں ہاتھ چھوٹا ہوا طبیعت بڑھی ہوئی تم سمجھیں کہ سب جانور ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جاتے ہیں سوکن اور بڑھیا دونوں کو اٹھا کر پیٹ ڈالا گویا وہ تمہاری لونڈی ہے اور یہ تمہاری باندی وہ تو خدا نے

اتنی خیر کی کہ بڑھیا مری نہیں اور ادھر عین وقت پر آپہنچے میاں ناظر کہ اُن کے ملاحظے سے کوتوالی والوں نے تھوپ تھاپ کر دی ورنہ ساری شیخی کرکری ہوجاتی کہ سادات سید نگر کی بیٹی میر مہذب کی بہو کی ڈولی کوتوالی چبوترے پر دھری ہوتی۔ صد آفریں ہے تمہاری سوکن پر ہو تو ذات کی کنجنی مگر بڑی ضبط کی آدمی ہو کہ تم سے کہیں زبردست معلوم ہوتی ہو مگر چپکی مار کھا یا کی اور اُلٹ کر اُف تک نہ کی کیوں غیرت بھلا جیسا تم نے اس کو مارا تھا اگر وہ بھی برابر سے مارتی تو تمہاری عزت تو دو کوڑی کی ہوجاتی مگر اتنا فائدہ ضرور ہوتا کہ پھر تمہارا ہاتھ کسی پر نہ اُٹھتا۔ سید حاضر نے ناظر اور غیرت بیگم کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ دونوں کو کچھ جواب نہ بن پڑا اور دونوں اپنا اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے آخر ناظر بولا کہ آپ ہم دونوں سے بڑے ہیں جو کچھ آپ کے نزدیک مناسب ہو اس کی تعمیل میں نہ مجھ کو عذر ہے اور نہ آپا کو یہ معاملہ ناموس کا ہے اور بھائی بہنوں کی ناموس کچھ جُدا جُدا نہیں ہوتی اس میں رتی برابر فرق نہیں کہ آپ جو کچھ کریں گے آپا کے حق میں بہتر ہی کریں گے سید حاضر نے کہا بس تو مجھ کو مبتلا بھائی سے دو دو باتیں کرلینے دو انشاء اللہ میں کوئی ایسی راہ نکالوں گا کہ دونوں میاں بی بی میں صفائی ہوجائے ایسا موقع تاک کر کہ مبتلا مردانے میں اکیلا تھا سید حاضر خود اس کے پاس گئے جس وقت سے گھر میں یہ واردات ہوئی تھی حاضر اور ناظر دونوں کی طرف سے بُرے ہی بُرے خیالات مبتلا کے دل میں گذرتے تھے۔ اُس کو ساری عمر کبھی کچہری جانے کا اتفاق نہیں ہوا بس کچہری کے نام سے اُس کا دم فنا ہوتا تھا اور حاضر ناظر دونوں کو خصوصاً ناظر کو کچہری ایسی تھی جیسے مچھلی کو تالاب مویشی کو تھان۔ پرند کو گھونسلا۔ عورت کو میکا۔ باوجودے کہ سر تا سر قصور غیرت بیگم کا تھا مگر مبتلا اُلٹا چور کی

طرح سہما جاتا تھا کہ دیکھیے یہ بھائی بہن کئی کئی دن سے کیٹیاں کر رہے ہیں کیا فساد کھڑا
کرتے ہیں اُس کے دوست آشناؤں میں بھی کسی کسی نے اُس کو کوتوالی اور فوجداری
میں استغاثہ کرنے کی صلاح دی تھی مگر ہر چند اُس کو مردُوا بناتے تھے کچہری کا نام
آیا اور اُس کا رنگ فق ہوا وہ بگڑ بگڑ کر ایک ایک کی منت کرتا تھا کہ یارو مجھ سے
مدعی بننے کی توقع مت کرو کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اگر یہ لوگ مجھ پر نالش کریں اور کریں
ہی گے تو مجھ کو حاکم کے روبرو نہ جانا پڑے۔ بہتیرا لوگ سمجھاتے تھے کہ اُن کی
طرف سے نالش کے ہونے کی کوئی رُوداد نہیں اور فرض کیا کہ نالش ہو بھی تو تم
اپنی طرف سے جواب دہی کے لیے مختار یا وکیل کھڑا کر دینا بلکہ بعضے تو شرط باندھتے
تھے کہ اگر نالش ہو اور خدانخواستہ تم پر کسی طرح کی آنچ آجائے تو حاکم جو سزا تمہاری تجویز
کرے اُس کی چوگنی ہم بھگتنے کو موجود ہیں چاہو ہم سے لکھوالو۔ مبتلا کہتا تھا تم ناظر بھائی
کے ہتھکھنڈوں سے واقف نہیں ہوارے میاں وہ اس بلا کا آدمی ہے کہ چچا یا دا چچا سے
کسی کے لینے میں نہیں دینے میں نہیں اُس نے دل پر رکھا تو شہر سے نکلوا کر چھوڑا مبتلا
کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ہر یالی اور اُس کی بڑھیا کی مرہم پٹی کی ضرورت سے کھڑے کھڑے گھر
میں جاتا تو اُلٹے پاؤں باہر بھاگا ہوا آتا کہ دیکھوں کہیں سرکار سے طلبی تو نہیں آئی
اتنے دن نہ تو اُس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور نہ پوری نیند سویا اگر تھوڑے
دن اَور سید حاضر کی طرف سے سبقت نہ ہو تو مبتلا اس قدر پریشان تھا کہ وہ خود ابتدا
کرتا اور اتنے دن بھی وہ اپنے آپ کو سیٹے رہا تو ان لوگوں کی نارضامندی کے
خیال سے اُس کو جرأت نہیں ہوئی سید حاضر کو دور سے آتا ہوا دیکھ کھڑا تو ہو گیا مگر
اس وقت تک اُس کے دل میں کھٹکا تھا کہ اِن کا آنا خالی از علت نہیں جب سید حاضر نے

قریب پہنچکر معانقے کیلیے ہاتھ پھیلائے تو اُس کو اطمینان ہوا اور بھائی کے گلے لگ کر غیرت بیگم کی زیادتی اور اپنی مجبوری اور اتنے دن کی پریشانی کو یاد کرکے خوب رویا سید حاضر کا بھی جی بھر آیا کہ دیکھو خدا کے فضل سے گھر میں سب طرح کی فراغت ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں ہیں بچے ہیں کسی بات کی کمی نہیں مگر ایک بری لت جو اپنے پیچھے لگالی ہے تو زندگی کیا تلخی سے گزرتی ہے۔ معانقے کے بعد دونو بھائی ایک جگہ بیٹھے تو سید حاضر نے کہا مبتلا بھائی یہ نیا رشتہ تمہارے ساتھ کیا ہوا کہ وہ پُرانا رشتہ بھی اِس کے پیچھے گیا گزرا ہوا۔ دیہات کا کمبخت کیا بُرا دستور ہے کہ ہم تو بہن کے گھر پر بلا ضرورت آ نہیں سکتے اب تمہاری ہی طرف سے ملاقات ہو تو ہو سید نگر تو بھلا تم کیوں آنے لگے شہر میں بھی تم کہیں نظر نہیں آتے آج آٹھواں دن ہے کہ میں بلا ناغہ دونو وقت یہاں آتا ہوں تم کو چار بار دیکھا بھی مگر تمہارا رُخ نہ پایا۔ آخر آج مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے کہا لاؤ میں ہی پیشقدمی کرکے تم سے ملوں۔ مبتلا۔ کیا کہوں میں تو ندامت کی وجہ سے نہیں ملسکا۔ حاضر۔ ندامت کی کیا بات ہے عورتیں ناقصات العقل آپس میں لڑا جھگڑا ہی کرتی ہیں اگر مرد ایسی ایسی باتوں کا خیال کیا کریں تو دنیا میں کیسے گزر ہو۔ مبتلا۔ آپ پر ثابت تو ہو گیا ہوگا کہ زیادتی کس کی تھی۔ حاضر اس معاملے میں میرا منہ نہ کھلواؤ میں تم سے کیسی ہی سچی بات کیوں نہ کہوں پر تم یہی سمجھوگے کہ بہن کی طرفداری کرتا ہے۔ مبتلا میں نے آپکے تدین کی تعریف اور کسی سے بھی نہیں بچا باوا سے سُنی ہے میں آپ کی نسبت بے انصافی کا خیال کبھی کر ہی نہیں سکتا حاضر دوسرا نکاح تو تم کر چکے اب اس کی نسبت یہ کہنا کہ تم نے جلدی کی یا بے جا کیا فضول ہے بلکہ ایک اعتبار سے تو میں کہتا ہوں کہ تم نے بجا کیا مناسب کیا خوب کیا اور ضرور کرنا چاہیے

تھا۔ تمہارا طرزِ زندگی دین کے شرافت کے بھلمنساہت کے عقل کے سب کے خلاف تھا
بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے اُس سے توبہ کی خدا کرے کہ تمہاری توبہ پہاڑ کی
طرح مستحکم ہو بھاری بھرکم ہو مضبوط ہو اٹل ہو مگر مجھ کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک ٹکر
کو تو تم اُٹھا نہ سکے جوڑی تم سے کیونکر بلائی جائیگی تمہاری وہی مثل ہے کہ تنور سے
بچنے کے لیئے بھاڑ میں گرے دو بیبیوں کا رکھنا جمع بین النقیضین کچھ آسان کام نہیں
تم نے تو ایسی ہنڈیا پکائی ہے کہ یہ واقعہ جو پیش آیا اُس کا پہلا اُبال ہے جب کھرچن کی
نوبت آئیگی تو اصلی مزہ معلوم ہوگا یقین جانو کہ میں کچھ بہن کی پاس داری سے نہیں
کہتا بلکہ حقیقت نفس الامری بیان کرتا ہوں کہ تم نے غیرت کی قدر و وقعت کو مطلق نہیں
پہچانا۔ غیرت بیگم خدانخواستہ (شرامت ماننا) تمہاری اس بی بی کی طرح گری پڑی بازاری
عورت نہیں وہ ایسے جتھے اور ایسے گروہ اور ایسی برادری اور ایسے خاندان کی
بیٹی ہے کہ جہاں اُس کا پسینا گرے آج سید نگر میں کم سے کم دو سو آدمی اپنے نکلیں گے
جو اپنا خون بہانے کو موجود ہو جائیں گے۔ عورتوں کے معاملے عزت اور آبرو اور
ناموس کے معاملے ہیں مال کی تو کیا حقیقت ہے عزت کے آگے شرفا خاصکر دیہات
کے خاصکر سادات خاصکر ساداتِ سید نگر جان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے یاد
کرو کتنی منت کس قدر خوشامد کیسی آرزو سے ماموں اور ممانی (خدا اُن دونوں کو جنت
نصیب کرے) غیرت بیگم کو بیاہ کر لائے آج کو وہ دونوں یا اُن میں سے ایک بھی زندہ
ہوتے تو کیا تمہاری مجال تھی کہ تم غیرت بیگم پر سوکن لاؤ اور اسی کی گود میں بٹھاؤ پھر
بندۂ خدا تم کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ اس کے نہیں ساس سسرے اس کے
نہیں دنیا میں وارث کہو سر پرست کہو شوہر کہو ایک تم سو تم نے چلا چلا کر اس کا یہ

حال تو کر دیا کہ سید نگر کی نسبت اب تہائی بھی باقی نہیں رہی اور اس پر بھی تم کو صبر نہ آیا سوکن کو لا بٹھایا عورت ہو تو جانو یا عقل ہو تو پہچانو کہ سوکن کا کیسا داغ ہوتا ہے بیوگی سے بڑھکر نہ میاں نکھٹو اپاہج ہو بد مزاج ہو روٹی کھانے کو اولاد جی بہلانے کو نہ ہو سب مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور نہیں جھیلی جا سکتی تو سوکن کی۔ دنیا کے اور جلاپے جلاپے ہیں اور سوکن کا جلاپا سلگاپا جس شخص پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو وہ اگر افیون کھا لیتی یا کوئیں میں گر پڑتی یا پیٹ میں چھری بھونک لیتی اُس سے کسی بات کا تعجب نہ تھا بلکہ تعجب یہ ہو کہ رونے پیٹنے پر قناعت کی اگر خدانخواستہ اُس نے اپنے کو ہلاک کر لیا ہوتا تو تمہارا کیا جاتا تم تو نئی بی بی کے ساتھ چین کرتے گل چھرے اُڑاتے ہم کو بہن کہاں پیدا ہوتی۔ مبتلا۔ اگر آپ کہیں تو میں اس عورت کو چھوڑ دوں۔ حاضر میں تو چھوڑنے کو نہیں کہہ سکتا اور تم ایسے چھوڑنے والے ہوتے تو کرتے ہی کیوں فرض کیا کہ تم نے اُس کو میرے کہنے سے چھوڑ دیا اور پھر وہی سابق کا وتیرہ اختیار کیا تو اپنے ساتھ دنیا اور دین دونوں جگہ میرا منہ بھی کالا کراؤ۔ مبتلا۔ پھر آپ ہی کوئی راہ نکالیے مجھ سے ایک نادانی تو ہوئی اور اپنی طبیعت کو بارہا آزما چکا ہوں میرے قابو کی نہیں آج آپ سے ایک وعدہ کروں اور کل کو جھوٹا ٹھیروں تو پھر آپ کے نزدیک میرا کیا اعتبار رہا اس سے بات کا صاف صاف کہدینا اچھا اور اگرچہ آپ سے اس معاملے میں صلاح پوچھنا داخل بے حیائی ہو مگر چچا باوا چلتے چلتے فرما گئے ہیں کہ اگر کوئی مشکل آپڑے تو آپ کی راے پر عمل کرنا اور یوں بھی آپ بڑے بھائی ہیں باپ کی جگہ آپ ہی اگر آڑی پر آڑے نہ آئیں گے تو میں کس کے پاس التجا لے جاؤں بندے کے سنو قصور خدا معاف کرتا ہو آپ از برائے خدا میرا ایک قصور معاف کیجیے۔ حاضر۔

بات یہ ہو کہ میں تمہاری اس نئی بی بی کے حالات سے بخوبی واقف نہیں ہیں کچھ کہہ
نہیں سکتا کہ کس طرح اس کے ساتھ مدارات کرنی مناسب ہے۔ مبتلا۔ اس کمبخت کے
اور حالات ہی کیا ہیں بازاری عورت ہے، تن تنہا مدت سے توبہ توبہ پکار رہی تھی میری جو
شامت آئی اِس کے ساتھ عقدِ شرعی کر لیا کیونکہ چچا باوا کے سامنے آوارگی سے
میں توبہ کر چکا تھا حماقت پر حماقت یہ ہوئی اور اب میں اُس گھڑی کو بہت پچھتاتا ہوں
کہ گھر میں لاکر اوپر کا کام کاج سپرد کیا دوسری ماماؤں کی طرح رہنے سہنے لگی اگر میں نے
اُس کے ساتھ کسی طرح کا سروکار رکھا ہو تو مجھ پر خدا ہی کی مار پڑے یہ تو اس کی
پچھلی کیفیت ہے، آئندہ کے لیے بھی اگر آپ کی مرضی ہو تو وہی ماماؤں کی طرح رہیگی اور
بدستور گھر کی خدمت کریگی۔ حاضر۔ اس کا غیرت بیگم کے پیش نظر رہنا تو میں پسند نہیں
کرتا کیونکہ اس صورت میں فسادِ عاجل کا بڑا اندیشہ ہے دو سوکنوں کی مثال تمہیں کس
طرح بتاؤں یوں سمجھو کہ دو گلاس ہیں ایک میں سوڈا ہی پانی میں حل کیا ہوا اور
دوسرے میں ایسڈ ممکن ہو کہ سوڈا اور ایسڈ ملیں اور اُن میں جوش و خروش پیدا نہ
ہو پس دونوں کو ایک جگہ رکھنے کا تو تم کبھی بھول کر بھی ارادہ نہ کرنا ورنہ آج دو سر پھٹے
تو کل جوتیاں ہونگی اور پرسوں چھریاں اس کو تو کسی دوسرے شہر میں یا خیر دوسرے
محلے میں یا خیر دوسرے گھر میں تو رکھنا ضرور ہو مگر مشکل یہ ہو کہ تم کہتے ہو وہ ہو اکیلی تن تنہا
آدمی زیادہ رکھے جائیں تو تمہاری چادر میں اتنے پاؤں پھیلانے کی گنجائش نہیں پس
صرف یہی تدبیر ہے کہ زنانے مکان میں پورب کی طرف جو ایک کھا سنچا سا نکل گیا ہو پردے
کی دیوار کھچوا لو اور ڈیوڑھی میں سے دروازہ چھوڑ کر اتنا گھر الگ کر لو اور حقیقت میں
یہ تھا بھی دوسرا گھر ماموں باوا نے مول لیکر باہر گلی کا دروازہ تیغہ کرا کے زنانے مکان میں

ملا لیا تھا تیغے کا نشان اب تک موجود ہے اتنا مکان ایک مختصر خانہ داری کیلئے بخوبی کافی
ہے ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں دالان در دالان آگے سائبان دونوں طرف
بڑی بڑی دو دو کوٹھڑیاں باورچی خانہ اس کی بغل میں چیز بست رکھنے کو لمبی
کوٹھری سامنے کے ضلع میں سہ درہ بس اَور چاہیئے کیا بڑے گھر کی طرف خدا کے
فضل سے آدمی زیادہ ہیں اور خرچ بھی بہت ہے، برابری اگر چاہو تو دونو گھروں میں
ممکن نہیں اور ضرور بھی نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ چھوٹے ماموں باوا پینسٹھ روپے
کی تنخواہیں اور کرایہ تمہارے نام کرا گئے ہیں اور ساٹھ کی غیرت بیگم کے نام۔ سو اپنے
پینسٹھ میں تیس چھوٹی بی بی کو دیا کرو اکیلا دم ہے فراغت سے بسر کر سکتی ہیں پینتیس تمکو
بچینگے اُس میں تمہارا کپڑا ہے اور باہر مردانے کا خرچ غیرت بیگم کے ساٹھ کو ہاتھ مت لگاؤ۔
ایک دن بڑے گھر میں ہوا ایک دن چھوٹے میں غٹر پٹر نہ کھڑ کھڑ اللہ اللہ خیر صلاح۔ مبتلا تو اپنی جگہ
یہ ڈر رہا تھا کہ نہیں معلوم شہر سے نکلوا ئینگے یا قید ڈلوا ئینگے یا گھر بار ضبط کرا ئینگے سید حاضر
کا فیصلہ سنتے کے ساتھ اُس کے پیروں پر گر پڑا کہ بس اس میں اگر میری طرف سے کبھی
سرِ مو فرق ہو تو جانیئے گا کہ میری اصالت میں فرق ہے۔ ہریالی بھی اپنی جگہ بہت خوش
ہوئی اور سمجھی کہ اب میرا ہی ہونا سب بچوں لئے جانا گھر بنٹوا پایا میاں کے پینتیس
بھی میرے اپنے ہی ہیں وہ ملا کر تنخواہوں میں کرائے میں بڑا آدھا میری طرف
رہا کہاں غیرت بیگم سیدانی اشراف میاں کی پھوپی زاد بہن صاحب اولاد آٹھ نو برس
کی بیاہی ہوئی اور کہاں میں۔ انصاف کی رُو سے تو میں اُن کی جوتی کی بھی برابری نہیں
کر سکتی قربان جاؤں خدا کے کہ اُس نے مجھ گنہگار ناچیز کی توبہ کو ایسا نوازا کہ اُن ہی کے
سگے بھائی کے ہاتھ سے مجھ کو جتوایا۔ غیرت بیگم کو تو سوکن کے نام کی جلن تھی اس کو مکان سے

تنخواہ سے کچھ بحث ہی نہ تھی ہریالی کو کیسے ہی برے حوال سے رکھتے مگر جب تک غیرت بیگم یہ جانتی تھی کہ یہ میری سوکن ہے کسی طرح وہ راضی ہو ہی نہیں سکتی تھی لیکن بڑے بھائی نے جب ایک فیصلہ کر دیا تو کیا کرتی دل میں پیچ و تاب کھا کر چپکی ہو رہی مبتلا کے ساتھ بولنا بات کرنا پہلے ہی سے کم تھا اب بالکل چھوڑ دیا غرض صحن میں پردے کی دیوار اُٹھائی گئی ڈیوڑھی میں دروازہ لگا ہریالی نے الگ گھر کر کے رہنا شروع کیا۔

بائیسویں فصل دو سوکنوں کی لڑائی کا سلسلہ اور اس کا اثر بد مبتلا پر مبتلا کی اولاد پر اُس کی بیبیوں پر اور انتظامِ خانہ داری پر

آدمی الگ گھر کرتا ہے تو پلنگ پیڑھی تخت چوکی چولہا چکی برتن بھانڈا سبھی چیزیں اُس کو درکار ہوتی ہیں غیرت بیگم کے یہاں اسباب کے اٹم لگے ہوئے تھے پر کس کی مجال تھی کہ تنکا تو اُٹھا کر اِدھر سے اُدھر لے جائے ہریالی کو ابتدا میں سخت تکلیف ہوتی مگر سلیقہ بھی عجب چیز ہے دو ہی برس میں ہریالی نے رفتہ رفتہ اپنا گھر ایسا درست کر لیا کہ غیرت بیگم کے کئی پشتوں کے جمے ہوئے گھر میں ایک چیز وقت پر نہیں بھی ملتی تھی مگر ہریالی کے یہاں آنا تو کون تھا لیکن اگر دس مہمان بھی آ جاتے تو آسائش کا ہمہ سامان موجود پاتے۔ ایک مرتبہ پرانا سرکہ درکار تھا تعجب کی بات ہے کہ سارے محلّے میں کسی کے یہاں نہ نکلا ہریالی نے (جس کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا تھا) سنتے کے ساتھ ہی پیالہ بھر کر بھجوا دیا جس طرح سید حاضر نے ٹھیرا دیا تھا مبتلا ایک ایک دن باری باری سے دونوں گھروں میں رہتا تھا بڑے گھر میں تو اُس سے کوئی بولتا چالتا نہ تھا کسی دن اگر معصوم کو پکڑ پایا تو گھڑی دو گھڑی اُس کے ساتھ جی بہلایا ورنہ منہ لپیٹا سو رہا

خاطرداری سمجھو مدارات سمجھو آؤ بھگت سمجھو جو کچھ تھی سو چھوٹے گھر میں تھی مگر غیرت بیگم اُس کو وہاں بھی چین سے نہیں رہنے دیتی تھی وہ اپنے گھر میں تو مبتلا سے ایسی بے رخی کرتی کہ گویا اُس کو میاں کی ذرا بھی پروا نہیں اور چھوٹے گھر کی باری آئی اور صبح سے اُس نے مبتلا کی نگرانی شروع کی مردانے میں کتنی دیر بیٹھے گھر میں کس وقت آئے کہاں سوئے کیا کھایا اور کتنا کھایا ہریالی کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ گھر کے نوکروں پر ایک نیا کام یہ آ پڑا کہ سارے سارے دن اور پہر پہر رات گئے تک ایک ڈیوڑھی میں کھڑی جھانک رہی ہے تو ایک دروازے میں کان لگائے سن رہی ہے۔ اور ایک ہے کہ جس طرح جلاہا تانا پانا تنتا پھرتا ہے اوپر تلے بیسیوں پھیرے زنانے سے مردانے میں اور مردانے سے زنانے میں۔ باوجودے کہ غیرت بیگم نے ایک مبتلا کے پیچھے اتنے جاسوس لگا رکھے تھے اس پر بھی اُس کا جی نہیں مانتا تھا ایک موکھا تو اُس نے پاخانے کی دیوار میں کیا کہ چھوٹے گھر کے سہ درے کی ذرا ذرا بات وہاں سے سنائی دیتی تھی۔ رہ گیا ایک ضلع صحن سایہ بان اور سایہ بان کے اندر کا دالان سو غیرت بیگم کی طرف ایک بالاخانہ تھا اور اُس میں تھی ایک کھڑکی وہ کھڑکی کھول دو تو صحن سے لیکر اندر والے دالان تک سب کچھ دکھائی دیتا۔ یا تو غیرت بیگم نے جس دن سے بیاہی آئی کبھی بالاخانے پر پاؤں نہیں رکھا تھا یا اب سوکن کی ضد پر جس دن چھوٹے گھر کی باری ہوتی صبح سویرے سے کوٹھے پر چڑھی بیٹھی اگلی صبح کو اُترتی۔ غرض ساری گرمی غیرت بیگم نے میاں کو ہریالی سے بات نہیں کرنے دی جاڑا آیا اور پردے چھوڑ کر دالان میں سونے لگے تب تھک کر بیٹھی۔ شروع شروع میں تو نوکروں کو آنے جانے کی ایسی سخت ممانعت تھی کہ ایک مرتبہ ایک لونڈی نے باہر ڈیوڑھی میں سے

آگ پکڑا دی تھی غیرت بیگم کو خبر ہو گئی تو اُس کے ہاتھ پر جلتا ہوا انگارا رکھ دیا لیکن پھر سوچی کہ نوکروں سے خبریں خوب ملتی ہیں اِن کا روکنا ٹھیک نہیں بندی کھول دی مگر اس سے خرابی کیا پیدا ہوئی کہ ماما لونڈی جو کوئی چھوٹے گھر سے ہو کر آتی غیرت بیگم اُس سے حال پوچھتی اگر وہ اُس کی خواہش کے مطابق کچھ بیان نہ کرتی تو اُس پر خفا ہوتی کہ تو جھوٹی ہے یا چھپاتی ہے یا تو اُدھر ملی ہوئی ہے ناچار اس کی بدگمانیوں سے بچنے کے لیے نوکروں نے جی سے باتیں بنانی شروع کیں حقیقت میں تو وہ باتیں ہوتی تھیں بے اصل مگر اس کو ایک ایک بات کا ہفتوں جھگڑ لگا رہتا تھا آپ رنجیدہ رہتی اور مبتلا پر اپنی بدنفسی اور حماقت ثابت کرتی۔ ایک آتی۔ اور دل سے جوڑ کر کہتی بیوی آج تو تمہاری سوکن کے عجب ٹھاٹھ ہیں ایسی بن سنور کر بیٹھی ہیں جیسے کوئی نئی دُلہن سر میں چنبیلی کا تیل پڑا ہوا ہے مگر کوئی چار روپے سیر کا کہ سارا گھر پڑا مہک رہا ہے چوٹی گندھی ہے یہ بڑے بڑے موتیا کے پھولوں کا سا گہنا البتہ ڈیڑھ دو روپے سے کیا کم کا ہو گا ململ گیری چُنا ہوا مہین رنگ کا دوپٹا اچھا خاصہ چار انگل کا چوڑا سنہری ٹھپا ٹنکا ہوا سفید ترین بیل کا پاجامہ پائنچوں میں بیل دار کنارہ کنارے پر کیکری کیکری پر بانکڑی کی چمک۔ غیرت بیگم یہ سُن کر ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہتی ہاں صاحب جن کے بھاگ اُن کے سہاگ۔ دوسری یہ بات بناتی کہ وہ آپ تو صحن میں کرسی بچھائے بیٹھی ہیں میاں سامنے کھڑے گنا چھیل رہے ہیں گنڈیریاں بنا بنا کر آپ بھی کھاتے جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اُن کے مُنہ میں بھی دیتے جاتے ہیں میں تو یہ دیکھ کر اُلٹے پاؤں پلٹ آئی۔ ماما باہر بیٹھی کھانا پکا رہی ہے۔ غیرت بیگم۔ لعنت خدا کی پھٹے مُنہ حیا اور شرم تو مطلق چھو

نہیں گئی تیسری اشارے سے بیوی کو بُلاتی کہ ذرا آپ بھی تو موکھے میں سے دیکھئے
آج میاں کا جی کیسا بہودولائی اوڑھے پڑے ہیں اور وہ کنچنی پاس بیٹھی پاؤں دبا رہی ہے
غیرت بیگم۔ اری کمبخت تجھ کو دھوکا ہوا ہوگا کنچنی لیٹی ہوگی اور میاں پاؤں دبا رہے
ہونگے۔ اس طرح کی سیکڑوں باتیں صبح سے شام تک اپنے ہی گھر کے نوکر غیرت بیگم
سے آکر کہتے تھے اور سب میں زیادہ مُنہ لگی وہ تھی جو اس طرح کی باتیں خوب تصنیف
کرسکتی تھی۔ اتنی تو کسی کی مجال نہ تھی کہ غیرت بیگم کے مُنہ پر ہریالی کو ہریالی کہہ دیتے اگر
کسی کی زبان سے بھولے سے بھی چھوٹی بیوی نکل جاتا تو بے شک غیرت بیگم تڑسے
اُس کے مُنہ پر جوتی کھینچ مارتی نام سے تو اتنی نفرت اور پھر رات دن اُسی کی تسبیح
آخر سوچ کر غیرت بیگم نے سوکن کو بے غیرت کا خطاب دیا اور جتنے لوگ غیرت بیگم کے
طرفدار تھے یہاں تک کہ ادنیٰ ادنیٰ نوکر اُس کی حمایت پاکر سب لیے تامل ہریالی کو پکار
پکار کر بے غیرت کہتے تھے اور دیوار کے پیچھے ہریالی اپنے کانوں سے سنتی تھی بلکہ
اُس نے سیکڑوں بار مبتلا کو سنوا سنوا دیا۔ مبتلا کو نوکروں کے مُنہ سے یہ لفظ سُنکر
سخت رنج ہوتا تھا کیونکہ ہریالی جو کچھ تھی سو تھی مگر راجہ کے گھر آئی اور رانی کہلائی آیا
تو اس کی منکوحہ تھی نوکروں کو اور گھر کی لونڈیوں کو کیا زیبا تھا کہ اُس کی منکوحہ کو
یوں مُنہ بھر بھر کر گالیاں دیں۔ مگر وہ کیا کرسکتا تھا ہریالی کو سمجھا دیتا کہ کچھ تم سے
پرخاش نہیں مجھ کو نوکروں کے ہاتھ سے ذلیل کرانا منظور ہے خدا کی شان میرے
نوکر میرے لونڈی غلام اور ایسے گستاخ اتنے بے ادب کیا کروں کچھ کرتے بن نہیں
پڑتا میں بھی صبر کرتا ہوں تم بھی صبر کرو۔ غیرت بیگم کو سوکن کی طرف سے ہر طرح کی بدگمانی تو
تھی ہی بتول کو تو اُس طرف کوئی لے جانے نہیں پاتا تھا مگر معصوم اپنے پاؤں دوڑا دوڑا

پھرتا تھا اُس کو کون روکے غیرت بیگم بہتیرا اڑراتی دھمکاتی گھُرکتی مگر یہ کس کی سنتا
تھا آنکھ بچی اور چھوٹے گھر میں۔ غیرت بیگم سے اور مبتلا سے تو روز بروز عداوت
بڑھتی چلی جاتی تھی۔ مبتلا کے جلانے اور چھیڑنے اور ایذا دینے کو جہاں غیرت بیگم
اور بہتیری باتیں کرتی تھی اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بچوں کے ساتھ اُس کی اگلی سی
مدارات باقی نہیں رہی تھی۔ اب تو وہ بات بات پر معصوم کو مار بیٹھتی اور کوسنا تو تکیہ کلام ہو گیا
تھا۔ بچوں کا تو قاعدہ ہے کہ وحشی جانوروں کی طرح ہلانے اور پرچانے سے رام ہو جاتے
ہیں معصوم کا یہ حال ہو گیا تھا کہ غیرت بیگم کی شکل سے دور بھاگتا اور اس کی پرچھائیں
سے ڈرتا۔ چھوٹے گھر میں اسکی ایسی خاطرداری ہوتی تھی کہ اس نے اندر پاؤں رکھا اور
ہریالی نے دوڑ کر اس کو گود میں لیا ہاتھ منہ دھلایا بالوں میں تیل ڈالا کنگھی کی
آنکھوں میں سرمہ لگایا میوہ مٹھائی اُس کیلئے لگا رکھتی تھی جو کچھ موجود ہوا کھلایا گھنڈی
تکمہ بند اگر ٹوٹ گیا ہے ٹانک دیا کبھی کبھار کوئی کھلونا منگوا دیا آپ پان کھاتی ہوئی تو
اسکو بھی ٹکڑا اپنا دیا آئینہ ہاتھ میں دے دیا کہ دیکھو تو کیا منہ لال لال ہوا ہے۔ بس معصوم
سارے سارے دن چھوٹے گھر میں کھیلتا اور اگر بڑے گھر میں بلاتے تو روتا اور مچلتا
ایک دن غیرت بیگم معصوم کا انگرکھا قطع کر رہی تھیں کہ لونڈی سے کہا کہ جا ذرا معصوم
کو جلدی بلا لا میں انگرکھا اُس کے قد سے ناپ لوں لمبا نہ ہوا و نیچا ہو جائے۔ لونڈی
نے چھوٹے گھر میں جا کر معصوم سے کہا چلو میاں بی بی بلاتی ہیں لونڈی کی صورت
دیکھکر اور طلبی سنکر معصوم زمین میں لوٹ گیا ہتیرا لونڈی گود میں اٹھاتی ہے نکل نکل
پڑتا ہے اس کشتم کشتا میں تھوڑی دیر لگ گئی اور وہاں غیرت بیگم ہاتھ میں کپڑا لیئے
انتظار کر رہی ہیں آخر دوسری کو دوڑایا کہ لبشتی معصوم کو بلانے گئی تھی وہیں مر کر رہ گئی بس

آپ بھی اُس کے ساتھ کھیل میں لگ گئی ہو گی جا دونوں کو پکڑ کے تو لا غیرت بیگم
جو بگڑ کر اور خفا ہو کر زور سے بولی تو اپنے گھر میں ہریالی نے بھی سنا اور اُس نے جلدی
سے اٹھ کر معصوم سے کہا آہا بڑی اماں کے یہاں کیسے کیسے بہار کے کپڑے آئے ہیں
جلدی بھاگ کر جاؤ کہ تمہاری بھی اچکن ہونتی جائے وہ بڑی اماں بیٹھی کہہ رہی ہیں آنکھیں
میچیں کون آئے آنکھیں میچیں کون آئے معصوم سامنے گیا تو غیرت بیگم بولی موئے جان ماری نہیں
سارے دن خدائی خوار خاک چھانتا پڑا پھر دیکھ اب تجھ کو کیسے ظالم استاد کے پاس
پڑھنے بٹھاتی ہوں کہ تو بھی یاد کرے معصوم میں اپنی چھوٹی اماں کے پاس بھاگ
جاؤنگا غیرت بیگم۔ لانا دیپنے میں ایک بڑا سا انگارا کہ اس کمبخت ناشدنی کا منہ جلاؤں
نگوڑا ابدوں کا بدگندی بوٹی کا بسا ہندا شوربا آخر اپنی اصالت پر گیا کنجنی کو میّا بنایا
میرے سامنے اگر پھر اُس مُردار کو اماں کہا ہوگا تو جیتو پکڑ کر کاٹ ڈالونگی معصوم یہ سنکر آدھی
دور سے پھر اُلٹا بھاگ گیا بسنتی پیچھے دوڑی بھی مگر اب وہ کس کے ہاتھ آتا تھا ڈیوڑھی
میں کھڑا ہوا غیرت بیگم کے چڑانے کو پکار پکار کر چھوٹی اماں چھوٹی اماں کہتا تھا اور جہاں
غیرت بیگم نے دیکھا تو آڑ میں ہو گیا اور پھر ذرا سی دیر میں سامنے آکر چھوٹی اماں چھوٹی
اماں کہنے لگا۔ غیرت بیگم نے دالان میں سے بیٹھے بیٹھے جوتی کھینچ کر ماری مگر وہ ڈیوڑھی
تک کیا پہنچتی غرض معصوم کو جو دھت لگی تو غیرت بیگم کو اسی طرح گھڑی بھر تک دق کرتا
رہا اور پھر چھوٹے گھر میں جا گھسا۔ غیرت بیگم ہریالی کی ساری باتوں کو بُرائی پر ڈھال
لے جاتی تھی معصوم کے ساتھ جو ہریالی عام ماؤں سے اور خصوصاً غیرت بیگم سے بڑھکر
محبت کرتی تھی تو میاں کی خوشامد پر محمول کرنا شاید چنداں بیجا نہ تھا مگر ہریالی کی مخالفت
میں غیرت بیگم کے خیالات ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ اِس کا بھی وہ دوسرا ہی مطلب لگاتی

تھی اُس کا مقولہ یہ تھا دیکھا نامراد کُٹنی کو کیسی معصوم کی للّو پتّو میں لگی رہتی ہے اور مجھکو
یقین ہے کہ وہ ضرور اُس کو مجھ سے تُڑا کر رہے گی ابھی سے اس کو میری صورت
سے بے زار کر دیا ہی نہیں تو اتنے بچے ماؤں سے ایک لمحے کے لیئے پرے نہیں
ہٹتے اور معصوم کو تو اگر میں نہ بلاؤں کبھی بھول کر بھی اِدھر کا رخ نہ کرے۔ غیرت بیگم
کو تو اُلٹے سیدھے ہر طرح ہریالی کو اُلاہنا دینا منظور تھا معصوم اگر کبھی بیمار ہوتا اور
چھوٹے بچے اکثر بیمار ہوتے ہی رہتے ہیں تو مصیبت یہ تھی کہ میاں کی ضد کے مارے
دوا علاج کچھ نہ کرتی اور جو کوئی کہتا تو بگڑ کر جواب دیتی کہ کوئی دکھ ہو تو علاج کردں
اس کو تو دشمنوں نے کچھ کر دیا ہے اور دشمن کون یہی بغلی گھونسا یہ کیا ہم میں سے کسی
کو جیتا چھوڑے گی لیکن اگر میرے بچے کا بال بینکا ہوا تو کوٹھری میں کیا مار ماری تھی
اگر جان سے نہ مار ڈالوں تو سیّد کی جنی نہیں اور پھر اُس کے حمایتیوں کو دیکھ لوں گی
ہریالی عجب پس و پیش میں تھی اگر معصوم کو نہیں آنے دیتی تو کہیں خود جو بلے اولادی
ہے جلتی ہے دیکھ نہیں سکتی۔ اور آنے دیتی ہے تو اس کی ذمہ داری کون کرے کہ بچہ بیمار
نہ پڑے یا بیمار پڑے تو ضرور اچھا ہی ہو جایا کرے پس ذرا بھی معصوم کا جی ماندہ ہوا
تو ہریالی کا کٹی چلّو لہو خشک ہو جاتا کہ خدا خیر کرے۔ انتظام خانہ داری کی یہ صورت
ہوئی کہ آخر اُس کو بھی تو صاحبِ خانہ کی توجّہ درکار ہے۔ یہاں آپس کی کہا سنی تاک
جھانک لڑائی جھگڑے قصّے قضیے سے اتنی فرصت ہی کس کو تھی کہ انتظام کی طرف
متوجہ ہوتا اور فرصت تھی بھی تو دلوں میں شوق نہیں رغبت نہیں اطمینان نہیں اُمنگ
نہیں کس کی بلا کو غرض پڑی تھی کہ یہ دردِ سر مول لے۔ خانہ داری میں سب سے بڑا
انتظام کھانے کا کہ صبح بھی ہو اور شام بھی ہو سو کھانیکا یہ حال کہ بڑے گھر میں تو مبتلا نے

کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہی نہیں۔ میاں بی بی میں ناخوشی تو سدا کی تھی تاہم کھانا
دونوں ایک ہی دسترخوان پر کھایا کرتے تھے جس دن سے ہریالی نے الگ گھر کیا
غیرت بیگم نے میاں کے ساتھ بات چیت کرنی کیا چھوڑی بات چیت کے ساتھ کھانا او
کھانے کے ساتھ دیکھا بھالنا نکالنا سب کچھ چھوڑ دیا دو چار بار مبتلا نے منہ پھوڑ کر
کہا بھی جواب نہ دارد پس کھانا تیار ہوتا تو گھر کے نوکروں میں سے کسی نے میاں کا حصہ
نکال کر لا آگے رکھ دیا اس بے دقری کے ساتھ جو کھانا دیا جاتا تھا تو مبتلا کو اس قدر
طیش آتا تھا کہ اگر اس کا بس چلے تو غیرت بیگم کو کچی اٹھا کر کھا جائے۔ مگر وہ اپنا خون
جگر پی کر چپ ہو رہتا تھا ڈر کے مارے ذرا کی ذرا منہ جھٹلایا اور رکھڑا ہو گیا۔ غیرت بیگم خود
تو کبھی خبر نہیں لیتی تھی اگر کبھی کوئی نوکر خدا واسطے کو کہہ بیٹھا کہ میاں تو پوری ایک
چپاتی بھی نہیں کھاتے " تو بولتی اس مال زادی کے بدون میاں کے حلق سے نوالے
کیوں اترنے لگا اور ان کو اس گھر کا کھانا کیوں بھانے لگا۔ غیرت بیگم جلی تن کا مبتلا سے
بدتر حال تھا وہ آپ ہی اپنے دل سے باتیں پیدا کرتی اور آپ ہی ان کی ادھیڑ بن
میں دو دو وقت کھانا نہ کھاتی۔ نوکروں نے جو دیکھا گھر والے دو۔ میاں اور بیوی اور
دونوں کو کھانے کی طرف مطلق رغبت نہیں یہ لوگ بھی سستی اور بے پروائی اور چوری
اور طرح طرح کی خرابیاں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خرچ تو ڈیوڑھا اور دونا بڑھ گیا
اور برکت آدھی اور پاؤ بھی باقی نہ رہی۔ غیرت بیگم کی طرف تو بہت سویرے سے خاک
اڑنے لگی چھوٹا گھر خیر یوں ہی لشٹم پشٹم چلا جاتا تھا۔ گھر کی عزت ہوتی ہے مردانے
سے اور مردانے کی رونق مردوں سے مردوں کے شوق سے مردوں کے اہتمام
مبتلا جس کا کبھی یہ حال تھا کہ ایک دن بالوں میں تیل نہ پڑتا تو اس کا سر درد کرنے

لگتا دن میں اگر چار مرتبہ گھر سے باہر نکلتا تو چار طرح کی پوشاک پہنکر ایک چیز اگر جگہ سے بے جگہ رکھی ہوتی تو بے چین ہو جاتا۔ فرش پر سلوٹ پڑی دیکھی اور ماتھے پر بل پڑا۔ آندھی ہو مینھ ہو سردی ہو گرمی ہو چار گھڑی دن رہے گھوڑے کی اڑوی کبھی ناغہ ہونے ہی نہیں دی ہر چیز صاف ستھری قیمتی انوکھی۔ یا اب خانہ داری کے جھگڑوں نے اس کو اس قدر عاجز اور ناچار کر دیا تھا کہ اُس کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا بال اُلجھ کر نمدہ ہو گئے ہیں کس کو دماغ ہو کہ کنگھی کرے معلوم ہو کہ کپڑے میلے چکٹ ہو رہے ہیں مگر بدلتے ہوئے آلکسی آتی ہو چیز بے ٹھکانے پڑی ہو زبان کون ہلائے کہ اُس کو موقع سے رکھو۔ سفید چاندنی دھبے پڑ پڑ کر جاجم بن گئی ہو نوکروں کو توفیق نہیں کہ بدلیں میاں کو خیال نہیں کہ بدلوائیں گھوڑا اصیل ولایتی جس پر مکھی پھسلتی تھی پُٹھوں پر نالی پڑی ہوئی سواری جو ہوئی موقوف تھان پر بندھے بندھے پانچوں عیب نکال لایا بادی نے آ دبایا مالش میں ہوئی کمی اور دانے میں ہوئی چوری تھوڑے دن میں پر تل کا ٹٹو معلوم ہونے لگا سیکڑوں روپے کا اسباب صرف غور اور پرداخت کے نہ ہونے سے کوڑے کی طرح بے قیمت ہو گیا۔ غرض وہ جو لوگ کہاوت کہتے ہیں کہ دو مُلّاؤں میں مرغی حرام۔ دو بیبیوں کی کشمکش میں گھر کی مٹی ایسی پلید ہوئی کہ باہر سے لیکر اندر تک نکبت اور مفلسی اور بے رونقی چھا گئی۔ ایک مدت تک غیرت بیگم کی طرف سے انواع و اقسام کے ظلم ہر یالی پر ہوتے رہے اور بدلہ لینا کیسا اُس کی اتنی بھی مجال نہ تھی کہ اُف کرے نام لے لیکر پکار پکار کر سُنا سُنا کر گالیوں کی بوچھاڑ بر سار کھی ہو اور کوسنوں کا تار باندھ دیا ہو اور دم بخود مگر کتنا صبر کہانتک برداشت آخر اُس کا منہ کھلا تو ایسا کھلا کہ لوگوں نے اپنے اپنے

ط ۵ ڈ ا۔ موترا۔ رس۔ بیل۔ برساتی ۱۲

کان بند کر لیئے۔ برکت۔ رونق۔ فراغت۔ عافیت۔ محبت۔ مروت۔ سب کچھ غارت ہو ہوا کر
ایک آبرو وہ بھی محلے والوں کی نظروں میں باقی رہی تھی ہر وقت کی تھکا فضیحت میں وہ
بھی گئی گزری ہوئی۔ کمبختیں اس بیہودگی کے ساتھ آپس میں لڑتی تھیں کہ کنجڑنوں
قصائنوں کو مات کر دیا تھا اور دھوبنوں بھٹیاریوں کو شرمندہ۔ غیرت بیگم تو کسی کے
قابو کی تھی نہیں مگر ہاں ہریالی کو اگر مبتلا منع کر دیتا تو وہ بیٹک باز آجاتی پر غیرت بیگم کی
طرف سے مبتلا کو ایسے ایسے رنج پہنچے تھے کہ روکنا کیسا وہ تو کبھی کبھی ہریالی کو اور اشتعال
دے دے کر اس کی آڑ میں اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑ لیتا تھا۔ ان لوگوں
میں جو باہمی رنجشیں اور عداوتیں تھیں پہلے چند روز تک دلوں میں رہیں بڑھتے
بڑھتے دلوں سے منہ تک آئیں اب اور زیادہ ہوئیں تو پھوٹ کر ایسی بہیں جیسے
کوہِ آتش فشاں کا ملغوبہ آگے آگے آپ اور پیچھے پیچھے تباہی اور بربادی :-

تئیسویں فصل ہریالی کا امید سے ہونا غیرت بیگم کا اس بات کو جاننا اور اپنی ماما خانون سے اس کو سنکھیا دلوانا مقدمے کا کوتوالی میں دائر ہونا۔ اور آخر کار ناظر کی تدبیر سے دب جانا مگر مبتلا کا ولد نکالکر

اتفاق سے ہریالی بڑی بیمار شاموں شام سر دھویا سردی کھائی زکام ہوا بخار آنے لگا
چند روز کچھ دھیان نہ کیا بخار تھا کہ چمچڑ ہو گیا۔ بلکہ ذرا ذرا کھانسی کی بھی دھسک شروع
ہو گئی معمولی طور پر حکیموں کے علاج کئے منضج ہوئے مسہل ہوئے بخار رہتے
کہ جنبش نہیں کھاتا کھانسی کو اتنا آرام ہوا سمجھو کہ سوکھی سے تر ہو گئی ایک دن بلغم

میں کچھ سُرخی کی سی جھلک دِکھائی دی تو تردد ہوا اور تردد کی بات ہی تھی خیال کیا کہ پان کی سُرخی ہوگی مگر پھر ثابت ہوا کہ نہیں خون کی ہے تب تو بتلا بہت گھبرایا عزت بیگم کے ہاتھوں سے تو اس کو ایسی ایسی ایذائیں پہنچی تھیں کہ اُس کے نام سے اس کا دل بے زار تھا اس کو تھوڑی یا بہت جو کچھ دل بستگی تھی ہریالی کے ساتھ تھی اب جو اس کو خون تھوکتے دیکھا قریب تھا کہ سودائی ہوجائے۔ شبہ تو بہت دنوں سے تھا کہ ایسا نہ ہو کہیں عزت بیگم نے کچھ کر کرا دیا ہو کھانسی کے ساتھ خون کا آنا تھا کہ لیقین کیسا حق الیقین ہوگیا کہ عزت بیگم نے پون بٹھائی۔ خدانخواستہ ایسا تو بُرا نا بخار بھی نہیں کہ سِل ہونے کا اندیشہ ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیانے اور بھگت بلائے آئے سب نے اپنے اپنے جادو چلائے مگر کمبخت پون کی کچھ اصل جادو کی کچھ حقیقت ہو تو روگ میں کمی مرض میں خفت ہو خبط کے جادو وہم کی پون اس کو تاسے کون۔ ہریالی کا حال بہت پتلا ہوتا چلا آخر کسی نے صلاح دی کہ سب کچھ تو کر چکے ذرا ڈاکٹر چنبیلی کو بھی تو ایک نظر دکھاؤ۔ ڈاکٹر چنبیلی کا نام اصل میں مِس بیلی تھا ولایت سے نئی آئی ہوئی تھی کہ اس نے نواب اقتدار الدولہ بہادر کے محل میں ایک بڑے معرکے کا علاج کیا تب ہی سے شہر میں اسکی بڑی شہرت ہوئی نواب صاحب کی محلسرا میں اس کو چنبیلی چنبیلی پکارتے تھے وہاں کی سُنی سنائی اور لوگ بھی چنبیلی کہنے لگے دایہ گری کے فن میں نہایت تجربہ کار اور مشاق تھی اور خود مبتلا کے گھر میں معصوم اور بتول دونوں کے ہونے میں بلائی جاچکی تھی ہریالی اور ہریالی کے بیمار دار کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہریالی کی حالت ڈاکٹر چنبیلی کے علاج کی متقاضی ہے۔ ڈاکٹر چنبیلی کو جب بلاوا گیا تو عزت بیگم سمجھ کر معرفتِ سابقہ کے لحاظ سے بلا عذر بہت خوشی کے ساتھ فوراً چلی آئی۔ اُس کو

یہاں آکر معلوم ہوا کہ مبتلا نے دوسری بی بی کی ہے۔ اس نے بیمار کو دیکھا تو سہی مگر مبتلا سے کہا کہ مجھ سے اور غیرت بیگم سے دوستی یا بہناپا تو نہیں ہے پر تم کو معلوم ہے کہ اُن کے دو بچوں کے ہونے میں میں نے اُن کی خبرگیری کی ہے تو تمہاری اِس بی بی کا علاج کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا اس کو میں خلافِ مروّت سمجھتی ہوں اور میرے علاج کی چنداں ضرورت بھی نہیں جس حکیم کا علاج کرتے ہو اُن کو صرف اتنا اشارہ کر دینا کہ دو جانوں کی رعایت سے علاج کریں۔ اتنا کہہ کر ڈاکٹر چنبیلی غیرت بیگم کی طرف گئی معصوم اور بتول دونوں کو گود میں لے کر پیار کیا پھر غیرت بیگم سے بولی کہ اگر میں دوسرے گھر میں نہ بلائی گئی ہوتی تو میں تم سے پوچھتی کہ اس قدر دُبلی کیوں ہو ہم لوگوں میں مرد دوسری بی بی نہیں کر سکتے اور مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو تولا جائے تو شاید عورت ہی کا پلّہ جُھکتا ہوا رہے گا پھر بھی مرد اور عورت کا تعلق اس قسم کا ہے کہ بیاہ ہو جانے سے عورت مرد کے بس میں آجاتی ہے یہی سمجھ کر میں نے اپنا بیاہ نہیں کیا اور کرنیکا ارادہ بھی نہیں میں تمہاری حالت پر افسوس کرتی ہوں اور اُس سے زیادہ افسوس اِس مجبوری کا ہے کہ مدد کرنے کی جگہ نہیں لیکن اگر کبھی میرا کام آپڑے تو ضرور مجھ کو یاد کرنا۔ غیرت بیگم نے اگرچہ دیہات میں پرورش پائی تھی پر وہ اتنی بھی بے تمیز نہ تھی کہ چنبیلی کے آنے کا اُس کی محبت کا مروّت کا ہمدردی کا شکریہ ادا نہ کرتی مگر سوکن کے جھگڑے میں اُس کو کسی چیز کی سُدھ بُدھ نہ تھی چنبیلی اُس سے بات کر رہی تھی اور یہ اس فکر میں تھی کہ کب چُپ کرے اور میں سوکن کا حال پوچھوں۔ غرض غیرت بیگم نے چھوٹتے ہی پوچھا کہو کیا دیکھا چنبیلی بولی حکیم کو دھوکا ہوا اس نے پہچانا نہیں کہ یہ عورت چار مہینے ہوئے دو جی سے بیٹھی ہے میں نے تمہارے میاں کو جتا دیا ہے اب بھی

اگر سمجھ بوجھ کر علاج ہوگا تو بچے کو تو میں نہیں کہہ سکتی کیونکہ اُدھر تو ہوئے جُلاب اور
اِدھر بخار کی وجہ سے ملیں اوپر تلے ٹھنڈی دوائیں بچے کو سردی نے
پکڑ لیا مگر احتیاط کی جائے تو میرے نزدیک بچے والی کو ابھی تک کچھ بڑی جوکھوں
نہیں ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی فربہ شود از راہِ گوش۔ ہریالی نے جو سُنا تو
اُس کے دل کو اس قدر تقویت پہنچی کہ کیسی دوا اور کس کا علاج گھڑیوں اُس کا مزاج
خود بخود بحال ہوتا چلا یہاں تک کہ یا تو آپ سے کروٹ نہیں بدل سکتی تھی یا ایک
ہی ہفتے میں چلنے پھرنے لگی۔ یہ تو اُٹھ کھڑی ہوئی اور اُس کی جگہ اب غیرت بیگم
پڑی۔ غیرت بیگم کا سارا غرور سارا گھمنڈ سارا ناز بے جا اولاد کے برتے پر تھا اب جو اس
نے دیکھا کہ سوکن نے اس میں بھی ساجھا لڑایا تو حقیقت میں اُس کی کمر ٹوٹ گئی اور
سمجھی کہ بس اب ہریالی کے مقابلے میں نہیں بنتی اُس کو اس بات کی بڑی تسلی تھی کہ
ہریالی لاکھ میاں کی پیاری کیوں نہ ہو مگر آخر ہے تو بے اولاد نہ کوئی نام کا لینے والا نہ
پانی کا دینے والا کھائے جتنا اُس کی تقدیریں ہو اور پہن لے جس قدر اُس کے نصیب
کا ہے پھر میں ہوں تو میں اور نہیں تو اللہ رکھے اور پروان چڑھائے میری اولاد اس
خیال سے کبھی اُس نے سوکن کو سوکن مانا ہی نہیں اب البتہ اس کو سوکن کی حقیقت
کھلی اور آدھی اور ساری کا سوچ پیدا ہوا۔ چنبیلی ایسا کوئی دو تین گھڑی دن چڑھے
چڑھتے آئی تھی اُس کے گئے پیچھے سے جو غیرت بیگم گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھی تو
دوپہر ڈھلتے ڈھل گئی مگر اللہ کی بندی نے گردن اونچی نہ کی۔ دو تین بار کھانے
کی اطلاع ہوئی مگر اس نے یہی کہہ دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ اس کے گھر میں ایک
بہت پُرانی نوکر تھی خانون وہ گھر کی داروغہ تو نہ تھی مگر کبر سنی اور قدیم الخدمتی

اور ہوشیاری اور سلیقے کی وجہ سے گھر کے نوکروں میں سب سے سربرآوردہ تھی۔
غیرت بیگم کو اس سے مانوس ہونے کا ایک سبب خاص یہ بھی تھا کہ جس طرح مبتلا نے
غیرت بیگم پر سوکن کی اسی طرح خاتون پر بھی اس کے میاں نے سوکن کی تھی غیرت بیگم
کا تو ایسی باتوں میں بہت جی لگتا تھا خاتون گھڑیوں اپنی سوکن کی باتیں کرتی اور
غیرت بیگم کُرید کُرید کر پوچھتی اور ایک ایک بات کو بار بار کہلواتی۔ پس خاتون نوکر
کی نوکر تھی قصہ خوان کی قصہ خوان اور بیوی کی ہمدرد۔ جب خاتون نے دیکھا
کہ جس گھڑی سے چنبیلی آئی بیوی کچھ ایسی سوچ میں گئی ہیں کہ پان تک نہیں کھایا
کھانے کا وقت بھی ٹل گیا تو اس نے قریب جا کر پوچھا کہ بیوی آج جو تم اس قدر
اُداس بیٹھی ہو اس کا سبب کیا ہے۔ غیرت بیگم۔ تم نے نہیں سنا کہ بے غیرت کے
یہاں بال بچہ ہونے والا ہے ابھی اس نے کیا اُٹھا رکھا ہے بال بچہ ہوئے پیچھے تو مجھ کو
اس گھر میں کھڑا پانی بھی نہیں پینے دیگی۔ خاتون۔ بال بچہ ہونیوالا ہوتا تو حکیم
کیا ایسے اندھے ہیں جُلّابوں پر جُلّاب کیوں دیتے۔ غیرت بیگم۔ حکیموں کو دھوکا ہوا
اُنہوں نے جانا ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں دی جارہی ہیں پیٹ میں بادی بھر گئی
ہے اب چنبیلی نے دیکھا تو بتایا۔ کیوں خاتون بی میں تو سنتی تھی کنچنیوں کے اولاد نہیں
ہوتی کیا میری ہی تقدیر پر ایسے پتھر پڑے تھے کہ مجھ پر کنچنی بھی آئی تو آتے دیر نہ ہو
اور ماں بن جائے۔ خاتون۔ نہیں بیوی کون کہتا ہے کہ کنچنیوں کے اولاد نہیں ہوتی
ہوتی ہے اور نہیں بھی ہوتی کیا تم بھول گئیں میری سوکن کون تھی اصل نسل کی
کنچنی جب میرا میاں اس کو لایا تو خدا جانے نامرادیں مردوں کی آنکھوں میں کیا
چٹکی ڈال دیتی ہیں وہ جانتا تھا کہ سترہ اُٹھارہ برس کی لڑکی ہے پیچھے معلوم ہوا کہ چار

بچوں کی ماں تو وہ اُس وقت تھی اور ہمارے یہاں تو بیوی پانچ برس وہ جی میری آنی
رُوک ٹوک پر سات یا آٹھ دفعہ اُس نے تیاری کی مگر واہ ری چنیا دائی ہو تو ایسی ہو کبھی
چوتھا نہ لگنے دیا۔ غیرت بیگم۔ وہ چنیا اب ہے۔ خاتون۔ مدتیں ہوئیں مرکھپ گئی ستر بہتّر
برس کی تو وہ میری سوکن کے وقت میں تھی غیرت بیگم۔ پھر خاتون کوئی ویسی ہی تدبیر
یہاں نہیں کرتیں۔ خاتون۔ بیوی تمہارے یہاں اُفتاد دوسرے طور کی ہے ہم تو غریب
آدمی اب بھی ہیں اور تب بھی تھے میاں سات روپے مہینے پر ایک عطار کی دکان
پر بیٹھتا تھا سامنے تھا اس بیوا کا کوٹھا آدمی تھا وہ بھی طرح دار یہ نامراد اس کے
سر ہوئی میں بارہ آنے مہینے کرایے پر دیا بیگ خاں کے کٹڑے میں رہتی
تھی ذرا سا مکان میرا اکیلے دم کا اس میں مشکل سے گذر ہوتا تھا سوکن صاحب
جو آئیں بس میری گود میں بیٹھیں مردوا کمبخت اس طرح کا ظالم کہ گالی دے بیٹھنا
اس کے آگے ایک بات اور بات بات میں مکّا اور لات اگر وہ کبھی مجھ کو اور سوکن کو
آپس میں لڑتے دیکھ پاتے تو دونوں کے ڈنڈے لگاتے۔ سو بیوی اپنی عزت
اپنے ہاتھ میں نے تو چوں نہیں کی اور ظاہر میں سوکن سے ایسی گھُلی ملی رہی جیسے
سگی بہن پر دل سے تو وہ میری جان کی دشمن تھی اور میں اس کی ایک جگہ کے رہنے
سہنے اور ظاہر کے میل ملاپ سے ایک یہ فائدہ تو تھا کہ میں جو چاہتی تھی سو کر گزرتی تھی
اور اس کو یا مردوے کو شبہہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ تمہارے یہاں بیوی اوّل دن
سے کھُلم کھُلا بگاڑ پڑے ہوئے ہیں ایسی جگہ کوئی تدبیر چلنی ذرا مشکل ہے نہیں تو کیا
بڑی بات تھی چنیا نہیں چنیا کی بہنیں اور بہتیری آور دائی کا بھی اس میں کیا کام ایک
سے ایک دوا مجھ کو ایسی معلوم ہے کہ چٹکی بجاتے میں کھڑا کھٹکا نہ کھائے۔ غیرت بیگم۔

آرے ہئے اچھی میری خاتون ایسی کوئی دوا ہو تو ضرور مجھ کو بتاؤ ۔خاتون ۔ دوائیں تو بہت
پرگاڑھے ہیں پینے کے کچھ لیپ ہیں لگانے کے آج کو دوا یہاں بنتی چھنتی ہوتی تو کچھ
بھی مشکل نہ تھا دوا تو بناتے ہیں اپنے ہاتھوں سے سیاں کوئی کرے تو کیا کرے ۔
غیرت بیگم ۔ پھر تم ہی کچھ تدبیر نکالو گی تو نکلے گی ورنہ میں تو اپنی جان پر کھیلے بیٹھی ہوں اور
یہی بات اس وقت میں سوچ بھی رہی تھی خدا مجھ کو تو اس دن کے واسطے نہ رکھے
ہائے کن آنکھوں سے دیکھوں گی کہ اُس کے بچے کھیلتے پھریں اور کن کانوں سے
سنوں گی کہ وہ اماں پکار رہی جائے تم سے کچھ ہو سکتا ہو تو کرو نہیں تو تم اکیلی کیا دنیا
دیکھ لے گی کہ جلا ہوا دل بہت بُرا ہوتا ہے اور کسی پر زور نہیں چلتا اپنی جان تو اپنے
بس کی ہے جان جائے گی بلا سے ۔غیرت میرا نام ہے نام کے پیچھے جان دوں تو سہی
خاتون ۔بیوی خدا کے واسطے تم ایسی ایسی باتیں میرے سامنے تو کرو مت سُن سُن کر
میرے تو ہوش اُڑے جاتے ہیں جان سی چیز کہاں پائیے تم اپنے ننھے ننھے بچوں کا منہ
کرو ۔خدا تمہاری سلامتی میں ان کو پروان چڑھائے الٰہی تم کو ان کی بہاریں دیکھنی
نصیب ۔اور قربان کی وہ نامراد سوکن خدا چاہے گا تو وہی نہ رہے گی ہراساں ہو تمہاری
بلا اور غم کرے تمہاری پاپوش جب خدا نہ کرے تمہاری ہی جان پر آ بنے گی تو ہم پیدا
ہیں بندے جو تمہاری جوتیوں سے لگے ہیں کیا منہ دیکھنے کے واسطے ہیں پہلے ہم
سب تم پر سے تصدق ہو لیں گے تب جو بات سو بات ۔پر بیوی جو بات تم چاہتی ہو جان
جوکھوں کا کام ہے پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھو لے تو اس کا بیڑا اُٹھائے پھر اس کو
چاہیئے آدمی دل کا پکا پیٹ کا گہرا بھروسے کا پورا کہ خدا نخواستہ کل کلاں کو کچھ ایسی
ویسی ہو تو اپنے اوپر جھیل لے جائے اور مالک کو بال بال بچائے سو تمہارے گھر میں تو میں

اس ڈھب کا کسی کو نہیں پاتی چھوکریاں ہیں تین چھچھوری کہ آدھی بات سن پائیں تو ایک ایک کی چار چار دل سے بنائیں اور سارے محلے میں دھوم مچائیں رہ گئیں مامائیں نوکریں تو ہر کسی سے کہتے جی لرزتا ہے اور مجھ اکیلی سے سارا سر انجام ہو نہیں سکتا ایک میرا بھانجا ہے جو میرے میاں کی جگہ عطار کی دکان پر نوکر ہے اگر وہ گنٹھ جائے تو بس سارے کام آسان ہیں دیکھوں میں اس سے ذکر کرونگی پر بیوی تم اپنی جگہ بھی سمجھ لو میری تو اگر جان بھی تمہارے کام آجائے تو دریغ نہیں ہے میں نے تمہارا نمک کھایا ہے اور میں اب دنیا میں جی کر بھی کیا کروں گی بہتیرا جی چکی پر میرا بھانجا بال بچہ دار آدمی ہے عمر بھی کچھ اس کی ایسی بہت نہیں اس کو تو کچھ ایسا ہی بھاری لالچ دیا جائیگا تو شاید وہ اس کام میں ہاتھ ڈالے تو ڈالے عزت بیگم۔ مجھ کو تو اگر کوئی کھڑا کر کے بیچ لے تو بھی عذر نہیں پر کسی طرح اس عذاب سے چھٹکارا ہو۔ خاتون۔ بیوی دیکھو خبردار میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو نہیں تو سارے گھر پر آفت آجائے گی۔ عزت بیگم۔ خیر خیر مناؤ تم نے کیا مجھ کو ایسا نادان سمجھ لیا ہے میں خوب سمجھتی ہوں کہ بڑے اندیشے کی بات ہے مجھ کو اپنے دونوں بچوں کی جان کی قسم کیا مجال کہ منہ تک بات آجائے۔ خاتون۔ بس تو بات کو اپنے ہی تک رہنے دو جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائیگا تو میں تم کو آپ خبر کر دوں گی اور میں تم کو یہی صلاح دیتی کہ مل جاؤ کیونکہ ملاپ میں خوب کام نکلتا ہے مگر ملو نہیں تو یہ ہر وقت کا جھگڑا ایکھیڑا تو موقوف کرو ورنہ کرے گا کالا چور اور پکڑے جائیں گے تمہارے دشمن برا چاہنے والے خاتون کے سمجھانے بجھانے سے عزت بیگم نے باوجودیکہ ناوقت ہو گیا تھا منگوا کر کھانا کھایا اور وہ جو سارے سارے دن ہر بائی کا جھگڑ لگا رہتا تھا وہ

بھی بند ہوا۔ آدمی لاکھ چھپائے پر دل کی کپٹ بے ظاہر ہوئے نہیں رہتی لوگ جو چوری یا
دوسرے جرموں کے مرتکب ہوتے ہیں اپنے پندار میں بڑی بڑی بیش بندیاں کرتے ہیں
اور آخر کو وہی بیش بندیاں اُن کو رسوا اور فضیحت کراتی ہیں۔ یا تو تمام تمام دن دونوں
سوکنوں کی لڑائی کا ایک غل پڑا رہتا تھا یا ایک دم سے ہوا سناٹا تو غیرت بیگم اور خاتون
کے سوائے سبھی کو حیرت تھی کہ دلوں میں ایسی کیا نیکی خدا نے ڈالی کہ آپ سے آپ لڑتے
لڑتے رُک گئیں۔ باوجود ے کہ خاتون نے سمجھا دیا تھا کہ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائیگا
تو میں تم کو خبر کردوں گی مگر غیرت بیگم کو اتنا صبر کہاں تھا اُس نے تو اگلے ہی دن سے
خاتون کی جان کھانی شروع کردی۔ کیوں بی آب کب ہوگا کیا دیر ہے۔ کاہے کا انتظار
ہے۔ آے ہے کبھی ہو بھی چکے گا یا نہیں۔ بس اب خاک ہوگا۔ تم کو نہیں کرنا منظور
تھا تو مجھ کو آس کیوں دی تھی۔ سخی سے سوم بھلا جو ترت دے جواب۔ آخر جب تقاضا
حد سے گزر گیا تو ایک دن خاتون نے کہا لو بیوی خدا نے مجھکو تم سے سُرخ رُو کیا
اب کہیں اتنے دلوں میں جاکر بڑی مشکل سے معاملہ طے ہوا میں تو سمجھتی تھی خدا
جانے سرے سے ہامی بھی بھرے یا نہ بھرے اور بھرے تو دس ہزار مانگے یا
پندرہ ہزار مانگے پر ماشاءاللہ قسمت تمھاری بڑی زبردست ہے سستا چُک گیا ایک
ہزار روپیہ پہلے اور پھر چُپ چُپاتے خاطر خواہ کام ہوئے پیچھے ایک ہزار اَور اور جو
خدا نکرے کہیں کھُل کھُلا پڑے تو دو ہزار۔ غیرت بیگم تو کہہ ہی چکی تھی اگر مجھکو کوئی
کھڑا کر کے بیچ ڈالے تو بھی عذر نہیں سنتے کے ساتھ لگی ہاتھوں سے سونے کے ٹھوس
کڑوں کی جوڑی اُتارنے۔ اتنے میں خاتون بولی بیوی کڑے مت دو میرا جی کڑھتا
ہے ننگے ہاتھ بُرے لگیں گے اور لوگوں میں بھی پرچول پڑے گی بلکہ جتنا گہنا تم پہنے

ل٥ وزرا ١٢

رہتی ہو اس میں سے کچھ بھی مت دو غرض جس جس طرح خاتون کہتی گئی کچھ نقد و جنس ملا کر ہزار پورے کر اس کے پلے باندھے۔ ہزار معجل[1] اور ہزار موجل[2] کے بدلے خاتون نے یہ کارنمایاں کیا کہ چوہوں کے بہانے سے تھوڑی سی سنکھیا بجا بجے سے مانگ لاتی دونوں گھروں میں دودھ کا راتب بندھا ہوا تھا گھوسن بڑے سویرے آتی اور سب سے پہلے یہیں کا راتب لاتی۔ خاتون اندھیرے منہ اٹھ مردانے میں جا بیٹھی جوں گھوسن نے پاؤں اندر رکھا کہ خاتون نے اس سے لڑنا شروع کیا کہ ساری دنیا میں حلوائی ہوئے گھوسی ہوئے دودھ میں پانی ملاتے ہیں یہ کہیں سے بے چاری انوکھی گھوسن نکلی کہ پانی میں دودھ ملا کر لاتی ہے برسوں کھیر پکی کسی نے منہ پر نہیں رکھی کل جوں چاہا کہ سویّوں میں ڈالیں نیلا نیلا نسوت پانی۔ ہر روز بیوی کو ہم لوگوں پر خفا کرواتی ہے لا تیری ہنڈیا بیوی کو لے جا کر دکھاؤں تب تو انہیں یقین آئیگا غرض زبردستی گھوسن کے ہاتھ سے ہنڈیا چھین ڈیوڑھی میں لے گھسی اور سنکھیا کی پڑیا دودھ میں گھول ہنڈیا گھوسن کو پھیر دی کہ بیوی کہتی ہیں میرے پاس حرام کا پیسا نہیں ہے جا دور ہو اب میرے گھر دودھ نہ لانا۔ برسوں کی لگی ہوئی گھوسن اور روز کا راتب اس طرح ملونی کرتی تو اتنی مدت کیونکر نبھتی بے چاری رو نکھی اور کھسیانی ہو کر خاتون کا منہ دیکھنے لگی اور چھوٹے گھر کی ماما کو آواز دے بھری ہنڈیا اس کے حوالے کی کہ بڑی بی بی نے تو آج کئی برس کے بعد جواب دیا چھوٹی بی بی بھی اگر دوسری گھوسن لگالیں تو میری ہر روز صبح سویرے کی اتنی دور کی رپٹ بچے۔ ہریالی نے دیکھا تو دودھ ہر روز جیسا گاڑھا اور چکنا اس کے جی میں آ گیا کہ میاں کئی بار فیرینی کی فرمائش بھی کر چکے ہیں لاؤ آج قلفیاں جمادیں

[1] نقد ۱۲ [2] ادھار ۱۲

سارے کا سارا دودھ لے لیا جب دودھ لے چکی تب اس کو خیال آیا کہ آج تو بڑے
گھر کی باری ہے ماما سے کہا دیکھو تو کیا مجھ سے بھول ہوئی بڑے گھر کی باری کا خیال
نہ رہا اور فیرینی کے لئے اتنا سارا دودھ لے بیٹھی اب کیا کروں ماما نے کہا مضائقہ
کیا ہے جاڑے کے دن ہیں اس وقت کی جمی ہوئی باسی قلفیاں تو کل تک ٹھنڈی
ٹھنڈی اور بھی مزے کی ہونگی۔ غرض فیرینی پکا قلفیاں بھرا الماری میں رکھ اوپر
سے قفل لگا دیا۔ جن لوگوں کے بال بچے نہیں ہوتے جی بہلانے کو اکثر جانور
پال لیا کرتے ہیں۔ ہر پالی نے بھی طوطا اور مینا اور بلّی اور کبوتر اور مرغیاں بہت سے
جانور پال رکھے تھے اچھا ایک پیالہ بھر کر فیرینی ان جانوروں کے لئے الگ نکال کر
تھوڑی ماما کے لئے دیگچی میں لگی چھوڑ دی تھی۔ دو سیر دودھ مٹا کر پاؤ بھر چاول
برابر کی کھانڈ فیرینی کاہے کو تھی اچھا خاصہ کھویا کہنا چاہیئے جس نے پائی خوب
مزے سے کھائی دو گھنٹے نہیں گذرنے پائے تھے کہ سب سے پہلے میاں مٹھو
ٹیں ہوئے پھر تو باری باری سے اور سویر کوئی جلدی کوئی دیر مینا شکڑی بلّی
بولائی کبوتر چکرا کے مرغیاں اونگھنے لگیں ماما مارے قے اور دستوں
کے بدحواس ہوگئی ڈولی میں لاد اس کے گھر پہنچوایا۔ اس کا بیٹا تھانے میں نوکر
تھا سنتے کے ساتھ بھاگا ہوا آیا ماں کو دیکھا تو آدمی کو نہیں پہچانتی تھی نیم جان کو
اٹھا کر ہسپتال لے گیا ڈاکٹر نے پچکاری سے پیٹ صاف کیا پانی جو پیٹ میں سے
نکلا تھوڑے سے میں کوئی دوا ڈال کر دیکھا تو سنکھیا تھی آخر ڈاکٹر نے سوچ سوچ کر یہ کہا کہ ہم
نہیں بتا سکتے کہ اس نے کتنی سنکھیا کھائی اور ٹھیک کس وقت کھائی لیکن جس قدر اس
کے پیٹ میں سے نکلی ہے اگر اتنی بھی ہضم ہو کر خون میں مل گئی ہوگی تو قاعدے کی رو سے

اس کو مرنا نہیں چاہیئے۔ غرض سنکھیا کے توڑ کا جو تریاق انگریزوں کے یہاں ہوتا ہوگا اوپر تلے دینا شروع کیا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہوتے بیمار کی طبیعت کچھ سنبھلی آخر لوٹ پیٹ کر اچھی تو ہوئی مگر کچھ ایسا روگ لگ گیا کہ جب تک زندہ رہی مارے دھڑکن کے بے چاری کو ساری ساری رات بیٹھے گزر جاتی تھی۔ اُدھر ہریالی کے یہاں جس جس جانور نے ذراسی فیرینی کھائی سبھی کی تو موت آئی ہریالی اپنے اِس کنبے کے سوگ میں تھی کہ کوئی چار گھڑی دن رہتے رہتے تو کوتوالی کے لوگ مردانے میں آ بھرے پکڑ دھکڑ ہونے لگی فیرینی کی قلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں کوتوالی والوں نے فوراً ہسپتال کو ڈاکٹر کے پاس چلتی کیں اور لگے اپنے دستور کے مطابق ایک ایک کو الگ لے جا لے جا کر پوچھ گچھ کرنے غرض چھے گھڑی رات کی توپ نہیں چلی تھی کہ کوتوالی والوں نے سارا مقدمہ مرتّب کر لیا محلے والوں نے اظہار دیئے کہ دونوں گھروں میں ہر وقت کو سم کا ٹا رہا کرتی تھی اب ہفتے عشرے سے اَمن ہے۔ گھوسن نے بیان کیا کہ میں مدت سے دونوں گھروں میں دودھ کا راتب لاتی ہوں کبھی کسی نے دودھ کو بُرا نہیں بتایا کل خاتون نے پہلے پہل مجھ سے کہا کہ تیرے دودھ میں ملونی ہوتی ہے اور ہنڈیا میرے ہاتھ سے لے ڈیوڑھی میں گھس گئی اور پھر اُلٹے پاؤں ہنڈیا لے کر باہر آئی کہ بیوی نہیں لیتیں میں نے وہی ہنڈیا جوں کے توں چھوٹے گھر میں بھیج دی دونوں گھروں کی ماماؤں نے ایک زبان گواہی دی کہ گھوسن نے دودھ کبھی بُرا نہیں دیا حکیم[۵] عطّار نے تصدیق کی کہ میری دکان پر خاتون کا بھانجا بیٹھتا ہے اور جس وقت میں دکان پر نہیں ہوتا وہی بیچتا کھوچتا ہے اور میری دکان میں سنکھیا بھی رہتی ہے مگر میری سخت تاکید ہے

[۵] حکیم نام ہے ۱۲

کہ دیکھو سنکھیا ۔ کچلا ۔ جمال گوٹا شنجرف ۔ ہڑتال بچھناگ ۔ دھتورا ۔ اس قسم کی چیزیں
آن جان آدمی کے ہاتھ مت بیچنا ۔ ان چیزوں کی فروخت کا حساب کتاب میں کیا
شہر میں کوئی عطار بھی نہیں رکھتا ۔ خاتون کے بھانجے کو بلوایا بہتیرا ڈھونڈا
اتفاق سے اس وقت نہیں ملا بلکہ کوتوالی والوں کو شبہہ ہوا کہ کہیں خبر پاکر روپوش تو
نہیں ہوگیا ۔ بس اسی کے آنے کی کسر رہ گئی ورنہ مقدمہ اسی وقت لکھا پڑھی ہو کر
چالان ہو جاتا ۔ گھر کے نوکروں میں خاتون ذرا سب سے زیادہ معزز تھی اور ڈیوڑھی
تک بھی بہت ہی کم آتی جاتی تھی کوتوالی والوں کو ہوا تامل کہ اس کو دوسرے
نوکروں کی طرح باہر بلوائیں یا آپ ڈیوڑھی کے پاس جاکر اس سے پوچھ پاچھ کرلیں
اتنے میں تو سید ناظر خبر پاکر آموجود ہوئے اگر ناظر ذری دیر اور نہ آتے تو خاتون
کی کیا اصل تھی کوتوالی والے تو اس کے اچھے سے قبول کروا لیتے بلکہ وہ تو اس
فکر میں تھے کہ اپنی طرف سے کسی عورت کو اندر بھیجکر خود بیگم صاحب کی مزاج پرسی
کریں ۔ ناظر کا آنا تھا کہ مقدمے کا رنگ بدل گیا کوتوال نے مناسب سمجھا کہ رات
گئی ہے زیادہ اس وقت تحقیقات کو ملتوی کیا جائے فیرینی کی قلفیاں اور مرے ہوئے
جانوروں کی لاشیں یہی دو بڑے ثبوت تھے سو دونوں ہمارے ہاتھ میں ہیں اب
ناظر نہیں ناظر کے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں تو کیا کرلیں گے ماما کے پیٹ میں سے
سنکھیا نکل چکی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اتنے سارے جانور سب سنکھیا سے
مرے اور فیرینی میں سنکھیا موجود اب رہ گئی یہ بات کہ سنکھیا دی تو کس نے دی سو نہ
دونوں سوکنوں سے انکار ہوسکتا ہے اور نہ دونوں کی عداوت سے ۔ زہر خورانی کا مقدمہ
اس سے زیادہ اور کیا صاف ہوگا ۔ صاحب مجسٹریٹ کو توالی کے چالان

کٹے ہوئے مجرم اکثر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اُن کو کوتوالی کے ساتھ خدا واسطے ایک
ضد سی آپڑی ہے لیکن اگر اس مقدمے کو بگاڑا تو علم کی قسم صاحب سپرنٹنڈنٹ کو سمجھا کر
صدر کو ایسی رپورٹ کراؤں کہ جواب دیتے نہ بن پڑے اور میاں ناظر کو بھی وکالت کا
بڑا گھمنڈ ہے بڑی مدت میں اونٹ پہاڑ کے تلے آیا ہے دیکھیں تو اب ہائیکورٹ
کی کون سی نظیر پیش کر کے بہن کو بچاتے ہیں۔ غرض کوتوال خاتون کو ناظر کے سپرد
کر حوالہ نامہ لکھوا گھوسن کو ساتھ لے چلتا ہوا اور سیدھا پہنچا صاحب سپرنٹنڈنٹ
کے پاس اور اُن کو مقدمے کی روداد سمجھا کر کہا کہ مقدمہ ہے سنگین اور مجرم عورتیں
پردہ نشین سیّد ناظر وکیل کا نام حضور نے سنا ہوگا اصل میں اُن کی بہن نے سوکن
کو زہر دلوایا مگر وہ اتفاق سے بچ گئی کل حضور بھی موقع واردات تک چلیں
ورنہ وکیل صاحب بڑے شورہ پشت اور ثقہ بدمعاش ہیں ہم لوگوں کے قابو
میں آنے والی اسامی نہیں۔ اِدھر ناظر بہن پاس گیا تو دیکھا کہ مارے ہول
کے دست پر دست چلے آرہے ہیں دیکھنے کے ساتھ ہوش ہی تو خطا ہو گئے اور
سمجھا سب سے بڑا ثبوت تو خود اِن کی حالت ہے۔ آخر بہن سے اتنا کہا کہ بڑے بھائی نے
تم کو اس قدر ڈرا دھمکا دیا تھا مگر تم نے نہ مانا اور دل کی بودی طبیعت کی کچی ہمت
کی ہیٹی تھیں تو ایسے کام پر تم کو جرأت کیونکر ہوئی بس اب تین پہر رات اور ہے صبح
ہوئی اور تمہاری ڈولی کوتوالی چلی۔ بھائی کے منہ سے اتنی بات سُن غیرت بیگم کو اور
تو کچھ نہ سوجھا بہت دن ہوئے تولہ بھر افیون منگوا کر صندوقچے میں رکھ چھوڑی
تھی دوڑی دوڑی کوٹھری میں جا صندوقچہ کھول افیون کا گولا نگل اوپر سے بھرا
کٹورا پانی کا پی لیا۔ بتول کی انا کو یہ حال معلوم تھا کہ انہوں نے صندوقچے میں افیون رکھ

چھوڑی ہے دالان کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی بھائی بہن کی باتیں سن رہی تھی
بیوی کو جو اس طرح گھبرا کر اندھیری کوٹھری میں جاتے ہوئے دیکھا جلدی سے بتول
کو چارپائی پر لٹا پیٹتی ہوئی بھاگی کہ ای ہے خاک پڑے اس جھگڑے پر لو اب تو دشمنوں
کو ٹھنڈک پڑی وہ بیوی نے افیون کھالی۔ اتنے میں تو غیرت بیگم بھی کوٹھری سے
یہ کہتی ہوئی نکلی کہ بھائی تم کچھ تردد مت کرو میں بُری تھی بُری سے خدا نے تم سب کا
پیچھا چھڑایا صبح تک میں ہی نہیں رہوں گی کوتوال کو اختیار ہے میرا مردہ لے جاکر
کوتوالی میں دفن کرے۔ زہر خورانی کا ایک مقدمہ تو قائم تھا ہی اقدام خودکشی کا
دوسرا اور ہوا۔ معصوم اور بتول دونوں بے خبر پڑے سوتے تھے۔ غیرت بیگم نے دونوں
کو گود میں لے کر پیار کیا اور دونوں کو گلے لگا کر ایسی بلک بلک کر روئی کہ گھر میں
قیامت برپا ہوگئی۔ ناظر نے جو بہن کا بلبلانا دیکھا اور ساتھ ہی خیال آیا کہ بس یہ
بھی دنیا میں تھوڑی دیر کی مہمان اور ہے پھر کہاں ہم اور کہاں بہن اُس کے
سر پر ایسا جنون سوار ہوا کہ نہ پکارا نہ کنڈی کھڑکھڑائی نہ دستک دی نہ اجازت لی منہ
اٹھا سیدھا چھوٹے گھر میں جا گھسا دونوں میاں بیوی سر جوڑے بیٹھے ہوئے
خدا جانے کیا صلاحیں کر رہے تھے مبتلا نے آہٹ پا کر دور سے ڈانٹا آئیں آئیں
کیا بدتمیزی ہے اندھے ہو تم کو معلوم نہیں کہ پردہ ہے اُس مرتبہ بہن کو مداخلت بیجا
کی نالش پر آمادہ کرتے تھے اب یہ مداخلت بیجا نہیں ہے۔ ناظر۔ اللہ رے
تیرا پردہ نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی یہی نالائق پردے والی بنی تو پردے والی
نے افیون کھائی اور دنیا جہان سے روپوش ہونے کی تیاری کی۔ مبتلا۔ الحمدللہ
خس کم جہاں پاک مگر ذرا تم خیریت سے چلتے پھرتے تو نظر آؤ۔ سامنے سے پرے ہٹتے ہو

یا میں اُٹھ کر تم کو رستہ دکھاؤں۔ مبتلا کا اتنا کہنا تھا کہ ناظر یا تو صحن میں تھا یا مبتلا کی چھاتی پر۔ پھر تو دونوں میں خوب کشتی ہوئی۔ ناظر دیہات میں پیدا ہوا دیہات میں پلا ہاتھ پاؤں کا ٹھلا گٹھیلا۔ برسوں اکھاڑے کا لڑا ہوا بیسیوں داؤ یاد۔ پچاسوں گھاتیں معلوم سیکڑوں پیچ رواں اور اب تک بھی دو وقتہ ڈنڑ مگدر کبھی اس نے ناغہ نہیں ہونے دیئے۔ مبتلا نے چار سے نازنین میر کھو یا مرزا مہین ناظر نے وہ وہ پٹخنیاں دیں اور ایسا ایسا رگڑا کہ آنکھیں نکل نکل پڑیں اور سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے۔ مبتلا کے پاس پھکینی پھپتی کل جمع تین حربے چٹکیاں لینا نوچنا کاٹنا سو ناظر کی پھرتی کے مقابلے میں ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ مبتلا کو اگر معلوم ہو کہ یہ کمبخت چھوٹا کھوٹا چھپا رستم ایسے غضب کا بجھا ہوا ہے تو کبھی بھول کر بھی اس سے دو بدو نہ ہو مگر اس کی تقدیر میں تو دو بیبیاں کر کے ہر طرح کی مصیبت اٹھانی تھی چھوٹا سمجھ کر اس کو ایک دانٹ بتائی بیٹھے بٹھائے اور اپنی شامت لوائی۔ ہریالی نے جب دیکھا کہ میاں کو ناظر گیند کی طرح اُچھالے اُچھالے پڑا پھرتا ہے یہاں سے اُٹھایا اور وہاں دے مارا اور اُدھر سے اُچھالا ادھر لا ٹپکا ایسی دہشت دل میں سمائی کہ اس کا حمل جس کے سبب سے اتنا سارا فساد ہوا ساقط ہو گیا۔ ناظر کیا مبتلا کو جیتا چھوڑتا وہ تو خدا کا کرنا عین وقت پر سید حاضر آ پہنچے دیکھا تو گھر میں مجموعۂ تعزیرات ہند پھیلا پڑا ہے مگر کیا قائم مزاج آدمی تھا آنے کے ساتھ سب سے پہلے تو ناظر اور مبتلا کو چھڑایا پھر نمک ڈال بھر بھر لوٹے گرم پانی غیرت بیگم کو پلانا شروع کیا۔ غیرت بیگم اس طرح کی ضدی عورت تھی کہ اگر ساری دنیا ایک طرف ہوتی تو گرم پانی کا کٹورا منہ کو نہ لگانے دیتی مگر کچھ تو بڑے بھائی کا لحاظ

اور ادھر چپکے سے کسی نے کان میں جھک کر کہہ دیا کہ مبارک ہو ہریالی کا حمل تو گر گیا بے عذر خوب ڈکڈکا کر پانی پی لیا پانی کا حلق سے اترنا تھا کہ استفراغ ہوا اور استفراغ کے ساتھ کھٹ سے افیون کا گولا سموچے کا سموچا نکل کر الگ جا پڑا ادھر ہریالی کی خدمت کے لئے دو ہری دو ہری دائیاں بلوائیں اور پھر مبتلا اور ناظر دونوں کو ساتھ لے جا کر بیٹھا کہ ہر چند تم دونوں کی طبیعتیں اس وقت حاضر نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ مزاج میرا بھی ٹھکانے نہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو آدھی رات ڈھل چکی ہے صرف سوا پہر کی مہلت ہے سامان تو بد قسمتی سے ایسا جمع ہوا ہے کہ اب آبرو بچتی ہوئی نظر نہیں آتی اور جب آبرو پر بنی تو سب سے پہلا شخص جو جان دینے میں دریغ نہ کرے میں ہوں دیکھو تو کتنے آدمی ہم لوگوں کے ملاقاتی ہیں مگر ہمدردی اور مدد تو درکنار مرد عورت کوئی آکر بھی جھانکا سچ کہا ہے گاڑھی پھر آشنائی کام کی نہیں ورنہ رتی بھرناتا کام آتا ہے بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ جب ناتے سے کام لینے کا وقت آیا تو تم لوگ آپس ہی میں لڑنے لگے جسطرح پر تم دونوں میں لڑائی شروع ہوئی میں سب سن چکا ہوں تم میں سے کسی کو مجھ سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ میں ایک کو ملزم ٹھیراؤں اور دوسرے کو بری جس طرح تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اسی طرح لڑائی کبھی ایک کے لڑنے سے نہیں لڑی جاتی میں تم دونوں کو برابر الزام دیتا ہوں لیکن رشتہ داروں میں اگر کسی بات پر تخ بھی ہو جاتی ہے تاہم ان کے خون ملے ہوئے ہیں وہ ظاہر میں جدا ہیں اور باطن میں ایک غیرت بیگم کا افیون کھا لینا سن کر مبتلا بھائی کو منہ سے الحمد للہ کہہ دینا بہت آسان تھا لیکن جب غیرت بیگم کی مدت حیات پوری ہو اور خدا کرے کہ مبتلا بھائی اس کو اپنے ہاتھوں سے سٹی دیں تو دنیا میں سب سے بڑھ کر رنج کے کرنے والے بھی یہی ہوں گے

گھر کس کا برباد ہوگا اِن کا۔ اولاد کس کی بے ماں کے ماری ماری پھریگی اِن کی۔ کنبے والوں کا میل ملاپ کس سے چھوٹ جائیگا ان سے۔ بھلے مانسوں میں جو خانہ داری کی ساکھ ہوتی ہو بیتی تمدّنی عزت وہ کس کی جاتی رہے گی اِن کی۔ اِس میں شک نہیں چھوٹی بھاوج کی وجہ سے دلوں میں بڑے فرق پڑ گئے ہیں اور پڑنے ضرور تھے مگر پھر بھی غیرت بیگم کی ناموس کا پاس ہم کو چھٹانک بھر ہو گا تو مبتلا بھائی کو سیر بھر۔ میں جانتا ہوں کہ مبتلا بھائی بڑے ضبط کے آدمی ہیں مُنہ سے نہیں کہتے مگر اِن کے تلووں سے لگی ہے ناظر کیا کوئی تم سے خیر کی توقع کرے گا جب تم ایسی مصیبت میں مبتلا بھائی کی مدد نہ کرو ہزاروں مقدموں میں تم بہ طمع صلہ پیروی کرتے ہو اِس ایک مقدمے میں صلۂ رحم کو صلہ سمجھو اور میری خاطر سے اپنی بہن کی خاطر سے بھانجا بھانجی کی خاطر سے غصّے کو تھوک کر بچاؤ کی کوئی صورت نکالو اور تم مبتلا بھائی از برائے خدا رحم کرو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بزرگوں کے نام پر خاندان کی عزت پر۔ تم کو معاملات مقدمات کا کبھی اتفاق نہیں پڑا کو توالی والے مدت سے تمپر دانت لگائے بیٹھے ہیں خدا جانے کس بلا میں تم کو پھنسا دینگے۔ ناظر تمہارا حرز ہو اگر اِس نے بے تمیزی کی تو بہت بُرا کیا چھک مارا میں اس کی طرف سے معذرت کرتا اور تمہاری ٹھوڑی میں ہاتھ ڈالتا ہوں جانے دو معاف کرو۔ اس کے بعد ناظر کو پکڑ کر مبتلا کے پیروں پر گرایا اور ناظر اور مبتلا دونوں کو گلے لگوایا وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے ملکر روئے حاضر بہن کی تباہی کا تصور کر کے مغموم تو پہلے سے تھا اب ان کو روتا ہوا دیکھ کر آپ بھی رونے لگا۔ جب سب کے دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو حاضر نے ناظر سے پوچھا کیوں بھائی اب کرنا کیا چاہیے۔ ناظر۔ خیر اب آپ فرماتے ہیں اور آپ کا قدم درمیان

میں ہی تو نہیں اس مقدمے میں ہاتھ ڈالتا ہوں مگر مبتلا بھائی نے آج اس رنڈی کے
سامنے (آپ بُرا مانیں یا بھلا مانیں میں تو اس کو ساری عمر بھاوج کہنے والا نہیں)
ایسا ذلیل کیا ہے کہ میں اس رنج کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ جب آپا نے میرے بیٹھے پر
افیون کھائی تو میں گھبرا کر اس غرض سے ان کے پاس دوڑا ہوا گیا تھا کہ ہم دونوں
ہم صلاح ہو کر تدبیر کریں۔ اُنہوں نے مجھ کو دروازے میں سے دیکھ کر اس طرح دُتکارا
کہ کوئی کتے کو بھی نہیں دُتکارتا مجھ کو رہ رہ کر غصہ آتا ہے کہ انھوں نے تو شرم و حیا سب
کو بالائے طاق رکھ دیا اب آپ کے سامنے منہ کھلواتے ہیں کل کی بات ہے کہ کبھی نالائق
جو آج بڑا لمبا چوڑا پردہ لگا کر بیٹھی ہے بے اختیار جی چاہتا ہے کہ مارے جوتیوں کے
بدذات کے سر پر ایک بال باقی نہ رکھوں) ٹکے ٹکے پر ماری ماری پڑی پھرتی تھی اور کوئی
اس پر تھوکتا بھی نہ تھا ان ہی سے پوچھئے کہ کئے بار میرے یہاں اسکا مجرا ہوا جب آتی تھی
ڈیوڑھی میں سے فرشی سلام یا اب اس کو یہ بھاگ لگے ہیں کہ ہمارے سامنے ہونے سے
اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔ عزت بنائے سے نہیں بنتی بلکہ خداداد چیز ہے آج تو یہ پردہ
نشین بنی کل کو سیدانی بن کر چاہے گی کہ ہماری ماں بہنوں کے ساتھ بیوی کی صحنک کھائے
پرسوں اس کے بال بچے ہونگے اور کہے گی کہ سیدوں میں رشتہ ناتا کرتی ہوں تو
کوئی بھلا مانس اس کو جائز رکھے گا۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب ہماری آپا کا جھیر
پڑ رہا ہے اور ابھی کیا ہے یہ منظلمہ تو مبتلا بھائی کو ایسے ناچ نچائے گا کہ ہر بالی کو ساری عمر
ایسا ناچ ناچنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا۔ ناظر تو باتوں باتوں میں گرم ہوتا جاتا تھا اور مبتلا
کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں کہ اگر اب کے پھر کہیں یہ جن لپٹ پڑا تو ہڈی پسلی
ایک کرکے رکھدے گا۔ حاضر کے بیٹھے کی اگر ڈھارس نہ ہو تو قریب تھا کہ مبتلا کی گھگھی

ہندھ جائیے بارے حاضر نے کہا بھائی ناظر یہ تو تم پھر لگاڑکی سی باتیں کرتے ہو یہ
سچ ہے کہ مبتلا بھائی کی نادانی نے سارے گھر کو تہ وبالا کردیا مگر یہ بھی تو نہیں ہوسکتا کہ ہم
غیروں کی طرح دور کھڑے ہوئے تماشا دیکھیں۔ ناظر۔ یہ تو میں نے وہ حقیقت بیان
کی جو میرے دل میں تھی رہ گیا مقدمہ اس سے آپ اطمینان رکھیئے۔ مبتلا بھائی کو روپیہ
تو بہت خرچ کرنا پڑیگا ایسا کوئی پانچ چھے ہزار مگر خدا نے چاہا تو ان پر اور ان کے طفیل
میں ہریالی پر کوئی گزند نہیں آنے پائیگا۔ اس وقت تک مبتلا کو مقدمے کی واقعی روداد
اور کوتوالی کی تحقیقات سے اپنی اور ہریالی دونوں کی طرف سے پورا اطمینان تھا اور
دونوں اپنی جگہ خوش تھے کہ چاہ کن را چاہ درپیش سنکھیا دی اسی غرض سے کہ ہم دونوں
کھائیں اور مر کر رہ جائیں خدا کی قدرت ہم دونوں کے منہ پر رکھنے کی بھی نوبت
نہیں آئی اور اوپر ہی اوپر ماما کے بیٹے نے جا سرکار میں خبر پہنچائی اب لینے
کے دینے پڑے عزت بیگم کو پھانسی ہو تو پھانسی ورنہ عمر قید میں تو شک ہی نہیں چلو
سستے چھوٹے اور روز کا ٹنٹا مٹا۔ ناظر کے منہ سے یہ کلام سن کر کہ پانچ چھے ہزار روپیہ
خرچ کردو تو تم پر گزند نہیں آنے پائیگا مبتلا تو حیران ہوکر اس کا منہ دیکھنے لگا اور ہریالی
بول اٹھا کیوں صاحب الٹا چور کوتوال کو ڈانڈے مجھی کو زہر دیا جائے اور میں ہی گزند
سے بچنے کے لئے پانچ چھے ہزار روپیہ بھی خرچ کروں کیا انگریزی عملداری میں یہی انصاف
ہے۔ ناظر۔ ہوش کی بتواؤ تماشہ بنی اور شئی ہے اور مقدمہ کی باریکی کو پہنچنا کچھ اور چیز ہے
تم کو اتنا تو معلوم ہی نہیں کہ معاملہ کس کو کہتے ہیں اور مقدمہ کس جانور کا نام ہے میں
تو زبان دے چکا ہوں اور بد عہدی کسی شریف آدمی کا کام نہیں اس لئے چند نکتہ کی
باتیں تم کو سمجھاتا ہوں۔ کوتوالی کی تحقیقات کو تو عدالت میں کوئی پوچھتا تک نہیں روداد

وہی معتبر ہے جو عدالت کی مثل میں ہو کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کوتوالی کے لوگ زبانی پوچھ گچھ کے سوا کسی کا اظہار تک قلم بند کر نہیں سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے کوتوالی اور فوجداری ایک تھی جب یہ لوگ لگے اظہار کارگزاری کیلئے ہر واردات بے سُراغ کے لئے مجرم بنانے اور اصل مجرموں سے سازش کر کے بیگناہوں کو ناحق پھسانے تو سرکار نے کوتوالی اور فوجداری کو الگ کر دیا۔ اب تو کوتوالی والوں کا اتنا ہی اختیار ہے کہ جس کو اپنے نزدیک مجرم سمجھیں حاکمِ عدالت کے پاس چالان کر دیں۔ حاکمِ عدالت مدعی اور مدعا علیہ گواہوں کے اظہار قلم بند کرتا ہے اور اپنے یہاں کی روداد پر سزا یا رہا کرتا ہے کوتوالی والے اناپ شناپ جس کو پکڑ پاتے ہیں چالان کر دیتے ہیں عدالت میں گئے اور رہا ہوئے اور ہمارے صاحب مجسٹریٹ کوتوالی سے اس قدر بدظن ہیں کہ مجسٹریٹی کا اجلاس کرتے ہوئے پورا برس نہیں ہوا اتنے ہی دنوں میں کوتوالی والوں سے جیلخانہ بھر دیا۔ غرض کوتوال اور ان کی تحقیقات کی تو کچھ بھی حقیقت نہیں اب رہ گئی مقدمہ کی روداد سو اس کا حال یہ ہے کہ سنکھیا تو حقیقت میں پکڑی گئی ہریالی کے یہاں پس مدعا علیہ اول ہوئی ہریالی اور پہلے اُسی پر اشتباہ کیا جائیگا کہ اسی نے فیرینی میں ڈالی یا ڈلوائی بتلا۔ بھلا وہ کمبخت بدنصیب کس کو سنکھیا دینے اٹھی تھی اپنے تئیں یا مجھ کو یا اپنی ماما کو جو سالہا سال سے نوکر ہے اور کبھی اس کو پھٹے مُنہ تک نہیں کہا یا اپنے پالے ہوئے جانوروں کو جنہیں وہ بچوں کی طرح عزیز رکھتی ہے۔ ناظر۔ جانوروں کی تو بات الگ ہے لیکن دوسرے احتمالات میں تو کوئی استبعاد کی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے خود سنکھیا کھانیکا ارادہ کیا ہو عورتیں اکثر خودکشی کر بیٹھتی ہیں یا تم کو اس نے زہر دینا چاہا ہو تو عجب نہیں بازاری خلقت کا بھروسا کیا خدا جانے اُس نے کیا سمجھ کر تمسے نکاح پڑھایا

اور اب جو اس کی مراد بر نہ آئی تو اُس نے اپنا پنڈ چھڑانے کیلئے یہ تدبیر کی اگر وہ اپنی حالت سابقہ پر عود کرنے کی آرزو مند ہو تو اس سے کچھ دُور نہیں۔ ماما تم خود کہتے ہو کہ اس کے پاس مدت سے ہے تو ضرور اس کے پچھلے حالات سے بخوبی واقف ہو گی اور عداوت کے لئے اتنی بات کافی ہے۔ اور سنکھیا کیلئے تمہاری اور ہریالی کی اور ماما کی کیا تخصیص ہے معصوم سارے سارے دن ہریالی کے یہاں رہتا ہے وہ یقیناً اس کی جان کی دشمن ہے۔ اِن کے علاوہ ایک احتمالِ اور ہے اور وہ سب میں زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ آپا کے پھنسانے کیلئے یہ سارا منصوبہ سوچا گیا ہے ورنہ سبب کیا کہ جانوروں تک کو فیرینی کھلائے اور منہ تک لیجائے۔ اور بدذات نے کیا چالاکی اور بے رحمی کی ہے کہ بے زبان جانوروں کو تو اتنی فیرینی ٹھسائی کہ ایک نہ بچا اور لہو لگا شہیدوں میں داخل ماما کو بھی ذراسی چٹادی کہ دو چار دست آکر اچھی خاصی کی خاصی۔ مبتلا۔ ہاں لیکن کیا گھوسن کی گواہی پر لحاظ نہ ہو گا۔ ناظر۔ کیا معلوم کہ عدالت تک پہنچتے پہنچتے گھوسن اپنے بیان پر قائم بھی رہتی ہے یا نہیں اور فرض کرو کہ قائم رہے تو اس نے تو سنکھیا کا نام تک بھی نہیں لیا بلکہ میری نظر سے دیکھو تو گھوسن کا بیان ہریالی کے حق میں سمِ قاتل ہے وہ کہتی ہے کہ خاتون نے مجھ کو دودھ کی ہنڈیا واپس کر دی۔ بہت خوب ہریالی نے جب یہ سن لیا تھا کہ بڑے گھر سے دودھ بُرا سمجھ کر واپس کیا گیا تو اس نے چُپ چُپاتے ضرورت سے زیادہ بھری کی بھری ہنڈیا رکھ کیوں لی بس یہیں تو پانی مرتا ہے اس سے صاف شبہہ ہوتا ہے کہ ہریالی نے گھوسن سے بلکہ اسی کے گھر دودھ میں سنکھیا گھلوائی اور جب خاتون دھوکے میں نہ آئی تو دوسری چال چلی اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ہریالی اور تم دو نہیں ہو ہریالی کا کرنا عین تمہارا کرنا ہے اور ابھی خاتون کے بیان کی تو نوبت

آنے دو دیکھو تو وہ کیا زہر اگلتی ہے۔ کوتوالی والوں کی کارروائی میں فی الواقع ہمیشہ ایک بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ تحقیقات سے پہلے مقدمے کو کسی ایک پہلو پر ڈھال لے جاتے ہیں اور پھر اخیر تک باصرار اسی پہلو کی تائید میں لگے رہتے ہیں۔ جو باتیں میں نے تم سے سرسری طور پر بیان کی ہیں ان میں سے ایک کی طرف بھی کوتوال صاحب کا ذہن منتقل نہ ہوا ہوگا اور ہم لوگوں کو تو باتیں حاکم کی میز پر سوجھتی ہیں عین وقت پر کچھ اس طرح کا بہرہ کھل جاتا ہے کہ خودبخود بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہے۔ مبتلا کی ساری ہمت تمام عمر رہی مصروف حسن وعشق میں مدعی اور مدعا علیہ بننا درکنار اس کو کبھی گواہی دینے کا بھی اتفاق نہیں پڑا بچپن کا لاڈلا جوانی کا چھبیلا وہ وکیلوں کے چھل فریب کیا سمجھے ناظر نے جو الٹی سیدھی باتیں سمجھائیں چھکے ہی تو چھوٹ گئے اور سمجھا کہ بس اب نہیں بچتا۔ سنکھیا کا غصہ سرپالی کا رنج اپنی چوٹ اگلے پچھلے گلے شکوے سب کچھ بھلا بسرا ناظر کے گلے سے لپٹ گیا کہ بس اب اوپر خدا ہے اور نیچے تم چاہو مار دو چاہو جلا دو چاہو اجاڑو چاہو بساؤ۔ ناظر۔ مقدمہ تو میری طرف آیا گیا ہوا اور سمجھو کہ مقدمے کا میں نے ہمیشہ کے چکا خرچ کا بندوبست تم کرو۔ مبتلا۔ خرچ کا بندوبست بھی تم ہی کو کرنا پڑیگا تم کو تو گھر کا ذرا ذرا حال معلوم ہے۔ ناظر۔ کیا مضائقہ خرچ کا بھی انتظام ہو جائے گا مگر آخر دینا تو تم ہی کو پڑے گا۔ مبتلا۔ کوڑی کوڑی۔ ناظر۔ خیر تو آپ دو رقعے میرے نام لکھیے ایک تو کل کی تاریخ میں کہ چوہوں کی جیسی کثرت ہے تم کو معلوم ہے اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ کھونٹیوں پر لٹکے ہوئے کپڑے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کئے ڈالتے ہیں ناچار تھوڑی سنکھیا منگوائی پڑیا چھوٹے گھر کے بیچ والے دالان میں اس خیال سے کہ کسی کا ہاتھ نہ پڑے اونچے پر رکھوائی تھی یہ ذکر کوئی سات یا آٹھ دن پہلے کا ہے کل

کیا اتفاق ہوا کہ شام کے وقت ایک روپے کی کھانڈ کا پُڑا آیا اور جیسا دستور ہے پڑے کے ساتھ ممولے کی پڑیا سنکھیا کا تو خیال نہ تھا کھانڈ کا پُڑا اور پُڑیا دونو کو اسی طاق میں رکھوا دیا جس میں سنکھیا کی پڑیا تھی آج خود گھروالی نے اپنے ہاتھ سے فیرینی میں کھانڈ ڈالی تو اُنہوں نے کہا پڑیا کی کھانڈ بھی کیوں ضائع ہو پُڑا اور پُڑیا دونوں اُتارتی لائیں مگر پُڑیا سنکھیا کی تھی باورچی خانے میں بھی دھوئیں کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیا اور چونکہ دل میں کسی طرح کا کھٹکا نہ تھا انہوں نے دیکھا بھی نہیں فیرینی پک کر تیار ہوئی تو تھوڑی جانوروں کو دی جو گھروالی نے اپنے شوق کے لئے پال رکھے تھے اور جو دیگچی میں لگی رہ گئی تھی ماما نے پونچھ کھائی۔ جانور تو مر گئے ماما کو کچھ دست آئے مگر بچ گئی کوتوالی کے لوگ مقدمے کو طول دینا چاہتے ہیں تم مختارکارانہ اس کی خبرگیری کرو۔ اور دوسرا رقعہ اب سے مہینے سوا مہینے جتنے دن پہلے کا چاہو لکھدو کہ مجھ کو اتنے روپے کی ضرورت ہے جہاں سے بن پڑے بندوبست کردو بس اللہ اللہ خیر صلّاح اور چین سے پیر پھیلا کر سو رہو۔ سنکھیا کے رقعے کا مضمون سنکر تو مبتلا کی عقل دنگ ہوگئی اور سمجھا کہ ناظر بھی بڑا زہر کا بجھا ہوا ہے دیکھو تو کیا مغز سے بات اُتاری ہے میں ایسے شخص سے کیا پار لے جا سکتا ہوں میرا بچاؤ تو اسی میں ہے کہ جو یہ کہے اُس میں ذرا کان نہ ہلاؤں۔ غرض اُسی وقت دونوں رقعے لکھ ناظر کے ہاتھ دیلیے اور پوچھا کہ بھلا صاحب اب صبح کوتوال صاحب آئیں تو کیا کرنا ہوگا ناظر نے کہا اب بندۂ درگاہ کے رہتے کوتوال صاحب کیا آتے ہیں آپ آمدنتیم برخاست اور اگر آئے بھی تو کوتوال بن کر نہیں بلکہ نڈھال بدحال سراپا اضمحلال۔ مبتلا۔ اور کیوں صاحب جیسا اُس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اگر اس ذی انگریز کو جو کوتوالی کا افسر ہے لاکھڑا کیا۔

ناظر۔ اوہم سگ زرد برادر شغال۔ باوجودیکہ ابھی جھٹ پٹا تھا ناظر فوراً سوار ہو سیدھا
کوتوال پاس پہنچا کوتوال سمجھا کہ ایسے وقت آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہی ضرور کچھ نہ
کچھ یوہنی کرائیں گے۔ دور سے ہنس کر بولا آئیے آج تو سویرے ہی سویرے اچھے
سخی کے درشن ہوئے ہیں تو آپکے یہاں آنے کو وردی پہنکر تیار لیس بیٹھا ہوں
صاحب سپرنٹنڈنٹ سے سات بجے کا وعدہ ہی۔ ناظر۔ کیا تیار بیٹھے ہو وہاں تو رات
بڑا غضب ہوگیا۔ کوتوال۔ کیا کوئی اور صاحب سنکھیا کھا کر شہید ہوئے۔ ناظر۔ نہیں سنکھیا
تو نہیں مگر آپ تو جانتے ہیں مبتلا بھائی کے گھر میں جو وہ دوسری عورت ہی پورے
دنوں سے تھی کل نہیں معلوم آپکے سپاہیوں نے اُس کو کیا کیا ڈرایا دھمکایا طبیعت
تو اس کی آپکے رہتے ہی بگڑ چلی تھی آپ ادھر آئے شاید کوتوالی بھی نہ پہنچے ہونگے
کہ اُس کا حمل ساقط ہوگیا ساری رات اسی کے تردد میں پلک نہیں جھپکی۔ خیر حمل
تو حمل اب اسی کی جان کے لالے پڑے ہیں دیکھیے وہ بھی بچتی ہی یا نہیں مبتلا۔
بھائی کو اس عورت کے ساتھ اس درجے کا تعشق ہی کہ جس وقت سے یہ واردات
ہوئی ہی سارے گھر میں بولائے بولائے پٹے پھر رہے ہیں۔ وہ تو ڈاکٹر چنبلی کو
بلانے بھیجتے میں نے بہزار مشکل روکا کہ انگریزوں کے کان پڑی ہوئی بات پھر اپنے
قابو کی نہیں رہتی ایک چھوڑ دو دو دائیاں بلوادی ہیں بارے اب کہیں جاکر کسی
قدر طبیعت سنبھلی تو میں آپکے پاس بھاگا ہوا آیا میں تو رقعہ بھیجنے کو تھا پھر خیال آیا کہ خدا
جانے کسکے ہاتھ پڑے آپ چل کر کہنا چاہیے۔ یہ کہنا تھا کہ کوتوال کو کاٹو تو بدن میں لہو
کی بوند نہیں۔ گڑگڑا کر بولا آپ کے یہاں ہم تابع داروں کی مجال ہی کہ ڈرائیں دھمکائیں
یا کوئی خلاف قاعدہ کارروائی کریں آپ جسوقت تشریف لائے ہیں آپنے بھی دیکھا ہوگا کہ مردانے

ہیں صرف دو ہی کانسٹبل میرے ساتھ تھے اور وہ دونوں بھی بیچارے الگ اصطبل
کے پاس کھڑے تھے میں نے آپکے آدمی وفادار کے ہاتھ ماماؤں اور لونڈیوں کو
بُلا بُلا کر بھولے سے دو دو باتیں پوچھ لیں اصل حقیقت تو یہ ہے اور ہم نے تو جس دن پولیس
میں نام لکھوایا اسی دن سمجھ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور قید ہوں گے یہ ایسی
ویسی نوکری اس قسم کی ہے۔ کوئلوں کی دکانداری کہ بے کالا منہ ہوئے نہیں رہتا بڑدل
کا کہا اور آنولے کا کھایا پیچھے مزہ دیتا ہے۔ لالہ جی بہتیرا سر ٹپکتے رہے کہ ہم لوگ ٹھیرے
لکھنی چند ہم کو سپاہیوں کا بھیں سزاوار نہیں ہرکارے وہ مرد ہے اُس وقت اُن
کی بات کچھ دھیان میں نہ آئی سوا اپنے کئے کی سزا پائی۔ ناظر۔ یہ میں خوب جانتا ہوں
کہ آپ نے کوئی بیجا کارروائی نہیں کی ہوگی آدمی کا حال چھپا نہیں رہتا سارا شہر
آپ کا مداح ہے اور اگر آپ احتیاط نہ کرتے تو اتنے دن کوتوالی کا چلنا بھی محال تھا
خصوصاً صاحب مجسٹریٹ حال کے وقت میں مگر عورتیں تو جیسی ڈرپوک اور کچّے دل کی
ہوتی ہیں آپ خوب جانتے ہیں آپ کا ہی آنا سُنکر اُن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے
ہونگے اور پھر کسی سپاہی نے کوئی ایک آدھ بات بھی کہدی ہوگی حالت تو نازک تھی
ہی ادھ نگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوگیا چھوٹے گھر میں تو خیر ایک واردات بھی ہوئی تھی
کہ جانو رُسے ماما کو دست آئے فیرینی میں سنکھیا نکلی بڑا گھر جسکو واردات سے کچھ بھی تعلق
نہیں وہاں کیا حال تھا جا کر دیکھتا ہوں کہ چولہا تک نہیں سُلگا وہ تو جب میں نے سمجھایا
کہ یہ کیا اس سے بڑی بڑی اتفاقی اور ناگہانی وارداتیں ہوجاتی ہیں اور آخر کار مقدمہ
داخل دفتر تب سب کو تسلی ہوئی۔ کوتوال۔ اتفاقی کیسی۔ تب ناظر نے مبتلا کا رقعہ دیا کہ
وہ خونی دروازے میں جو ایک شخص نے اپنی آشنا کو دھتورا کھلا کر مار ڈالا تھا اور شاید

آپ ہی لے تو اس مقدمے کی بھی تحقیقات کی تھی کل اس کی پیشی تھی اور میں مدعا علیہ
کا وکیل تھا آپ کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بھی سرکار کی طرف سے پیروی کے لئے موجود تھے
بڑے بڑے مباحثے رہے آخر ساڑھے چار بجتے بجتے مدعا علیہ کی رہائی ہوئی۔ ہاں تو
یہ رقعہ مجھ کو عین اجلاس پر ملا تھا اور اسی کو دیکھکر میں کچہری سے سیدھا دہیں چلا گیا
کوتوال نے رقعہ پڑھا تو مقدمے کی طرف سے بھی اس کی آس ٹوٹ گئی کمر سے کرچ
کھول ناظر کے پیروں پر رکھدی کہ نوکری تو یہ حاضر ہے خدا واسطے کو ایک اتنا سلوک
کیجئے کہ عزت پر ہاتھ نہ ڈالئے۔ ناظر نے بہت تسلی کی کہ بھلا اتنا تو سمجھئے کہ اگر میرے دل
میں کچھ فساد ہوتا تو میں اس قدر سویرے اندھیرے منہ آپکے پاس دوڑا ہوا کیوں آتا
خیر جو کچھ ہونا تھا سو ہوا میں جس طرح سے بن پڑے گا مبتلا بھائی کو سمجھا لونگا جب سے
انہوں نے دوسری عورت کرلی ہے ذرا تنگ دست رہتے ہیں یہی نہ کہ دو اور مہن کا
خرچ اور اوپرے سو دو سو روپیہ اور اُن کو دے دیا جائیگا۔ اور ہاں سنکھیا کے مقدمے
میں آپ کچھ زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کیجئے گا اس میں کچھ ہونا ہوانا بھی نہیں۔ ناظر چلنے لگا
تو کوتوال نے کہا پھر اس کرچ کو تو آپ اپنے ہاتھ سے باندھ دینگے تو میں کمر سے
لگاؤں گا ورنہ جہاں پڑی ہے پڑی رہے گی۔ ناظر نے جلدی سے کرچ اٹھا بسم اللہ
کرکے کوتوال کی کمر سے باندھی گویا اپنی طرف سے کوتوالی دی کوتوال نے کہا بس
اب ہاتھ پکڑے کی لاج آپ کو کرنی ہوگی۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ کو وہاں ایک اور
ضرورت پیش آگئی کہ کسی انگریز کے یہاں سوڈا واٹر کی ایک ڈبھی نہیں اُٹھی آدھی درجن
خالی بوتلیں چوری گئیں صاحب نے چٹھی لکھی اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اس کی تحقیقات
کو بھاگے گئے کوتوال سے کہلا بھیجا ہمارا آنا نہیں ہوسکتا پھر کوئی پندرہ بیس دن بعد خود

سپرنٹنڈنٹ صاحب ہی کو خیال آیا تو پوچھا کیوں کوتوال صاحب وہ کسبی وکیل صاحب کے یہاں کی زہر خورانی کا آپ نے تذکرہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔ کوتوال نے کہا حضور فدوی نے تو اگلے ہی دن ۳۰۲۲ نمبر کا روزنامچہ خاص بھیج دیا تھا کہ واردات اتفاقی ہے۔ بات رفت وگزشت ہوئی۔ دو چار دن تو مبتلا کو کھٹکا رہا پھر اس نے دیکھا کہ کوتوالی والوں میں سے کسی نے آکر بھی نہ جھانکا تو اس کو یقین ہوا کہ ناظر کو حکام کے مزاج میں کچھ اس طرح کا دخل[1] ہے کہ آج جو چاہے سو کر گزرے۔ ناظر نے اس مقدمے میں اچھی بردماری ہزار روپے تو چکے سے اس نے وہ اگلوائے جو خاتون کٹنی غیرت بیگم کو بہکا پھسلا کر لے اڑی تھی۔ اور رقعے کے بدلے مبتلا سے اس کے حصے کی دکانوں کا قطعی بیعنامہ اپنے نام کا لکھوا لیا اور پھر سب میں سرخ رو کا سرخ رو۔ اب بے چارے مبتلا کے پاس پینسٹھ روپے ماہوار کی جگہ صرف ستائیس روپے مہینے کی نری تنخواہیں رہ گئیں وہ بھی کس طرح کی کہ کوئی چھٹے مہینے آدھی پاؤ وصول ہوئی تو کوئی برس بھر بعد اور کوئی ماریں بھی آگئی اور غیرت بیگم کی یہ تاکید کہ بھلا کوئی ایک لوٹا پانی تو اس کے گھر میں سے مبتلا کو دے دیکھے۔ غیرت بیگم کے یہاں پہلے ہی مبتلا کی کون سی قدر کی جاتی تھی اب جس دن سے یہ معاملے مقدمے کھڑے ہوئے رہا سہا اور بھی نظروں سے گر گیا پہلے بے رخی تھی رفتہ رفتہ بدمزاجی ہوئی بدمزاجی سے بددماغی کی نوبت پہنچ گئی بلکہ طرز مدارات سے ایسا مستنبط ہونے لگا کہ سید حاضر نے جو ایک دن بیچ کے آنے کا معمول باندھ دیا تھا اب مبتلا کا اتنا آنا بھی گوارا نہیں۔ غیرت بیگم کو مبتلا سے بات چیت کیے ہوئے برسوں گزر گئے تھے لونڈیاں مامائیں میاں کا اتنا لحاظ کرتی تھیں کہ باری کے دن بچھونا صاف کر دیا جب تک گھر میں بیٹھے حقے کی خبر رکھی کھانے

[1] دخل ۱۲

کو لوچھ لیا اور اب مقدموں کے بعد سے تو ان باتوں میں بھی مضائقہ ہونے لگا۔ مبتلا
لاکھ گیا گزرا تھا مگر آخر تھا تو صاحبِ خانہ یہ بے دقری دیکھ کر وہ بڑے گھر کی باری
کو تپ و لرزہ کی باری سے کم نہیں سمجھتا تھا مگر حاضر ناظر سے اس قدر ڈرتا تھا جیسا
مُردہ نکیرین سے ناخواستہ دل آتا اور برخاستہ خاطر رہتا۔ ایسی ایسی سنگین وارداتیں
گھر میں ہو جائیں اور کسی کی نکسیر تک نہ چھوٹے غیرت بیگم آور کبھی بے محابا ہو کر لگی بادل
کی طرح گرجنے اور بجلی کی طرح کڑکنے سقّا اور دھوبی آور حلال خور وغیرہ جتنے اہلِ
خدمت تھے اُن تک کی بندی ہوگئی کہ چھوٹے گھر کا کام نہ کرنے پائیں ناچار گلی
کی طرف کا قدیم دروازہ جو مدتوں سے بند تھا تیغا توڑ کر کھولا تب کام چلا۔

چوبیسویں[۲۴] فصل مبتلا اور ہریالی کا بگاڑ

جب تک باتوں کا زبانی جمع و خرچ رہا کہ غیرت بیگم نے اپنے گھر میں کوس کاٹ لیا
اور ہریالی نے اپنی جگہ پکار کر تو پکار کر نہیں تو چپکے سے جو کچھ منہ میں آیا کہدیا تب تک
اگر سچ پوچھو تو ہریالی کی جیت تھی کیونکہ مبتلا اُس کے پلے پر تھا اور آمدنی کے
حساب سے دونوں گھر برابر سرابر اب جو پینسٹھ کے رہ گئے ستائیس تو اُس کا ایمان
ڈگمگا چلا اور مبتلا سے کہا کیوں صاحب اُدھر اکیلے گھر میں ساٹھ اور ادھر مردانہ زنانہ
دو گھروں میں پینسٹھ نگوڑا پانچ روپے کا بل خدا جانے ہیں کیا کتر بیونت کرتی تھی
کہ خیر گزر ہوئی چلی گئی تم اپنے ہاتھ میں خرچ رکھتے ہوتے تو حقیقت کھلتی اور میں تمہارے
بڑے گھر میں جاتی نہیں تو آخر سنتی تو ہوں کہ آدمیوں کو اُبالی دال ملتی ہے اور وہ بھی ایک
وقت بچوں کو سودا سلف تو درکنار کبھی اَدھی کے چنے لے کر دینے نصیب نہیں ہوتے

اب تم نے بینسٹھ کے ستائیس کرائے ہیں تو تم ہی خرچ کا انتظام بھی کر دیں کوئی اپنی بوٹیاں
کاٹ کاٹ کر تو کھلانے سے رہی۔ مبتلا۔ بینسٹھ کے ستائیس ہیں نے کرائے ہیں۔ ہریالی
جانے بلا تم نے کرائے ہیں یا اُنہوں نے جو تمہارے کچھ لگتے ہیں۔ مبتلا۔ تم ہی نے فریبی
پکا کر میٹھے بٹھائے سارا فساد برپا کیا اور اُلٹا مجھ کو اُلاہنا دیتی ہو۔ ہریالی۔ مجھے خبر تھی
کہ دشمنوں نے دودھ میں سنکھیا گھول کر میری جان کے لینے کا سامان کیا ہے۔ مبتلا۔
اسی کا تو پتا نہ چل سکا کہ کس نے دودھ میں سنکھیا گھولی۔ ہریالی۔ تو کیا میں نے گھولی۔
مبتلا۔ تم نے گھولی تو نہیں مگر تمہیر تھپ تو گئی۔ ہریالی۔ تم نے تھپوائی تو تھپی۔ مبتلا۔
ایک نشد و شد جھینا ہیں نے کم کرایا سنکھیا کا الزام تمہیں نے لگایا ہیں ہی بُرا ہوں
تو خدا بُرے کو موت دے۔ ہریالی۔ خدا نکرے تم کیوں بُرے ہونے لگے بُری ہیں کہ
تمہارے کارن گھر چھوڑا عیش چھوڑا آرام چھوڑا اس کا یہ انعام ملا کہ تمہارے یہاں آ کر
کوسنے سُنے گالیاں کھائیں بے عزتی کا کوئی درجہ باقی نہ رہا دو دفعہ جان کا خطرہ اٹھایا۔
مبتلا۔ تم کو تو معلوم تھا کہ میرے بی بی بچے ہیں پھر نہ آئی ہوتیں کسی نے زبردستی کی تھی
اور اب تمہارا جی چاہے تو اب چلی جاؤ تم سے کسی نے کچھ چھین تو نہیں لیا۔ ہریالی۔
ہاں ہاں میں کیا مکرتی ہوں میں تمہاری بی بی کو بھی جانتی تھی اور بچوں کا ہونا بھی
معلوم تھا مگر مجھے خبر نہ تھی کہ تم اس طرح کے حیز ہو کہ ناظر کی صورت دیکھے سے تمہارے
ہوش باختہ ہوتے ہیں اور میں اگر جاؤں گی اور جاؤنگی نہیں تو کیا مفت میں اپنی جان
گنواؤں گی تو ناظر کو جو وکالت کے گھمنڈ میں بہت اکڑا ہوا پڑا پھرتا ہے اور اس مکّار
حاضر کو جو ہر مرتبہ بڑا مولوی بن کر وعظ کہنے کو آ بیٹھتا ہے اور تیری بھینا کو قوال کی
جورو کو اور اُس موئے کو قوال کو جس نے رشوتیں لے کر خون کے مقدموں کو

ملیا میٹ کیا ہے اور سب کے ساتھ تجھ کو دنیا جہان میں الم نشرح کر کے جاؤں گی میرا جانا کیا ایسا ہنسی ٹھٹھا ہے میں نے تیرے پیچھے اپنے تئیں خاک میں ملا دیا اور آج تو نے اس کا مجھ کو یہ پھل دیا ہے اب دیکھ میرا تماشا تیرا اُلو گیا منہ ہی مگر بلا اپنے حماتیوں کو کہ مجھے جاتی کو روکیں یہ کہہ کر ہریالی کھڑی ہو سیدھی دروازے کی طرف چلی بارے مبتلا نے ساری عمر میں ایک یہ بہادری تو کی کہ اس کو کوٹھڑی میں دھکیل جھٹ اوپر سے کنڈی لگا دی۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ مبتلا تو ہریالی کو کوٹھڑی میں بند کر باہر چلا گیا۔ ہریالی کے پاس جو پرانی ماما تھی وہ تھی ایک طرح کی اس کی کٹنی اس نے ہریالی کو سمجھایا بی بی مرد کا مزاج دیکھ کر بات کی جاتی ہے اس کمبخت پر تو آپ ہی مصیبتیں پڑی ٹوٹ رہی ہیں تم اور چلیں گھاؤ میں اوپر سے مرچیں لگانے تھوڑے دن صبر کیا ہوتا وہ اپنے تئیں بیچتا چوری کرتا کہیں نہ کہیں سے تمہارا بھرنا بھرتا اور اگر تمہاری مرضی جانے کی ہو گی تو اس کی سو راہیں ہیں ڈھنڈورا پیٹنا اور ڈھول بجانا کیا ضرور ہے ادھر پان کے بہانے مبتلا کے پاس گئی اور اس سے کہا میاں برا کہو فضیحتی کرو سب تم کو پہنچتا ہے پر منہ بھر کر یہ کہہ بیٹھیں کہ چلی جا تم ہی انصاف کرو بڑی سخت بات ہے خیر غصہ حرام ہوتا ہے میاں بی بی کی لڑائی کیا اور میاں بی بی بھی تم جیسے کہ وہ تمہاری عاشق زار اور تم اس پر دل و جان سے نثار اٹھو گھر میں چلو بیوی کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی اب میں نے اٹھا کر زبردستی پانی پلایا ہے۔

پچیسویں فصل مبتلا کی خانہ داری دونوں بیبیوں کے ساتھ کس طرح تھی

مبتلا اور ہریالی کی یہ لڑائی تو خیر ایک اتفاقی بات تھی مگر دیکھنا چاہیے کہ ان میں باہمی

ارتباط کس درجے کا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے سمجھنے میں غلطی کی۔ ہریالی نے
سمجھا تھا کہ یہ آدمی ہے حسن پرست بیوی اس کو بھائی نہیں اور مجھ پر ہو رہا ہے لٹّو ہیں
گئی نہیں اور اس کو بیوی سے تڑا چھڑا اپنے کھونٹے سے باندھا نہیں یہاں آ کر
دیکھا تو بیوی کو میاں کا خصم پایا کہ وہ اس کو اس طرح لپٹی ہے جیسے مکھی کو شہد یہ
ہتیری کوشش کرتا ہے کہ اس سے چھوٹ جاؤں مگر اور لتھڑتا چلا جاتا ہے۔ چاہیے تھا
کہ مجبور سمجھ کر معذور رکھے خود غرضی جبر و اختیار میں فرق آنے نہیں دیتی تھی وہ کچھ کر نہیں
سکتا تھا اور یہ جانتی تھی کہ اپنے ہیٹے پن سے خود نہیں کرتا وہ واری اور قربان تھی
جب تک توقع میں جان تھی نا امیدی کا پیدا ہونا تھا کہ صاف ہتے سے اکھڑ گئی۔ مبتلا
تو اول دن سے حسن صورت کے پیچھے ایسا فریفتہ تھا کہ خوبصورتی کے آگے حسب نسب سلیقہ
ہنر عقل نیکی دینداری کسی چیز کو دیکھتا ہی نہ تھا بیوی سے تھی اس کو نفرت چوٹوں
کی طرح دو چار بار رات کو ہریالی کے یہاں گیا آنکھوں میں کھب گئی نہ انجام سوچا نہ
عاقبت کار پر نظر کی گھر میں لا بٹھایا۔ مبتلا کے دل کو جو اچھی طرح سے ٹٹول کر دیکھا
تو گھر میں آئے پیچھے ہریالی کی طرف اس کا اگلا سا رخ نہ تھا اول تو اس نے ہریالی کے جانچنے
اور آنکنے ہی میں غلطی کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہریالی خوبصورت تو تھی مگر نہ اس
درجے کی کہ مبتلا جیسا حسین آدمی اس پر مفتوں ہو۔ یونیورسٹی کی ڈگریاں اگر خوبصورتوں
کو ملتی ہوتیں تو ہریالی ہماری نظر میں اس سرے ایف۔ اے۔ کے قابل تھی مگر مبتلا تو
اس کو نکاح سے پہلے ایم۔ اے۔ کے درجے میں سمجھتا تھا۔ دوسری ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ
ہریالی کو ویسا بناؤ سنگار نہ نواب میسر تھا اور نہ اس کا موقع تھا۔ اور سب سے بڑا سبب تو
ہمارے سمجھنے میں یہ تھا کہ کیسی ہی کوئی نعمت کیوں نہ ہو اس کی قدر طلب تک ہے تبھی ہے۔ حصول

اور اُس کی منزلت گھٹی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انسان کو اُس کا احساس بھی باقی نہیں رہتا
کہ یہ نعمت کچھ نعمت بھی ہے یا نہیں۔ اگر غیرت بیگم کو ذرا بھی عقل ہو کہ خدمت اور اطاعت
سے میاں کو اپنا کرنا چاہیے تو ہریالی کی اتنی بھی قدر نہ ہو یہ اپنی صورت کو آئینہ لیے بیٹھی
چاہا ہی کرے اور اندر باہر غیرت بیگم ہی غیرت بیگم ہے مگر وہ چال بری چلی اُس نے چاہا
نکتوڑوں سے دباؤ سے بھابیوں کی حمایت سے مبتلا کو زیر کرنا دل پھٹتے گئے اور
طبیعتیں ہٹتی گئیں۔ ہریالی نے پایا میدان خالی مبتلا کے دل میں جگہ کر لی نہ خوب
صورتی کے برتے پر بلکہ سلیقے اور رضا جوئی کے بل پر۔ غیرت بیگم کے جھگڑے مبتلا کو چین
تو لینے دیتے ہی نہ تھے وہ ہریالی کی خوشی کیا سناتا دونوں میں میل جول رہا مگر عاشقی
معشوقی کا سا نہیں بلکہ جیسا عام طور پر میاں بیبیوں میں ہوا کرتا ہے۔

چھبیسویں فصل مبتلا نے تنگ ہو کر دونوں گھروں کا رہنا چھوڑا اور اُس کی حالت یوماً فیوماً ردی ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک دن مر گیا

جس شخص کی سینتیس کی آمدنی جا کر ستائیس کی رہ جائے اور وہ بھی غیر مقرر اُسی کے دل سے
پوچھنا چاہیے کہ اُس پر کیا گزرتی ہو گی۔ تو اثر مصائب اور ہجوم افکار نے مبتلا کو اس قدر
تنک مزاج کر دیا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز اُس کو بھلی نہیں لگتی تھی اُس کو ہریالی کی لڑائی
کا ایک بہانہ ملگیا اور اُس نے دونو گھروں کا جانا قاطبتاً موقوف کر دیا سارے دن رات
اٹوانٹی کھٹوانٹی لیے اکیلا مردانے میں پڑا رہتا تھا نہ خود کسی کے پاس جاتا اور نہ اپنے
پاس کسی کے آنے کا روادار ہوتا اگر اتفاق سے کوئی آنکلتا تو اُس کی طرف مطلق ملتفت
ہوتا اس رنج نے اُس کو رہا سہا اور بھی اچور کر دیا کہ دو دشمن اُس کے اور تیار ہوئے ناظر سے

بڑھ کر معصوم اور غیرت بیگم سے زیادہ بتول۔ مبتلا اپنی طرف سے بہتیرا دونو کو لبٹتا تھا مگر
یہ دونو اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ ہمارا باپ ہے جب سے ہوش سنبھالا باپ کو بُرا بُرا
پس دونو کے ذہن میں اس کی برائی ایسی راسخ ہو گئی تھی کہ ابا یا باوا یا باپ کہنا کیسا
دونوں خاصی طرح نام لیتے تھے معصوم گالی کے ساتھ اور بتول کوسنے کے ساتھ مبتلا
نے جب دونو گھروں سے ملول ہو کر مردانے میں رہنا اختیار کیا تو اُس نے یہ خاصی
تدبیر سوچی تھی کہ اگر ہو سکے تو معصوم اور بتول دونوں کو ورنہ اکیلے معصوم کو خالی بیٹھا
ہوا پڑھاؤں اور اسی طرح اپنا جی بہلاؤں مگر معصوم پٹھے پر ہاتھ تو دھرنے ہی نہیں
دیتا تھا۔ مردانے مکان میں بے رونقی تو ہر یالی کے ساتھ آ چکی تھی اب تھوڑے ہی
دن میں خاک اُڑنے لگی جس مکان میں عمدہ اسباب کے اٹھ کے اٹھ لگے پڑے تھے اب
اس میں کیا رہ گیا بانوں کے چند جھلنگے ایک کی چول ٹوٹی ہوئی ہر تو دوسرے میں ادوان
نہیں کسی کی پٹی لچکی ہوئی ہر تو کسی کے سیرؤے میں جان نہیں شاید چھوٹی بڑی
ملا کر چار یا پانچ چوکیاں وہ بھی سب بے جوڑ بوسیدہ بے مصرف نوکروں میں صرف ایک فادا
سو بھی کس طرح کہ یہاں سے تو اس کو کھانا تک نہیں ملتا تھا اور ملے کہاں سے دیئی دیا
میاں سو میاں بے چارے کے پلے ٹکا نہیں دن کو مزدوری کرتا اور رات کو میاں کی
پائنتی آ کر پڑ رہنا دنیا کا کوئی کام یا دین کا روزہ نماز ہو تو صبح و شام کا تفرقہ اور دن رات کا
امتیاز ہو مبتلا کو سب وقت یکساں تھے اس کو سونے جاگنے کھانے پینے کسی بات کا کوئی
وقت ہی مقرر نہ تھا جب دیکھو منہ اوندھا کے چارپائی پر پڑا ہے معلوم نہیں سوتا ہے یا جاگتا ہے
اپنی تباہی کا خیال ہے کہ کسی وقت دل سے نہیں جاتا جاگتا ہے تو اسی کا سوچ ہے اور سوتا ہے
تو اسی کا خواب دیکھ رہا ہے وہ کبھی اپنے پچھلے وقتوں کو یاد کرتا اور اُس کے چہرے پر ایک طرح

کی بشاشت آجاتی تھوڑی دیر بعد خودبخود دیکا یک چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا اور پھر
اُس کے مُنہ پر مُردنی سی چھاجاتی۔ غیرت بیگم اور اس کے علاقہ داروں سے یہاں تک کہ اپنے
بچوں سے تو اُس کو مطلق ناامیدی تھی وہ خوب سمجھ چکا تھا کہ اب کسی حالت میں جیتے جی ان
لوگوں سے صفائی کا ہونا ممکن نہیں رہ گیا قطع تعلق اس کیلئے چاہئے ہمت جرأت
اور یہی باتیں اگر مبتلا میں ہوتیں تو یہاں تک نوبت ہی کیوں پہنچتی۔ قاعدہ ہو کہ جس پر پڑتی
ہے اسی کی طبیعت خوب لڑتی ہو رنجوں سے بچنے کا کون سا پہلو تھا جو مبتلا نے نہیں سوچا
مگر جدھر جاتا تھا راہ نجات کو مسدود پاتا تھا۔ مارے غم کے وہ اس قدر نحیف وناتوان
ہوگیا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار شاید چھینکنے سے اُس کو غش آتا اور کھانسی کے
ساتھ اس کا سانس اکھڑ جاتا۔ اللہ رے غیرت بیگم عورت ذات ہوکر اس قدر سخت دلی
اور اس بلا کا غصہ کہ مبتلا گھلتے گھلتے چارپائی سے لگ گیا اور اس نے بھول کر بھی
خبر نہ لی ہرمائی تھی تو رزالی پر خیر دکھاوا اظہار داری جو چاہو سمجھو بیسوں بار تو اپنی ماما کو
بھیجا اور آخر خود گئی ہر چند منت خوشامد کی مگر مبتلا تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھوئے بیٹھا تھا
ذرا نہ پسیجا یا مبتلا خوب سمجھتا تھا کہ میں اس رنج سے جاں بر نہیں ہو سکتا اختلاج قلب تو اس کو
مہینوں سے تھا اب کسی کسی وقت دل میں ایک طرح کا ہلکا ہلکا درد بھی اُٹھنے لگا تدبیر
کچھ ہوئی نہیں دورے متواتر اور شدید ہونے لگے۔ آخر ایک دن اُدھر آفتاب ڈوبتا تھا
اِدھر بیکس ڈوبے نصیب دل کے درد سے گھڑی چارپائی پر نہ تکیہ نہ بچھونا تڑپ تڑپ کر ختم ہوگیا

ستائیسویں فصل خاتمہ

ایک حسن پرستی کے پیچھے دنیا میں کیا کیا سختیاں اٹھائیں کہ خدا دشمن کو بھی نصیب کرے

اپنا یا بیگانہ مرنا تو سبھی کا قابل افسوس ہے مگر نہیں ہے تو مبتلا کا اُس کا جینا قابلِ افسوس تھا
اور مرنا قابلِ خوشی کیونکہ مر کر وہ دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ تو گیا۔ مصیبتیں تو اُس کے
دم کے ساتھ تھیں نہ مرتا اور مصیبت بھرتا پھر بھی ہم اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ دنیا کی
ایذائیں اُس کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور بے چارہ مصیبت کا مارا حسنِ صوت کا بہت فریفتہ تھا
خدا اُس کو جنت میں بہت سی حوریں دے بشرطیکہ غیرت بیگم اور ہریالی کی طرح آپس میں نہ لڑیں
عبرت کا مقام ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں موجود بیٹا موجود بیٹی موجود بیبیوں کے نوکر چاکر
موجود اور مرتے وقت مُنہ میں پانی ٹپکانے کو مبتلا کے پاس کوئی نہیں کہیں بہرات
گئے وفادار محنت مزدوری سے فارغ ہو کر آیا اور اُس نے پکارا تو میاں کو مرا ہوا پایا چیخ
اٹھا سارے محلے کو خبر ہوئی اور محلے والوں کے ساتھ محل کے لوگوں کو ہریالی کو دیکھا تو وہ
اور اُسکی ماما اور اسباب سب ندارد گھر میں جھاڑو دی ہوئی پڑی ہے نہیں معلوم ایسا کون کال
چور اُس کو بھگا کر لے گیا کہ پھر اُس کا پتہ نہ لگا۔ غیرت بیگم یا تو اِس قدر میاں سے بگڑی رہتی
تھی یا میاں کا مرنا سنتے ہی ایسا روئی اتنا پیٹے کہ بس جو بیوی میاں کی عاشقِ زار ہو گی وہ بھی اس
سے زیادہ کیا روتے پیٹی گی۔ اب اُس کو معلوم ہوا کہ میاں اُس کے ظلم سہنے کیلئے سدا کو بیٹھا رہنے
والا نہ تھا وہ میاں کے مرنے پر اتنا نہیں روتی تھی جتنا اپنے ظلموں پر جنکی تلافی اب کچھ اُس کے اختیار
میں نہ تھی۔ روتے روتے دونوں آنکھوں میں ناسور پڑ گئے تھے اور پتنی جیسا ڈیل ایسا سوکھا تھا کہ
جیسے کانٹا۔ مبتلا کی چھ ماہی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ غیرت بیگم اسی رنج میں تمام ہوئی مرتے
مرتے وصیت کی کہ مجھ کو مقتول کے باپ کی پائینتی دفن کرنا تاکہ اگر جیتے جی میں ان کے پاؤں
نہ پڑ سکی تو خیر قبر میں انکے پاؤں ہوں اور میرا سر۔ مبتلا کے مرنے پر تاریخیں اور مرثیے تو
بہت لوگوں نے کہے مگر عارف کے مرثیے کے چند بند یاد رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

مرثیہ

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے
ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائیگی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکاں بتاؤ کہ بن کر گرا نہ ہو
ہے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو
پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
حادث نہ ہو تو مدخلِ چون و چرا نہ ہو
فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

اعمالِ نیک ہیں تو زمرّد کے ہیں قصور
ہر طور کا ہے عیش تو ہر طرح کا سرور
خدمت کو لونڈیوں کی جگہ دست بستہ حور
یعنی خلاصہ یہ ہے کہ راضی ہوئے حضور
خوشنودیِ خدا ہی عبادت کا دام ہے
جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

اور ہیں عمل برے تو ہوئی عاقبت خراب
اور سب سے بڑھ کے خالقِ کونین کا عتاب
ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب
گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن پڑے جواب
حق کو جو ناپسند ہو تُف ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

توفیقِ کارِ نیک ہمیں اے کریم دے
شوقِ سلوکِ جادۂ مستقیم دے
دل میں صلاح دے ہمیں طبعِ سلیم دے
ایمان درمیانۂ امید و بیم دے
ہمکو نہیں ہے بحث عذاب و ثواب سے
تیری رضا ملے ہمیں تیری جناب سے

اٹھ جائے دل کی آنکھ سے اسباب کا حجاب
ذرے میں رو نما ہو حقیقت کا آفتاب
دنیا دکھائی دینے لگے نقشِ سطحِ آب
لَا رَیْبَ فِیْہِ ہو خبرِ ذٰلِکَ الْکِتَاب

کھل جائے اصل سرّ ازحیات و ممات کا
ہو ایک حال ماضی و مستقبلات کا

دل نوش حُبّ دولتِ دنیا سے پاک ہو
دے وہ غنا کہ آنکھ میں اکسیر خاک ہو
لالچ ہو فائدے کا نہ نقصان کا باک ہو
دیں سے شغف[1] ہو دین میں ہی انہماک[2] ہو
فرقِ نیاز فرشِ زمیں پر پڑا ہوا
ہمت کا پاؤں عرشِ بریں پر گڑا ہوا

ہر دم خیال موت کا پیشِ نظر رہے
جب تک جیے جیے جب اجل آئی مر رہے
رہ رو ہمیشہ چاہیے باندھے کمر رہے
دنیا وطن نہیں ہے کہ آ کے بسر رہے
آئے ہیں ہم جہان میں تو جانا ضرور ہے
سارا ہی قافلہ سرِ راہِ مرور ہے

پھر بعد مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں
یہ وہ خطر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں
پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں کہ اس کا بھی ڈر نہیں
عقلِ معاد سے ہمیں بہرہ مگر نہیں
ربّ العباد نعمتِ فکرِ معاد دے
فکرِ معاد دے ہمیں ذکرِ معاد دے

کیا جانبِ خدا سے ہدایت ہمیں نہیں
یا سوچنے کو عقل و درایت ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں
پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں
ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ سے

غفلت کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں
بنوا رہی ہے رہنے کو پکی عمارتیں۔
اللہ رے دلیریاں بل بے جسارتیں
دنیا کمائیں دین کی کر کے خسارتیں
غفلت کا کر علاج کہ اصلِ مرض ہے یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ

غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو
جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
بھائی کے پیٹھ پیچھے کبھی ذکرِ بد نہ ہو
انساں مشارکِ صفتِ دام و دد نہ ہو

[1] شیفتگی ۱۲ [2] مصروفیت ۱۲

غفلت سے اس جہاں میں سرا فساد ہے
غفلت کو آؤ مار ہٹائیں جہاد ہے

مخلوق ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ
ست مستمند زندگی مستعار رہ
دنیا کا کاروبار کر اور دین دار رہ
امیدوار رحمت پروردگار رہ
کس نے کہا ہے تجھ سے کو دنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نچوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسول علیہ السلام کا
اصحاب کا ائمہ عالی مقام کا
سر کردہائے امت خیر الانام کا
سکے بٹھا گئے جو محمد کے نام کا
ان میں سے ایک بھی کبھی راہب ہوا کوئی
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی

دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل
گر سو گھروں میں دیکھو تو ننانوے ذلیل
روٹی کی با ہزار مشقت ہوئی سبیل
کپڑے کی واسطے وہی ستار ہے کفیل
گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گزر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال
افلاس ہے مقدمۂ قہر ذی الجلال
افلاس کر ہی دیتا ہے انساں کو پائمال
ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاذ اگر ہوا کوئی محتاج دل غنی
سمجھا کہ یہ جہاں ہے جہان گزشتنی
کئی دن کی زندگی کے لئے اتنی سرزنی
اس کو نہ دوستی ہے کسی سے نہ دشمنی
ایسا بزرگ تک نہیں اسمیں کہ نیک ہے
ہر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہے

سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہے ہست سے
تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے

کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے | کوڑی تو لے اُدھار کوئی فاقہ مست سے
کیا اس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جیکے پاس | دنیا میں چیل سے بھی ملا ہے کسی کو ماس

گر مجھ سے پوچھتا ہے حقیقت میں ہم نشیں | ایصالِ نفع ہے مرے نزدیک اصلِ دیں
پر چاہیئے ہے اس کے لیئے نقدِ آستیں | خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں
دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے | دنیا نہیں تو دعویِ دیں مکر و زور ہے

اس واسطے جو معشرِ خیر القرون تھے | اور کلّہم عمارتِ دیں کے ستون تھے
امت کو کالنجوم سبھی رہ نمون تھے | اور مرجعِ ضمیر ھُمُ المُہتَدُون تھے
دنیا میں رہ کے دیں کا برتنا سکھا گئے | دونو کے جمع کرنے کا رستا دکھا گئے

راوی نے یوں لکھا ہے جنابِ عمر کا حال | جن روز وں آپ امیر تھے با ہیبت و جلال
اپنے ہی دستِ خاص سے پاتھا کیئے سفال | تاریخ میں دکھایئے ایسی کوئی مثال
شاگرد تھے نبی کے پیمبر کے تھے جلیس | دنیا کو جانتے تھے پرِ پشۂ خسیس

بس اُن کا تھا فراغِ عبادت کے واسطے | کی سلطنت فلاحِ رعیت کے واسطے
عزت طلب تھے دین کی عزت کے واسطے | القصہ جو وہ کرتے تھے امت کے واسطے
اُن کو کسی طرح طمعِ سیم و زر نہ تھی | ہرگز انہیں مفاد پر اپنے نظر نہ تھی

فیضانِ صحبتِ نبوی سے تھے مستفید | دیکھا انہوں نے نورِ رسالت کو چشمِ دید
پیدا ہوئے سعید جیئے اور مرے سعید | تھی اُن سے خواستگاریِ دنیا بہت بعید
لیکن جو انتظامِ الٰہی ہے مہرباں | چڑھتا ہے بام پر کوئی بے وضعِ نردباں

[illegible]

زاہد تھے اور ملک ستانی کا اہتمام — دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوح شام
دنیا میں اُن کی دین تھا کالملح فی الطعام — دونوں کا پاس کرتے تھے قصہ ہوا تمام
بدلا اسی سبب سے زمانے کا طور ہے — اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور ہے

دنیا سے اُن کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز — اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی رست خیز
کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز — تب دیکھتے زمانے کی کج دار اور مریز
پھر کون پوچھتا تھا خدا سے یگانہ کو — پاتا نہ کوئی زندگی جاودانہ کو

اب بھی جو دیکھئے ہو اُن ہی کا طفیل ہے — کم بیش سب کو جانب توحید میل ہے
اعمال و شرک جوں خس و خاشاک و سیل ہے — اتنا بھی گر نہ سمجھے تو انسان بیل ہے
مشرک کی کوئی شے نہیں کرتا خدا قبول — اُس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوست دار — واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار
مونس رفیق موجب تسکین غمگسار — ہمدرد بے ریا و ہوا خواہ جاں نثار
وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا — دنیا میں اُس ہی سے ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دیں کو بنایا چھوئی موئی — دنیا میں اور دیں میں لگانے لگے دوئی
پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی — شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی
دیں کی عوض تعصب و اوہام رہ گئے — دیندار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اُس کے خواستگار — اور کیونکہ ہوتے مولوی جنت کا چوبدار
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار — مفلس ہمیر مؤمن و دوست از طلب بدار

دنیا و دیں کے ربط کی رسی کو کاٹ کے
دھوبی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہے سب سے بڑا سبب
دنیا میں اور دیں میں عداوت ارے غضب
دنیا بغیر سخت مصیبت ہے روز و شب
لازم ہے دین کا بھی کما حقہ ادب
خستہ ہوئے خراب ہوئے ہائے بٹ گئے
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب
افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب
دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب
آپس میں رحم و لطف عدو کیلئے عذاب
مسجد میں سر بہ سجدہ پڑے ہیں زمین پر
میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کے زین پر

لوگوں کو گر مناصب دنیا گناہ ہوں
داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں
دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں
ان کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں
اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے
پیشانیوں پر ان کی تھے گھٹے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار
بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار
وہ چھینتا نہیں ہے کبھی دے کے ایک بار
شایاں اسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے ادھار
دنیا بدل گئی ہے نہ نعمت بدل گئی
اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

افسوس قوم میں عصبیت نہیں رہی
ہم میں کسی طرح کی مزیت نہیں رہی
مضبوطی ارادہ و نیت نہیں رہی
جرأت کہاں سے ہو کہ حمیت نہیں رہی
ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں
پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگدست ہیں

اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم
اے قوم یہ تعصب و وسواس جائے شرم

[illegible]

اس درجہ ضعفِ قوتِ احساس جائے شرم
تقصیر فی مقابلۃ الناس جائے شرم

تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خیال
لفظ عرب میں نحن رجال و ہم رجال

اب اے عزیزو تم سے ہمارا ہے یہ سوال
کیوں آگیا ہے قوم کی حالت میں اختلال

اقوامِ روزگار میں بیٹھے ہو کس لیے
بے وقعتی کی خاک پہ لیٹے ہو کس لیے

کثرت سے تم میں صاحبِ مقدور کیوں نہیں
لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں

مسند پہ تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں

آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
ہم میں کسی کو فکرِ معیشت نہیں رہا

کس کس کا نام لیں کہ چنان و چنیں رہا
ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا

ہم مالکِ خزائنِ روئے زمین تھے
اہلِ زمانہ قاطبتاً خوشہ چین تھے

یُسر و فراغ دولت و حشمت ہزار حیف
وہ شوکت اور لوازمِ شوکت ہزار حیف

عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف
صد حیف قابلیتِ نعمت ہزار حیف

گو حور بعد کور اشد العذاب ہے
یاد از قبیلِ لیت یعود الشباب ہے

کیا فائدہ جو تذکرۂ ما مضیٰ کریں
کیوں یادِ رفتگاں میں ماتم بپا کریں

بے سود اگرچہ تا بہ قیامت بکا کریں
اک امر اختیار سے خارج ہے کیا کریں

[illegible]

فرہاد وار در صدد جوئے شیر کیا — اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہے ایک وجہ تسلی بہت بڑی — قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی
جن کو فلاح خلق ہے منظور ہر گھڑی — لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آپڑی
ناواجب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر — پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارِ فرات پر

دروازہ کون سا ہے جو ہم پر کھلا نہیں — ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں — آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں
بے جوئے "بوٹے آپ اُگے" کا اناج کیا — ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس ضدِ احمقانہ کو للہ کم کرو — جانوں پر اپنی بہرِ خدا مت ستم کرو
چاہو ہمیں بُرا کہو یا ستم کرو — پر روٹیوں کا فکر تو بہرِ شکم کرو
ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے — بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر بھی تم ہی تم ہی ہو اگر دل پہ ٹھان لو — وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم عالم پہ مدار اسے خوب جان لو — اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو
رکھتی ہے اپنا وقتِ مناسب ہر ایک شے — تسویف تا کجا و پس و پیش تا بہ کے

جاگو کہ شرط باندھ کے مُردوں سے سو چکے — خارِ قنوط[2] راہِ تمنا میں بو چکے
جو کچھ تمہیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے — سُن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے
قسمت میں قوم کی ہے لکھی صبح و شام موت — بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

دنیا میں جس قدر ہیں ذریعے معاش کے — اُن میں ہمارا حصہ واجب ہو کاش کے
بودے ہیں جستجو کے طلب کے تلاش کے — ہاں مبتلا کی وضع کے اُس کی قماش کے

[1] یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمائش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲ [2] قنوط بالضم ناامیدی ۱۲

گر چاہیے تو لاکھ میں تو سے ہزار ہیں
طوطی چمن میں ایک ہے کوتے ہزار ہیں

عبرت کی داستاں ہے احوالِ مبتلا
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تمثالِ مبتلا
اللہ رے جمال خدؔ و خالِ مبتلا
اور عنفوانِ عمر سن و سالِ مبتلا
جس وقت وہ شرابِ جوانی سے چور تھا
بے شک وہ شبہ روکشِ غلمان و حور تھا

لیکن وہ حالت ایسی سریع الزوال تھی
بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال تھی
وہ زلف جو کبھی دلِ عاشق کا جال تھی
خود دوش مبتلا پہ بلا تھی وبال تھی
دیکھا تو آخرش خورشِ کرم گور تھا
جس کے جمال و حسن کا عالم میں شور تھا

وہ مبتلا جو ناز و نعم میں پلے کبھی
سانچے میں ہاتھ پاؤں تھے جس کے ڈھلے کبھی
خنجر چلیں گر ایک قدم بھی چلے کبھی
تیغِ ادا سے کٹتے تھے جس کے گلے کبھی
بس جنتری میں قبر کی سب بل نکل گئے
رکھتے کی ساتھ لحد کے سانچے میں ڈھل گئے

آفت ہے موت خاصۃً مبتلا کی موت
تکلیف و درد و محنت و رنج و عنا کی موت
قہرِ الٰہی و غضبِ کبریا کی موت
دشمن کو بھی نصیب ہو اس بلا کی موت
انجام کار جو تری مرضی ہو کیجیو
پر ایسی موت بارِ خدایا نہ دیجیو

تھی اُس پہ ابتدا سے مسلط بلائے حسن
طفلی میں تھا وہ آئینۂ رونمائے حسن
مضمر ہر ایک وضع میں اُس کی ادائے حسن
اک عالم اس کا شیفتہ و مبتلائے حسن
اول سے شوقِ حسن جو خاطر نشاں ہوا
خواہانِ روئے خوب ہوا جب جواں ہوا

شامت جو اس کی آئی کیا دوسرا نکاح
سمجھا کہ چار شرعِ پیمبر میں ہیں مباح
آئی مگر نظر نہ کبھی صورتِ فلاح
کیا ہی بُری رائے تھی اور کیسی بد صلاح

سلہ خدؔ عربی میں رخسارے کو کہتے ہیں شاہد خط و خال غلط العالم ہے ۱۲

فرصت نہ دی پھر اُس کو نزاع و جدال نے
سب کچھ حرام کر دیا اِس کی حلال نے

امن و فراغ و عافیت و راحت و قرار
نام و نمود و عزت و توقیر و اعتبار
حسن معاشرت کہ تمدّن کا ہے مدار
اور جس سے بے نیاز نہیں کوئی خانہ دار

سب چیز جا کے فقر ہوا گھر میں جاگزیں
جس چیز کو مکان میں پوچھو نہیں نہیں

جب مبتلا پر آ ہی گیا وقتِ احتضار
منہ میں چوائے پانی لگی چشم اشک بار
یٰسیں پڑھ رہی تھی کھڑی پاس غمگسار
اور دونوں آنکھیں ضعف نے دیں ڈھانک ایک بار

یوں بے کسانہ ہائے جوانی میں جان دے
جنت میں اُس کو بار الٰہا مکان دے

جو لوگ ہیں سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ مند
کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب پند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند
مت ہو لذائذِ حیوانی کے پائے بند

میری سنو اگر نہیں سمع قبول کر
وہ بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھول کر

فرہنگِ محصنات

اپاہج ۔ معذور ۔
آپے سے باہر ہونا ۔ بے خود ہوجانا
آتا پتا ۔ نشان ۔
اُتو کرنا ۔ اُدھیڑ دینا اصل میں اُتو اُس
نقش و نگار کو کہتے ہیں جو کپڑے کی بنایا جاتا ہے
اٹکل ۔ سیر ۔
اٹم ۔ ڈھیر ۔
اُچاپت ۔ اُدھار ۔ قرض ۔
اُداس ۔ غمگین ۔
اَدبدا کر ۔ بے اختیارانہ ۔
اَدھر ۔ معلق ۔ لٹکا ہوا ۔
ادوان ۔ وہ رسی جو چارپائی
کی پائینتی چارپائی کھنچی رہنے کو
لگائی جاتی ہے ۔
اُدھیڑبُن ۔ فکر ۔
اڑنگا ۔ جھگڑا ۔ اٹکاؤ ۔
اڑی پر آڑے آنا ۔
مصیبت کے وقت کام آنا
اضعافاً مضاعفہ ۔ چند در چند
اکارت ۔ ضائع ۔

اُکتانا ۔ گھبرانا ۔ بےزار ہونا ۔
اُلاہنا ۔ طعنہ
آلکسی ۔ سُستی ۔
اکلوتا ۔ صرف ایک ہی ۔
اچھور کر دینا ۔ سکھلا دینا ۔
اَمرد ۔ بے ڈاڑھی مونچھ کا لڑکا ۔
اُمڈا ہوا ۔ بھرا ہوا ۔ گھرا ہوا ۔
اُمنگ ۔ ولولہ ۔ شوق ۔
انابت ۔ اللہ کی طرف رجوع کرنا
اناپ شناپ ۔ فضول
اور مہمل ۔ بے تمیزی سے ۔
انٹوانٹی کھٹوانٹی ۔ جب
کوئی شخص رنجیدہ ہوکر الگ جاکر
پڑ رہتا ہے تو اُسے کہتے ہیں کہ
انٹوانٹی کھٹوانٹی لیکر پڑا ہے
انوکھا اور نرالا ۔ عجیب و غریب
اَن ہونی ۔ ناممکن ۔
اودھم ۔ دنگا ۔ غُل غپاڑا ۔
اوراد ۔ وظائف ۔
اہلیت ۔ قابلیت ۔

ایک بر ۔ ایک عرض ۔
ایف ۔ اے اور ایم ۔ اے
یہ دو درجے انگریزی امتحان کے ہیں

ب

بانٹیہ دار ۔ حصہ دار ۔
بانجھ ۔ جس عورت کے بچہ نہ ہوتا ہو
بُتے دینا ۔ مغالطہ دینا ۔
بٹا لگنا ۔ عیب لگنا ۔
بَدّھیاں ۔ لکڑی یا چھڑی کی
مار کے جو نشان پڑ جاتے ہیں ۔
برتا ۔ بھروسا ۔
برتن بھانڈا ۔ برتن وغیرہ
بساندی ۔ گوشت یا انڈے
میں جو بُو ہوتی ہے ۔
بطلیموس ۔ ایک مشہور حکیم کا نام ہے
بغارے ۔ بڑے بڑے سوراخ ۔
بکھرنا ۔ ضد کرنا ۔ اَڑ جانا ۔
بَل ۔ زور ۔
بلکنا ۔ بے تاب ہوکر رونا ۔
بگٹٹ ۔ بے تحاشا بھگانا ۔

بوچھاڑ۔ اصل میں پانی کے چھینٹوں کو کہتے ہیں یہاں گالیوں کی بوچھاڑ سے مراد مسلسل گالیاں ہے

بھاری بھرکم۔ باوقار۔

بھاگ۔ خوش قسمتی۔

بھرم بنا رکھنا۔ لوگوں کی نظروں میں معزز بنا رہنا۔

بھڑاس۔ غصہ جو دل میں بھرا ہوا ہو۔

بھلمنساہت۔ شرافت۔

بھنّانا۔ چکرانا۔

بھونرے میں پلنا۔ اگلے زمانے میں بادشاہوں کے بچّے بڑے ناز و نعم سے پالا کرتے تھے اور تمازتِ آفتاب اور تغیراتِ موسم سے بچانے کیواسطے تہ خانوں وغیرہ میں رکھے جاتے تھے۔ پس جو شخص لاڈ سے پالا جاتا ہو اُس کو کہتے ہیں کہ بھونرے میں پلا ہے۔

بیجا۔ بچوں کے ڈرانے کے لیے ایک ہیبتناک صورت بنا دیتے ہیں اُسے بیجا یا اللہ کا فضل یا ہوّا کہتے ہیں

بے رُت۔ بے موسم۔ بے فصل

بیرسٹر۔ اعلےٰ درجہ کا وکیل۔

بیڑا پار ہونا۔ مطلب حاصل ہونا خاطر خواہ کام ہو جانا۔

پ

پتیانا۔ اعتبار کرنا۔

پٹّی ڈالنا۔ اندھا کر دینا۔ آنکھیں بند کر دینا۔

پٹنا۔ جھکڑ۔ تم کو اسی کا پٹنا پڑا رہتا ہے۔ یعنی ہر وقت اسی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔

پٹّی پڑھانا۔ سکھانا۔

پچّی ہونا۔ جم جانا۔ مضبوط بیٹھ جانا

پرتا۔ اوسط۔

پرتّل۔ لدّو ٹٹو۔

پرچونیے۔ چھوٹے کم حیثیت بنیے جو متفرق سامان فروخت کرتے ہیں

پرنسپل۔ مدرسہ میں سب سے بڑا اُستاد

پروان چڑھانا۔ پھولنا پھلنا۔ جوان ہونا۔

پلے باندھنا۔ حوالے کرنا۔ سپرد کرنا

پلّے پر ہونا۔ حمایت لینا۔

پنڈ۔ پیچھا۔

پوّن بٹھانا۔ جادو کرنا۔ پوّن ایک خاص قسم کا جادو ہوتا ہے

پھٹے منہ۔ زجر و توبیخ کا لفظ ہے

پھٹکا نہ کھائی۔ یعنی فوراً مر جائے

پھٹکار۔ لعنت۔

پھٹیل۔ متفرق۔

پھپولا۔ آبلہ۔

پھڑکنا۔ بے قرار ہونا۔

پھوہڑپن۔ بے سلیقگی۔

پیڑھی۔ چھوٹی چارپائی مثل چوکی کے۔

ت

تابڑ توڑ۔ لگاتار۔ متواتر۔

تاڑنا۔ سمجھ جانا۔ پہچاننا۔

تخلص۔ شاعر جو اپنا نام آپ رکھ لیتے ہیں۔

تخمہ۔ بدہضمی۔ ہیضہ۔

تکّا چلانا۔ اٹکل پچو تیر چلانا۔

تکلا۔ چرخے میں کاتنے کا سُوا۔

توڑا۔ کمی۔

تھپنا۔ ذمے لگ جانا۔ ثابت ہونا

تھڑی تھڑی۔ فضیحت بدنامی

تھکا فضیحتہ۔ لعن طعن۔

تھوپ تھاپ دینا۔ رفع دفع کر دینا

دبا یا مٹا دینا۔

ٹھونی۔ لکڑی کا کھم جو کہ چھت کے سنبھالنے کو لگایا جاتا ہے۔

ٹھٹی۔ روٹیوں کا ڈھیر۔

ٹ

ٹِس جانا۔ تقریب کر دو یا کسی کو کسی جگہ لگا دینا

ٹکٹکی۔ کسی چیز کو جمی ہوئی نظر سے دیکھنا

ٹنٹا۔ جھگڑا۔

ٹولی۔ گروہ۔

ٹوہ۔ سراغ۔ تلاش۔

ٹھاٹھ۔ شان۔ بناؤ۔

ٹھلا۔ مضبوط۔

ٹھوس۔ ضد خول۔ پُر۔

ٹیں ہو جانا۔ مر جانے سے مراد ہے

ج

جیبو۔ زبان۔ تصغیر ہے یعنی چھوٹی جیب

جتھا۔ گروہ۔

جنرل۔ سردار۔

جوکھوں۔ اندیشہ نقصان

جھولا۔ (بواو مجہول) ڈھیلا۔

جھٹ پٹ۔ فوراً۔ جلدی۔

جھڑا۔ یکساں مسلسل۔

جھگڑ۔ ایک بات کے پیچھے پڑ جانا۔

جھلنگا۔ ڈھیلی ٹوٹی ہوئی چارپائی

جھیلنا۔ برداشت کرنا۔

چ

چیا۔ ذرا سی چائے۔

چچوڑنا۔ چوسنا۔

چکتہ۔ منہ سے کاٹنے کا داغ یا نشان۔

چکٹ۔ بہت میلا۔

چکوتا۔ تصفیہ۔

چکی ڈاڑھی۔ وہ ڈاڑھی جو صرف ٹھوڑی پر ہو۔

چلو۔ چلو بھر پانی سے مراد تھوڑا سا پانی ہے۔

چمچٹ۔ لیچڑ۔ جم جانے والا

چمکار پچکار۔ لاڈ۔ پیار

چوتھی۔ شادی کے دوسرے دن مستورات آپس میں ترکاری کھیلتی ہیں اس رسم کو چوتھی کہتے ہیں

چھپٹیاں۔ لکڑیوں کا چورا چھوٹی چھوٹی لکڑیاں۔

چھٹکارا۔ نجات۔

چھچھوری۔ خفیف الحرکات

چھکا۔ جل کر جو داغ پڑ جاتا ہے

چیں چپڑ۔ فضول بکواس

خ

خالصے لگنا۔ برباد کر دینا۔ لٹا دینا۔

د

دو ٹوک۔ قطعی۔

دو جان یا جی سے ہونا یعنی حاملہ ہونا۔

دوہتڑ۔ دونوں ہاتھوں سے مارنا

دھت۔ عادت۔ لت۔

دھتکار۔ ڈانٹ۔

دھڑکن۔ اختلاج۔

دھسک۔ کسک کسر۔

دھما چوکڑی۔ غل۔ شور۔ دھوم

دھیان۔ خیال۔

ڈ

ڈاڑھیں مار کر رونا باآواز بلند رونا۔

ڈگڈگا کر پینا۔ بے تاب ہو کر پینا۔ کھینچ کر پینا۔

ڈگری۔ درجہ مراد سند سے ہے

ڈگمگانا۔ لغزش کرنا۔

ڈنر۔ انگریزی کھانا۔

ڈھارس - امید - توقع -
ڈھانا - گرانا -
ڈھرّا - راستہ -
ڈھئی دینا - بوجھ ڈالنا -
ڈیل - جسم -

ر

ریڑھ - زد -
رٹنا - ایک دم پڑھے جانا -
رجسٹر - کتاب -
رضاعی - دودھ کی -
رکھانت - محفوظ رکھی ہوئی -
رگیولیٹر - اصل معنی انتظام کرنیوالا - گھڑی میں وہ پرزہ جو گھڑی کی رفتار کو درست کرتا ہے -
رُوڑے - مستعمل روئی کے ٹکڑے -
روکھی - روتی ہوئی -
ریجھنا - فریفتہ ہونا -
ریس - حرص -
رُیں رُیں کرنا - مری ہوئی آواز سے پڑھنا -
ریزگی - پرانے گوٹے کے ٹکڑے

س

سالم - پوری -
سُبکیاں - رونے کے بعد جو دیر تک ایک قسم کی ہچکی لگی رہتی ہے -
ستھری - پاک صاف -
سٹی بھولنا - ہوش گم ہوجانا -
سج دھج - طرز و انداز -
سحاب - ابر -
سُدھارنا - بنانا - سنوانا -
سراب - چمکتا ہوا ریت جو دور سے بہتا ہوا دریا دکھائی دے -
سرٹیفکٹ - سند -
سرشار - لب ریز -
سفیہ - احمق -
سکالرشپ - وظیفہ
سلوٹ - شکن -
سمِ قاتل - زہر ہلاہل
سموچا - ثابت -
سنّاٹا - چپ چاپ - سکوت -
سوانا - سر حد -
سوبھا - رونق -
سوپرنٹنڈنٹ - پولیس کا افسر
سوڈا اور ایسڈ - یہ دو دوائیں انگریزی ہیں جن کے ملانے سے اُبال آتا ہے -
سڈول - خوش وضع -
سہم جانا - خوف زدہ ہوجانا -
سیرا - سرہانے کی پٹی چارپائی کی -

ش

شغف - عشق -

ع

عبودیت - بندگی -

ف

فطری - خلقی -
فیثاغورس - ایک مشہور حکیم کا نام ہے -
فیل کرنا - مکر کرنا - حیلہ کرنا -

ک

کارن - سبب باعث -
کاڑھا - زچگی کے ایام میں ایک قسم کی گرم دوا پلائی جاتی ہے - اسے کاڑھا کہتے ہیں -
کرکری - خفیف ہونا -
کُریدنا - پرچول کرنا -
کڑاکے کی سردی - شدت کی سردی
کڑھنا - رنج کرنا -
کسک - کسر -
کفران - ناشکری -
کلنگ کا ٹیکا - کلنگ معنی سیاہی

یعنی بدنامی کا ٹیکا۔
کن انکھیوں سے دیکھنا۔ ترچھی نگاہوں سے دیکھنا۔
کنوڈا۔ دبیل۔ دبی ہوئی۔
کنّی دبنا۔ مرعوب ہونا۔
کنّی کاٹنا۔ راستہ بچانا۔
کوتک۔ خراب عادت۔
کوڑیوں بیسیوں کھانچا۔ کونا
کہاوت۔ مثل۔
کھرچن۔ کھانے کا وہ جزو جو پتیلی میں لگ جاتا ہے۔
کھسیانی۔ رونکھی۔
کھُل کھیلنا۔ آزاد ہوجانا

گ

گت۔ حالت۔
گھُنّی مار۔ اندرونی مار۔
گُل چھرّے اڑانا۔ مزے اڑانا
گنڈے دار۔ غیر مسلسل۔
گونتھنا۔ خراب سینا۔
گھات۔ تاک۔
گھُٹنّا۔ اونچا پاجامہ جو گھٹنوں سے اوپر ہو
گھرکنا۔ خفا ہونا۔ ڈانٹنا۔
گھگّی بندھنا۔ خوف سے آواز کا بیٹھ جانا
گیڑیاں۔ عوام کے بچے لکڑیوں سے ایک قسم کا کھیل کھیلتے ہیں اسے گیڑیاں کھیلنا کہتے ہیں۔

ل

لاج۔ شرم۔ لایعقل۔ بے عقل
لت۔ خراب عادت۔ لتاڑنا۔ ڈانٹنا
لتھیڑنا۔ لپیٹ دینا۔
لٹّو ہونا۔ فریفتہ ہونا۔
لچھّن۔ آثار۔ علامت۔
لشٹم پشٹم۔ جس طرح ہوسکے برا یا بھلا
للّو پتّو۔ خوشامد۔
لیتڑے۔ پرانی جوتیاں۔

م

ماتھا ٹھنکنا۔ اندیشہ ہونا۔
متداول۔ مشہور۔
مٹک چٹک۔ مٹکنا بننا۔
مجسٹریٹ۔ حاکم عدالت
مدھم۔ ماند۔ مزامیر۔ باجے
مچان۔ کوٹھری میں تختہ لگا کر کوئی چیز رکھنے کے واسطے بنا لیتے ہیں اسے مچان کہتے ہیں۔
مسا کر۔ مشکل سے۔
مساہلہ۔ سہج سبھاؤ۔
مساعدت۔ مدد
مشق و تمرین۔ دونوں ہم معنی ہیں
مضغہ۔ لوتھڑا۔
مکّا۔ گھونسا۔
مگرا۔ خانٹا۔ ٹرّا۔
ملاگیری۔ ایک قسم کا خوشبودار رنگ ہے
ملتبس۔ مشابہ یکساں۔
ملونی۔ آمیزش
ملیامیٹ۔ نیست و نابود۔
منافست۔ [illegible]
مُنھ تک ڈوبا ہوا
موکھا۔ سوراخ
موسنا۔ مروڑنا۔
مَیّا۔ تصغیر ہے اماں کو کہتے ہیں۔

ن

نبھنا۔ گزرنا
نڈھال۔ بدحال
منفعل۔
نستو پانی۔ بالکل پانی
نقش فی الحجر۔ پتھر کی لکیر
نکتوڑا۔ نخرہ۔
نکّڑ۔ گلی کا کونا۔
نکّو بننا۔ بدنام ہونا
نکھٹّو۔ بے کار بے مصرف
نگوڑا۔ بے چارہ
نگھری۔ ندری۔

ہ

ہتھکنڈے۔ چالاکیاں۔
ہٹیلا۔ ضدّی۔
ہدڑا۔ برا حال
ہردا۔ ہیاو۔ دل کھل جانا مراد ہے
ہکّا بکّا۔ متحیر۔
ہوّا۔ ڈر کی چیز۔
ہول۔ گھبراہٹ۔
ہولے سے۔ آہستہ سے
ہیٹا پن۔ کم ہمتی

ی

یونیورسٹی۔ دارالعلوم